ابنِ صفی

جلد نمبر
16

جاسوسی دنیا

50- پاگل خانے کا قیدی

51- شعلوں کا ناچ

52- گیارہواں زینہ

جاسوسی دنیا نمبر 51

شعلوں کا ناچ

(مکمل ناول)

وحشی اجنبی

سلور مون ریستوران میں ایک آدمی داخل ہوا اور سب کی نگاہیں اس کی طرف اٹھ گئیں۔

وہ ایک دراز قد اور گٹھیلے جسم کا جوان تھا۔ چہرہ بھرا ہوا.... اور بڑے بالوں والی سیاہ ٹوپی کے نیچے دو بڑی بڑی اور وحشت زدہ آنکھیں جن میں سرخ ڈورے نظر آرہے تھے۔ جسم پر لمبا کوٹ تھا اور کاندھے پر ایک کمبل۔

اُس کی شخصیت میں ایک خاص قسم کی کشش تھی جس کی بناء پر دوسرے اُسے دیکھنے پر مجبور تھے۔ ایک کرسی پر بیٹھتے وقت اُس کے ہونٹ ذرا سے کھلے اور سفید چمکدار دانتوں کی قطار کی ایک جھلک دکھائی دی۔ اس کے انداز میں بڑی درندگی تھی۔

ریستوران میں بیٹھی ہوئی ایک لڑکی اپنے ساتھی کی طرف جھک کر آہستہ سے بولی۔ ”اس آدمی کو دیکھ کر نہ جانے کیوں ذہن میں کسی بھیڑیئے کا تصور ابھرتا ہے۔“

لڑکی کا ساتھی چونک کر اس کی طرف مڑا۔ وہ بھی نووارد کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔

”ہاں! خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔“ اُس کے ساتھی نے کہا۔

”مگر اس کی آنکھیں۔“ لڑکی نہ جانے کیوں کانپ کر رہ گئی۔

”اُس کی آنکھیں....!“ ساتھی نے ایک طویل سانس لی اور تلخ لہجے میں بولا۔ ”اس کی آنکھوں میں تمہیں اپنی روح کے ویرانے نظر آتے ہوں گے۔ اس کی آنکھوں میں تمہیں اپنے جسم کی تسکین کا پیغام نظر آرہا ہوگا۔ تم عورتیں آنکھوں سے سب کچھ معلوم کرلیتی ہو۔“

”شش اُلو کہیں کے۔“ لڑکی مسکرائی۔ ”تم مرد بدگمانی کے کیچڑ کے کیڑے ہو۔ میں تو یہ کہہ

رہی تھی کہ اُس کی آنکھیں خونیوں کی سی ہیں۔"

اچانک ایک گرجدار آواز سن کر ہال میں بیٹھے ہوئے تمام لوگ چونک پڑے۔

نووارد ایک ویٹر پر گرج رہا تھا۔ "ابے یہ سالن! چڑیا کے بچے کے لئے لایا ہے۔ مذاق کرتا ہے فقیر سمجھتا ہے.... یہ لے۔"

اس نے جیب سے سو کا ایک نوٹ نکال کر میز پر پٹخ دیا۔

منیجر کاؤنٹر کے پیچھے سے نکل کر بڑی تیزی سے اُس کی طرف آیا۔

"فرمایئے! جناب والا....!"

"فرمایئے کیا بھئی! یہ تمہارا نوکر آدمی ہے یا اُلو۔ ہم نے کھانے کے لئے کہا تھا اور یہ کھانا آیا ہے.... کیا ہمیں بچہ سمجھتا ہے.... اتنا ذرا سا سالن.... اور یہ دو چپاتیاں.... خدا کی مار.... نوٹ پکڑو.... کھانا لاؤ کھانا....!"

منیجر نے اُسے نیچے سے اوپر تک دیکھا اور پھر اپنے چہرے پر لجاجت کے آثار پیدا کرتا ہوا بولا۔ "اوہ جناب والا معاف کیجئے گا۔ میں ابھی آپ کے لئے انتظام کرتا ہوں۔ نوٹ آپ اپنے پاس ہی رکھئے۔"

"نہیں.... نوٹ تم رکھو.... جلدی کرو۔" وہ غصیلے انداز میں میز پر گھونسہ مار کر بولا۔

"بہت بہتر جناب۔" منیجر نے میز سے نوٹ اٹھا کر جیب میں رکھ لیا اور ویٹر کو الگ بلاتا ہوا بولا۔ "یہ کوئی کوہستانی معلوم ہوتا ہے ایک پوری مرغی.... آدھی ران اور بیس چپاتیاں اس کی میز پر لگادو.... چائے کے لئے کہے تو پانچ پیالیوں والی چائے دانی رکھنا۔"

ویٹر نے نووارد کی میز صاف کردی اور پانچ منٹ کے اندر ہی اندر منیجر کی ہدایت کے مطابق میز پر کھانا لگادیا گیا۔

"ٹھیک ہے۔" نووارد غرایا۔ "ہم تجھے خوش کریں گے۔"

ویٹر ادب سے سلام کر کے ہٹ گیا۔

ہال کے دوسرے لوگ اُسے حیرت سے دیکھتے رہے۔

"بالکل جانور معلوم ہوتا ہے۔" لڑکی نے اپنے ساتھی سے کہا۔

"ہاں تم لوگ اب تہذیب و شائستگی سے اکتا گئی ہو۔ تمہیں اب سے ہزاروں سال پرانا مرد

چاہئے۔ ہزاروں سال پرانا مرد جو ہر معاملے میں بالکل جاہل ہو۔"

"تم گدھے ہو۔" لڑکی بھنا کر بولی۔

"گدھا محض اپنی شائستگی ہی کی بناء پر بدنام ہے۔ اتفاق رائے نہ ہونے پر مجھے گدھا ہی کہو گی۔ شیر یا چیتا کبھی نہیں کہہ سکتیں، حالانکہ ابھی اُس آدمی کو دیکھ کر تمہارے ذہن میں بھیڑیئے کا تصور ابھرا تھا۔"

"تم بار بار اُس کا حوالہ کیوں دے رہے ہو۔"

"محض اس لئے کہ تم اُس سے بہت زیادہ متاثر ہوئی ہو۔"

"بکواس ہے۔"

دوسری طرف وہ نووارد بلند آواز میں ویٹر سے کہہ رہا تھا۔ "ارے.... ادھر مرغیوں میں بالکل دم نہیں ہوتا۔ ہڈیوں پر کھال لپٹی ہوئی ہے۔"

"حضور کیا کیا جائے اِدھر ایسی ہی ملتی ہیں۔" ویٹر نے مؤدبانہ جواب دیا۔

"ہاں.... ہاں....!" نووارد سر ہلا کر ران ادھیڑنے لگا۔ اس سلسلے میں وہ اپنے دونوں ہاتھ استعمال کر رہا تھا۔

بیس منٹ کے اندر اندر سارے برتن صاف ہو گئے اور باقی بچی ہوئی دو چپاتیوں سے اُس نے اپنے دونوں ہاتھ صاف کئے.... پھر اُس نے چائے طلب کی۔

"کتنا مردانہ پن ہے اس کے انداز میں۔" لڑکی بولی۔ "شاید اب وہ چڑ کر سچ مچ اپنے ساتھی کو جلا رہی تھی۔"

"سبحان اللہ کیا کہنے ہیں۔" اس کے ساتھی نے جلے بھنے ہوئے لہجے میں کہا۔

"پتہ نہیں.... یہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے۔" لڑکی بولی۔ "اِدھر کا تو معلوم نہیں ہوتا۔"

"یہ اُدھر کا ہے جہاں کے لوگ اپنی عورتوں کو بھیڑوں سے بھی بدتر سمجھتے ہیں۔"

"بھیڑیں دودھ دیتی ہیں نا۔" لڑکی مسکرا کر بولی۔ "عورت سے مرد کا پیٹ نہیں بھرتا.... سمجھے! وہ لوگ ٹھیک کرتے ہیں۔ یہی ہونا چاہئے۔ ہر عورت فطرتاً مرد چاہتی ہے۔ خادم نہیں۔ وہاں کی عورتوں کو حقیقی مسرت ملتی ہو گی۔"

"تم مجھے غصہ دلا رہی ہو۔"

"ہاہا....!" لڑکی طنزیہ انداز میں ہنسی۔ "تمہیں ہرگز غصہ نہیں آئے گا۔ غصہ تو اسے آتا ہے۔ اُسے اس بات پر غصہ آتا ہے کہ اُسے پلیٹ میں تھوڑا سا سالن دیا جاتا ہے۔ کوارٹر پلیٹ۔ اُسے اس بات پر غصہ آتا ہے کہ یہاں کی مرغیاں دبلی ہوتی ہیں اور اُس کے دانت کھال سے پھسل کر ہڈیوں سے جا ٹکراتے ہیں۔ دیکھو ویٹر سمجھدار معلوم ہوتا ہے اس نے بہت بڑی چائے دانی اس کے سامنے رکھی ہے۔"

انٹلکچوالس کا یہ جوڑا آپس میں الجھتا رہا اور نووارد وہاں سے جانے کے لئے اٹھ گیا۔

ویٹر نے نوٹ کے بقیہ روپے طشتری میں رکھ کر پیش کئے۔

"یہ کیا....!" نووارد نے حیرت کا اظہار کیا۔

"آپ کے بقیہ روپے۔"

"ہشت....!" وہ طشتری کو دوسری طرف کھسکاتا ہوا بولا۔ "جاؤ.... یہ تمہارا انعام ہے۔"

زیادہ رات نہیں گئی تھی۔ ابھی صرف سات بجے تھے۔ لیکن سردیوں کی راتیں جن کی ابتدء اور انتہا میں کافی فاصلہ معلوم ہوتا ہے۔

اجنبی ریستوران سے نکل کر فٹ پاتھ پر آ گیا۔

وہ جگمگاتی ہوئی دکانوں اور دہکتی ہوئی سڑکوں کو اس طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا جیسے اپنی زندگی میں پہلی بار کسی بڑے شہر میں آیا ہو۔

اُس کے قریب سے زرق برق لباس میں خوبصورت عورتیں گذرتیں اور وہ ٹھٹک کر ایک طرف ہو جاتا اور پھر کچھ دیر رک کر ندیدی آنکھوں سے اُن کی سبک خرامی دیکھتا رہتا۔ حتیٰ کہ وہ کسی موڑ پر نظروں سے اوجھل ہو جاتیں اور وہ آگے بڑھ جاتا۔ سر بفلک عمارتوں کو نیچے سے اوپر تک دیکھتے وقت وہ اپنی بڑے بالوں والی سیاہ ٹوپی پر ہاتھ ضرور رکھ لیتا تھا۔

خوبصورت اور سبک کاریں چکنی سڑک پر پھسل رہی تھیں اور وہ بڑی دیر سے سڑک پار کرنے کے انتظار میں کھڑا تھا۔ دوسری طرف کے فٹ پاتھ پر اُسے بھیڑ نظر آ رہی تھی۔ اُدھر کوئی چیز تھی جسے دیکھنے کے لئے لوگ اس کے گرد اکٹھا ہو گئے تھے۔

بدقت تمام وہ سڑک پار کرنے میں کامیاب ہوا۔

مجمعے کے درمیان میں اُسے ایک آدمی دکھائی دیا جس نے اپنے داہنے ہاتھ پر سات آٹھ

سانپ لٹکار کھے تھے اور اس کے پیچھے بے شمار ڈبوں اور مرتبانوں کے ڈھیر تھے۔ ایک اونچے اسٹول پر پیٹرومیکس لیمپ رکھا ہوا تھا۔

وہ آدمی چیخ رہا تھا۔ "تو صاحبان جب بادشاہ چلا گیا تو اس کی نوجوان ملکہ نے.... اپنے حبشی غلام کو طلب کیا.... اے بچے۔ جاؤ مجمعے سے باہر جاؤ۔" اس نے کہانی روک کر ایک بچے کو ڈانٹا جو مجمعے میں گھسنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لڑکا آگے پہنچ چکا تھا۔

کہانی سنانے والے نے اسے دھمکانے کے لئے سانپوں والا ہاتھ اس طرف بڑھا دیا۔ لڑکا پلٹ کر اجنبی کو دھکا دیتا ہوا مجمعے سے باہر نکل گیا۔

"اوئے خدائی خوار....!" اجنبی جھلا کر پلٹا مگر لڑکا جا چکا تھا۔

"ہاں تو صاحبان وہ ایک ملک کی ملکہ تھی۔ اسے کس چیز کی کمی تھی۔ ذرا اپنی جیب پاکٹ سے ہوشیار رہئے گا.... جہاں دس شریف ہوتے ہیں وہاں دو چار ذاتِ شریف بھی آجاتے ہیں جی ہاں.... ہاں تو.... صاحبان....!"

"او.... صاحبان کے بچے۔" اچانک مجمعے کے باہر سے کسی نے کہانی سنانے والے کو للکارا۔

لوگ چونک کر مڑے۔ ایک ڈیوٹی کانسٹیبل پیچھے کھڑا کھانس رہا تھا۔

کھانس چکنے کے بعد اس نے بلغم کا پٹاخہ سڑک پر مارتے ہوئے کہا۔ "آج پھر تو نے یہاں مجمع لگایا ہے.... ہائیں....!"

"دوسرے جمعدار نے اجازت دے دی تھی جمعدار۔" کہانی سنانے والے نے دانت نکال دیئے۔

"ہٹاؤ.... یہاں سے کاٹھ کباڑ جمعدار کے جنے۔" کانسٹیبل ہاتھ ہلا کر بولا۔

"تم کہانی سناؤ۔" اجنبی نے بازاری دوافروش سے کہا۔

کانسٹیبل اجنبی کو گھورنے لگا۔ لوگ ایک ایک کر کے کھسکنے لگے تھے۔

"ٹھہرو....!" اجنبی ہاتھ اٹھا کر چیخا۔ "ٹھہر جاؤ کہانی ضرور سنی جائے گی۔ یہ کون ہوتا ہے روکنے والا۔"

"ابے ہوش میں ہے یا نہیں۔" کانسٹیبل اجنبی پر جھپٹا۔

لیکن دوسرے ہی لمحے میں وہ اُس کے دونوں ہاتھوں پر تھا اور ہاتھ اوپر کی طرف اٹھتے جا رہے تھے۔ اجنبی نے اُسے سر سے بلند کر کے فٹ پاتھ پر پٹخ دیا۔

بھگدڑ مچ گئی۔ دوا فروش کے ڈبے اور مرتبان الٹنے لگے۔

دو چار دوسرے کانسٹیبل اِدھر اُدھر سے دوڑ پڑے۔ اجنبی ان حالات سے بے پرواہ کانسٹیبل کے دوبارہ اٹھنے کا انتظار کر رہا تھا۔ اچانک پانچ کانسٹیبل اُس پر ٹوٹ پڑے۔ دس پانچ راہگیر بھی اُن کا ہاتھ بٹانے لگے۔

لیکن اب اجنبی نے ایک بڑا سا چاقو نکال لیا تھا۔ یکے بعد دیگرے چار پانچ چیخیں فضا میں لہرائیں اور اجنبی حملہ آوروں کے نرغے سے نکل کر سڑک پار کرتا ہوا ایک پتلی سی گلی میں گھس گیا۔

گلی میں اندھیرا تھا اور وہ اپنے پیچھے بھاگتے ہوئے آدمیوں کا شور سن رہا تھا۔ اچانک اُس نے محسوس کیا کہ کوئی اُس کے آگے بھی بھاگ رہا ہے۔

اُس نے چاقو کے دستے پر اپنی گرفت مضبوط کرلی اور بھاگتا رہا۔

پھر ایک جگہ اُسے جھٹکا سا لگا اور وہ منہ کے بل گرنے کی بجائے بائیں طرف گھسٹتا چلا گیا۔ اُس کے دونوں بازو کسی کی گرفت میں تھے۔

اس جدوجہد میں چاقو اُس کے ہاتھ سے نکل گیا۔

"خاموش رہو۔" اُس نے ایک تیز قسم کی سرگوشی سنی۔ "میں تمہارا دوست ہوں۔ میرے ساتھ آؤ.... ورنہ یہ لوگ تمہاری بوٹیاں اڑا دیں گے۔"

اجنبی اپنے ہاتھ چھڑا کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اُس سے دو تین فٹ کے فاصلے پر اندھیرے میں کوئی اور بھی تھا۔

اُس نے پھر نرم لہجے میں کہا۔ "میرے ساتھ آؤ دوست....!"

"چلو....!" اجنبی پھٹی ہوئی سی آواز میں بولا۔

"جلدی کرو۔ وہ آگئے۔" اُس نے اجنبی کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔

اندھیرا.... اندھیرے ہی میں اجنبی نے دروازہ بند ہونے کی آواز سنی۔ اندھیرے ہی میں وہ اوپر جانے کے لئے زینے طے کرنے لگا۔ اس کا ایک ہاتھ اب بھی دوسرے آدمی کے ہاتھ میں تھا اور باہر کے شور و غل کی آوازیں اب بھی اس کے کانوں تک پہنچ رہی تھیں۔

وہ دونوں ایک جگہ رک گئے۔ اجنبی نے قفل میں کنجی گھومنے کی آواز سنی۔

ایک دروازہ ہلکی سی چرچراہٹ کے ساتھ کھلا۔

"آجاؤ....!" دوسرے آدمی نے کہا اور اجنبی ٹٹول کر دروازے میں داخل ہو گیا۔

سوئچ دبنے سے ہلکی سی آواز ہوئی اور کمرہ روشن ہو گیا۔ اجنبی کے سامنے ایک دراز قد آدمی کھڑا تھا۔ اس کے جسم پر انگریزی وضع کا اعلیٰ ترین لباس تھا اور ہاتھوں میں جواہرات کی انگشتریاں جگمگا رہی تھیں۔ لیکن اس کا چہرہ.... وہ السٹر کے اٹھے ہوئے کالر اور نیچے جھکے ہوئے فلٹ ہیٹ کے گوشے کے پیچھے چھپ گیا تھا۔

"تم بہت بہادر ہو.... بہت دلیر....!" اُس نے اجنبی کو نیچے سے اوپر تک دیکھتے ہوئے کہا۔

اجنبی کوئی جواب دیئے بغیر اُسے گھورتا رہا۔

"تم کون ہو....!" آخر اجنبی نے پوچھا۔

"تمہارا دوست....! دوست کوئی بھی ہو ہر حال میں فائدہ ہی پہنچاتا ہے۔ تم نے اس وقت چھ آدمیوں کو زخمی کیا ہے اور یہ تو کل ہی معلوم ہو سکے گا کہ ان میں سے کتنے مر گئے۔"

"مر گئے ہوں گے۔" اجنبی نے لاپروائی سے اپنے شانوں کو جنبش دی۔

"ٹھیک ہے! مجھے اُن کے مرنے یا جینے کی فکر نہیں۔ مگر میں یہ سوچ رہا ہوں کہ تم جیسا دلیر دوست پھر مجھے نہیں ملے گا۔"

"ملے گا کیوں نہیں۔" اجنبی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "کیوں مجھے کیا ہو جائے گا۔"

"تمہیں! تمہیں میرے دوست.... اگر پولیس تمہیں پا گئی.... تو تم پھانسی پر لٹکا دیئے جاؤ گے۔"

"دوسری دنیا میں ملیں گے دوست مجھے معلوم ہے کہ تمہارا یہاں کا قانون ایسے لوگوں کو زندہ نہیں رہنے دیتا۔ ورنہ.... ورنہ میں تو اس سے پہلے بھی سترہ آدمیوں کو جان سے مار چکا ہوں۔"

"اوہ....!"

"ہاں دوست....!" اجنبی نے مسکراتے ہوئے ایک طویل انگڑائی لی۔

"اچھا دوست.... دوست میں تمہارے لئے جان کی بازی لگا دوں گا۔" دوسرے آدمی نے کہا۔ "میں تمہیں یہاں سے کہیں اور لے جاؤں گا۔ قانون کے ہاتھ تم تک نہ پہنچ سکیں گے۔"

اجنبی کچھ نہ بولا۔

پُراسرار دوست

تھوڑی دیر بعد ایک لمبی سی سیڈان تاریک گلیوں سے نکل کر شاہراہ پر آگئی۔ اجنبی پچھلی سیٹ پر تھا اور دوسرا آدمی ڈرائیو کر رہا تھا۔ اجنبی کی ہیئت بدل چکی تھی۔ اب اس کے جسم پر ایک قیمتی سوٹ تھا اور سر پر لمبے بالوں کی ٹوپی کی بجائے فلٹ ہیٹ.... جن لوگوں کو اس نے تھوڑی دیر قبل زخمی کیا تھا وہ بھی شاید اب اسے نہ پہچان سکتے۔

ان کا سفر آدھے گھنٹے تک جاری رہا.... پھر سیڈان ایک عمارت کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔

"آؤ دوست....!" دوسرے آدمی نے پچھلی نشست کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ اجنبی گاڑی سے اتر آیا۔

پھر تھوڑی دیر بعد وہ کمرے کی سجاوٹ کا جائزہ لے رہا تھا۔ جہاں اسے بٹھایا گیا تھا اور وہ آدمی اب وہاں موجود نہیں تھا جو اُسے یہاں لایا تھا۔

وہ زیادہ دیر تک تنہا نہیں رہا۔ وہ آدمی واپس آگیا لیکن اس کی حالت میں اب بھی کوئی تغیر واقع نہیں ہوا تھا۔ اُس کا چہرہ اب بھی اجنبی کی نظروں سے پوشیدہ تھا۔

"میں نے تمہیں سلور مون ریستوران میں دیکھا تھا۔" اُس نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"کہاں.... میں نہیں سمجھا۔" اجنبی نے پوچھا۔

"جہاں تم نے کھانا کھایا تھا۔" اُس نے کہا۔ "میں نے وہیں تم کو اپنی دوستی کے لئے منتخب کر لیا تھا۔ پھر جب میں نے تمہیں مشکلات میں گھرا ہوا دیکھا تو .... میں .... اور دیکھو دوست.... ریستوران میں میں نے صرف یہ سوچا تھا کہ تم سے دوستی کروں اور جب تمہیں پریشانی میں دیکھا تو مجھے تم سے اتنی ہی محبت معلوم ہوئی جتنی ایک پرانے دوست کے لئے معلوم ہونی چاہئے۔"

"میں تمہارا شکر گذار ہوں دوست۔" اجنبی مسکرا کر بولا۔ "اور تم مجھے.... غیر وفادار دوست نہ پاؤ گے۔"

"میں بے غرض محبت کرتا ہوں۔" اُس آدمی نے کہا۔

"پرواہ نہ کرو۔" اجنبی بولا۔ "میں ناسپاس نہیں ہوں۔"

"اب میں اپنے دوست کے متعلق جاننا چاہوں گا کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے۔"

"میں .... نصرت ہوں.... نصرت جلال.... میں کسی کو نہیں بتاتا کہ میں کون ہوں۔ لیکن تم.... تم میرے دوست ہو۔ تم نے خان جلال کا نام سنا ہے۔"

"خان جلال.... نام تو سنا ہے۔"

"خان مقلاق....!" اجنبی نے کہا۔

"خان مقلاق.... ہاں ہاں....!" دوسرا آگے جھک آیا۔

"میں خان مقلاق کا بیٹا ہوں.... نصرت جلال.... چھوٹا خان مقلاق۔"

"کسی ہمدرد دوست کو دھوکا دینا بُری بات ہے۔" اُس نے کہا۔

"کیا مطلب....!" اجنبی کی بھنویں تن گئیں۔

"یہی کہ تم ایک غلط بات کہہ رہے ہو۔"

"مجھے جھوٹا کہنے والا زندہ نہیں رہتا۔" اجنبی اچھل کر کھڑا ہو گیا لیکن پھر سنبھل کر بیٹھتا ہوا بولا۔ "معاف کرنا.... میں تمہیں دوست کہہ چکا ہوں۔"

"کوئی بات نہیں۔" وہ ہنس کر بولا۔ "تم بڑے غصہ ور معلوم ہوتے ہو۔"

"میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میں اپنی اصلیت کسی کو نہ بتاتا لیکن... تم میرے دوست ہو۔"

"میرا یہ مطلب نہیں تھا کہ تم جھوٹ کہہ رہے ہو۔ خان مقلاق بہت بڑا آدمی ہے۔ آزاد علاقے کا حکمران۔ اس کا بیٹا.... اس طرح.... میرا مطلب ہے کہ اگر خان مقلاق کا بیٹا یہاں آتا تو حکومت اُس کے لئے خاص قسم کے انتظامات کرتی۔"

"میں دنیا دیکھنا چاہتا ہوں۔" اجنبی نے برجستہ کہا۔ "خان بابا.... نے....!"

وہ یک بیک خاموش ہو کر اُسے گھورنے لگا۔ پھر جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "تم کیسے دوست ہو۔ میں نے ابھی تک تمہاری شکل بھی نہیں دیکھی۔"

"اوہو.... تو اس سے ہماری دوستی پر کیا اثر پڑتا ہے۔"

"مہربانی کر کے اپنی ٹوپی اتارو اور کالر نیچے گرا دو۔ ورنہ میں زبردستی....!"

"نہیں پیارے دوست.... نصرت خاں۔" اُس کی آواز دردناک ہو گئی۔ "تم میری صورت کبھی نہ دیکھ سکو گے.... کبھی نہیں! میری صورت آج تک کسی نے نہیں دیکھی۔ میں ایک

بدنصیب آدمی ہوں۔ میرا چہرہ اتنا بدنما ہے کہ تم اس پر تھوک دو گے۔ یہاں سے چلے جاؤ گے مجھ سے نفرت کرو گے اور میرا دل ٹوٹ جائے گا۔ میں محبت کا بھوکا ہوں۔ پیار چاہتا ہوں۔ مجھے اس کیلئے مجبور نہ کرو۔ پیارے دوست.... نصرت خاں.... اور مقلاق کے آٹھویں خان اعظم....!"

"اوہ تو تمہیں یقین آگیا کہ میں چھوٹا خان ہوں۔"

"مجھے یقین ہے دوست.... میں ایک بار خان اعظم سے مل چکا ہوں۔ تم اُن سے بہت مشابہ ہو۔"

"ٹھیک....!" اجنبی ہنس کر بولا۔ "لوگ کہتے ہیں کہ اگر میں ڈاڑھی رکھ لوں اور وہ سفید ہو جائے تو میں خان بابا کا ہم شکل ہو جاؤں گا۔"

"بالکل ٹھیک کہتے ہیں نصرت خان.... تم خانِ اعظم کے اکلوتے بیٹے ہو نا۔"

"ہاں.... یہ درست ہے۔"

"لیکن تم.... اس حال میں یہاں کیوں۔"

"رازداری کی قسم کھاؤ تو بتادوں۔"

"میں سڑتی ہوئی تین ہزار لاشوں کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمہارا راز ہمیشہ راز ہی رہے گا۔"

"یہ کیسی قسم تھی! تمہارا مذہب کیا ہے۔" اجنبی اُسے گھورنے لگا۔

"میرا مذہب....!" اُس نے سر ہلا کر کہا۔ "میرا مذہب وہی ہے جو.... خیر ہٹاؤ! تمہیں شائد اُس قسم پر اعتراض ہے جو میں نے ابھی کھائی ہے۔"

اجنبی کچھ نہ بولا۔ وہ اُسے مشتبہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"یہ قسم....!" اس پر اسرار دوست نے کہا۔ "یہ قسم وہی ہے جو ہزاروں سال سے طاقتور لوگ کھاتے آئے ہیں۔ میرا مذہب.... قوت ہے.... میری جنت خونریزی ہے اور میرا جہنم وہ پلنگ ہے جس پر کمزور آدمی ایڑیاں رگڑ کر مرتے ہیں۔"

"تم عجیب ہو۔" نصرت خان ہنسنے لگا۔

"اور میں نے تمہیں اس لئے دوست بنایا ہے۔" وہ کہتا رہا۔ "اسی لئے یہاں لایا ہوں کہ تم دلیر ہو اور جس وقت اپنے شکار پر جھپٹتے ہو تمہارے دل میں رحم کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ کیا تمہارا مذہب بھی وہی ہے جو میرا ہے۔"

"نہیں بھئی! میں خدا پرست ہوں اور خدا کا بندہ۔" نصرت خاں بولا۔

"میں بھی خدا کا بندہ ہوں۔" اس کے پراسرار دوست نے کہا۔ "اور وہ بڑی مچھلی بھی خدا کی بندی ہے جو چھوٹی مچھلیوں کو نگل جاتی ہے.... نہیں نصرت خاں.... تم میرے مذہب سے الگ نہیں ہو۔"

"اوئے.... خدائی خوار.... تم کہنا کیا چاہتے ہو۔" نصرت خان ہنسنے لگا۔

"میں فی الحال اور کچھ نہیں کہنا چاہتا سوائے اس کے کہ میں تمہارا راز افشاء نہیں کروں گا۔"

نصرت خان تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"خان بابا.... بہت سخت گیر آدمی ہیں اور اب میں بچہ نہیں ہوں۔ انہوں نے مجھے قید کر رکھا تھا۔ ہمارے ادنیٰ ملازم بھی چار چار عورتیں رکھتے ہیں لیکن میں.... مجھے بچپن سے اب تک عورتوں سے دور رکھا گیا ہے۔ میں دنیا دیکھنا چاہتا تھا مجھے مقلاق کے قلعے کی دیواروں سے نفرت ہو گئی تھی۔ میں وہاں سے چھپ کر نکل آیا اور اب میں وہاں کبھی واپس نہیں جاؤں گا۔ کبھی نہیں۔ خان بابا پاگل ہو گیا ہے۔ مجھے ایک لڑکی سے محبت ہو گئی تھی۔ اس نے قتل کرا دیا تھا۔ وہ بہت حسین تھی دوست بہت حسین۔ میں اُسے ہمیشہ یاد رکھوں گا۔ مجھے خان بابا سے نفرت ہو گئی ہے۔ میں اب وہاں کبھی نہ جاؤں گا۔ میں مقلاق کا آٹھواں خان نہیں بننا چاہتا۔ میں دنیا دیکھنا چاہتا ہوں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ ساری دنیا کے سمندر چھان ماروں۔"

"پرواہ مت کرو۔" اُس کے پُراسرار دوست نے کہا۔ "تم ساری زندگی میرے ساتھ رہو۔ میرا سب کچھ تمہارا ہے۔ میں تمہارے خان بابا سے بھی زیادہ طاقت ور اور اختیار رکھتا ہوں۔"

"آخر تم ہو کون....!" نصرت خان نے حیرت سے کہا۔

"میں طاقت ہوں۔"

"پٹھان ہو.... طاقت خان....!"

اُس کا دوست ہنسنے لگا۔

"چھوڑو.... میں کچھ بھی ہوں اسکی پرواہ نہ کرو۔ مگر یہ سمجھ لو کہ آج سے تم ایک نئی زندگی اور ایک نئی دنیا میں قدم رکھ رہے ہو۔ تمہاری محبوبہ بہت حسین تھی لیکن تم اسے بھول جاؤ گے۔"

"کبھی نہیں بھولوں گا۔" نصرت خان کو غصہ آ گیا۔

"بھول جاؤ گے۔ اچھا اٹھو.... میرے ساتھ چلو۔ میں تمہیں دکھاؤں حسن کسے کہتے ہیں۔ تم اُس ایک عورت کے لئے رنجیدہ ہو۔ طاقت تمہارے لئے ہزار عورتیں مہیا کرے گی۔"

"کرے گی.... طاقت خان کرے گی ہاہا....!" نصرت خان ہنسنے لگا۔ "چلو میں چلتا ہوں۔"

ایک بار پھر وہ اُسی سیڈان میں سفر کر رہے تھے۔

"مجھے اپنا چہرہ دکھا دو۔" نصرت خان بولا۔ "میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم سے نفرت نہیں کروں گا۔"

"میرے دوست تم مجھے دکھ پہنچا رہے ہو.... اور میں اپنے کسی دوست سے اس کی توقع نہیں رکھتا مجھے معاف کر دو۔"

"اچھا دوست....!" نصرت خان ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "اب کبھی اس کی خواہش نہیں کروں گا۔"

"شکریہ! تم بہت اچھے ہو۔"

گاڑی پھر ایک شاندار عمارت کے سامنے رک گئی۔

نصرت خان کے پُر اسرار دوست نے کہا۔ "جاؤ.... یہ پُر مسرت رات تمہارے لئے اپنے بازو کھولے ہوئے ہے۔"

نصرت خان کار سے اتر کر عمارت کی کمپاؤنڈ میں داخل ہو گیا اور سیڈان آگے بڑھ گئی۔ نصرت خان پورچ میں پہنچ کر رک گیا۔ پھر جیسے ہی برآمدے میں پہنچنے کے لئے سیڑھیاں طے کرنے لگا دو لحیم شحیم آدمی صدر دروازے سے اس کی طرف جھپٹے۔

"طاقت....!" نصرت خان آہستہ سے بڑبڑایا اور وہ دونوں الٹے پاؤں پیچھے کھسکتے ہوئے پھر صدر دروازے کے اِدھر اُدھر کھڑے ہو گئے۔

نصرت خان بے دھڑک اندر گھستا چلا گیا۔ راہداری کافی طویل تھی اور اس کے دونوں طرف کمرے تھے۔ راہداری کا اختتام ایک دروازے پر ہوا۔ دروازے کے اُس طرف سامنے ہی ایک پستہ قد آدمی جس کا سر انڈے کے چھلکے کی طرح سپاٹ اور چکنا تھا کھڑا سگار پی رہا تھا۔ نصرت کو دیکھتے ہی اُس نے سگار فرش پر پھینک کر اُسے جوتے سے مسلتے ہوئے قدرے جھک کر کہا۔ "خوش آمدید۔"

نصرت جواباً سر کو خفیف جنبش دے کر مسکرایا۔

اب وہ کافی طویل و عریض ہال میں کھڑا تھا۔

ہال میں کچھ لوگ چاقو پھینکنے کی مشق کررہے تھے۔ نصرت انہیں بڑی توجہ اور دلچسپی سے دیکھنے لگا۔ گنجا آدمی کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن اُس نے ہاتھ اٹھا کر اُسے روک دیا۔ نشانہ بازوں نے اس کی مطلق پرواہ نہ کی کہ کوئی نیا آدمی بھی وہاں موجود ہے۔ وہ بدستور چاقو پھینکنے میں مشغول رہے مگر نصرت نے ایک کو بھی کامیاب ہوتے نہیں دیکھا۔ کسی کا چاقو اب تک ٹارگٹ کے اُس دائرے میں نہیں پڑا تھا جس کے لئے وہ کوشاں تھے۔

"یہ بڑا دلچسپ مشغلہ ہے۔" نصرت گنجے میزبان کی طرف مڑ کر بولا۔

"جی حضور.....!"

"کیا میں بھی کوشش کروں۔"

"ضرور..... ضرور..... کیا میں حضور کے نام کا اعلان کردوں۔"

"میرا نام..... ضرغام ہے۔" نصرت بولا۔ "یہ نام دراصل اُس کے پُراسرار دوست کا منتخب کیا ہوا تھا۔ اُس نے اسے تاکید کردی تھی کہ وہ اپنی اصلیت کسی پر بھی ظاہر نہ کرے۔"

"طاقت کے نئے دوست" گنجے نے بلند آواز میں کہا۔ "مسٹر ضرغام! اب اپنی مشاقی کا مظاہرہ کریں گے۔"

دوسر لوگ ایک طرف ہٹ گئے۔ نصرت نے کشتی سے ایک چاقو اٹھایا۔ ٹارگٹ کی طرف دیکھنے لگا۔ اس میں کئی دائرے تھے اور اُن کا قطر دو انچ تھا۔

"نیلا دائرہ۔" نصرت نے کہا اور دوسرے ہی لمحے میں چاقو اُس کے ہاتھ سے نکل کر نیلے دائرے میں پیوست ہو گیا۔ اُس نے دوسرا چاقو اٹھایا۔

تھوڑی دیر بعد ہر دائرے میں ایک ایک چاقو پیوست نظر آنے لگا۔

نشانہ بازوں میں سے کئی اُسے کینہ توز نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

پھر اچانک سارا ہال بینڈ کی موسیقی سے گونجنے لگا۔ نصرت بوکھلا کر آواز کیطرف مڑا۔ ہال کے دوسرے سرے پر ایک دروازے سے نیم عریاں انگریز لڑکیوں کی ایک قطار برآمد ہورہی تھی۔

پندرہ نیم عریاں لڑکیوں کا رقص۔ نصرت کے ہاتھ سے آخری چاقو چھوٹ کر فرش پر جا گرا۔ لڑکیوں کی قطار آہستہ آہستہ اُس کی طرف بڑھتی آرہی تھی۔ نصرت پتھر کے بت کی

طرح کھڑا رہا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا اور کانوں کی لویں خون اگلتی معلوم ہو رہی تھیں۔

لڑکیاں اُس کے گرد دائرہ بنا کر ناچنے لگیں۔ لاؤڈ اسپیکر سے موسیقی منتشر ہو رہی تھی۔ اُس کے گرد پندرہ حسین ترین لڑکیاں ناچ رہی تھیں اور ہال میں سولہواں متنفس وہ خود تھا۔ نشانہ بازوں اور گنجے میزبان کا کہیں پتہ نہ تھا۔ اچانک ہال کے سارے قمقمے بجھ گئے اور اندھیرے میں سریلے قہقہوں اور چیخوں نے یلغار کر دی۔

طاقت

سردیوں کی شفاف چاندنی جنگل پر بکھری ہوئی تھی۔

کرنل فریدی نے اپنی شاندار کیڈیلاک سڑک کے نیچے اتار دی۔ نکھری ہوئی چاندنی میں سائیں سائیں کرتا ہوا جنگل بڑا پُر کشش معلوم ہو رہا تھا۔

فریدی کار سے اتر کر نیچے کھڑا ہو گیا۔ پھر اُس نے پچھلی نشست کی کھڑکی پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ”تم زندہ ہو یا مر گئے۔“

”اس سردی میں مرنے سے بھی احتراز نہ کروں گا۔“ اندر سے آواز آئی اور یہ آواز کیپٹن حمید کے علاوہ اور کس کی ہو سکتی تھی۔ اُس نے دروازہ کھول کر نیچے اترتے ہوئے کہا۔ ”کیا گاڑی کو دھکا دینا پڑے گا۔“

”رسی نکالو۔“

”دیکھئے! اگر میں گر کر مر گیا تو تمام تر ذمہ داری آپ پر ہو گی۔“ حمید نے کہا۔ ”میرے ہاتھ اور پیر بُری طرح ٹھٹھر گئے ہیں اور اگر اس وقت میں نے درخت پر چڑھنے کی حماقت کی تو سیدھا تحت الثریٰ میں پہنچ جاؤں گا۔“

”رسی نکالو....!“ فریدی جھنجھلا کر بولا۔

حمید نے کار سے ایک موٹی سی رسی کا لچھا نکال کر زمین پر پٹخ دیا۔

”میں تمہیں درخت پر نہیں چڑھاؤں گا۔“ فریدی نے کہا اور رسی کا لچھا اٹھا کر ایک طرف چلنے لگا۔

حمید نے حیرت کے اظہار میں اپنے شانوں کو جنبش دی اور وہ بھی اُس کے ساتھ اس طرح چلنے لگا جیسے اُسے کوئی پیچھے سے دھکیل رہا ہو۔

سڑک کے دونوں طرف کچھ اس قسم کی جھاڑیاں تھیں جنہیں پار کرنا آسان کام نہیں تھا۔ وہ کانٹے دار جھاڑیاں تھیں اور اندازہ نہیں کیا جاسکتا تھا کہ اندر کی طرف اُن کا پھیلاؤ کتنا ہوگا۔

"مجھے بتایئے۔ آخر آپ کیا کرنا چاہتے ہیں۔" حمید نے کہا۔

"تم پرواہ نہ کرو۔ رسی اٹھالینے کے بعد تم یہاں سے چپ چاپ کھسک جاؤ گے سمجھے۔ پھر یہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں۔"

فریدی نے ایک جگہ رک کر رسی کا لچھا کھولا اور اُس کے سرے پر پھندا بنانے لگا۔

حمید حلق سے بے تکی آوازیں نکالتا ہوا اپنی گردن مسل رہا تھا۔

فریدی نے مڑ کر اُس کی طرف دیکھنے کی زحمت نہیں گوارا کی۔ رسی کا پھندا ایک درخت کی ایک موٹی سی شاخ میں پڑ چکا تھا اور اب وہ رسی کو جھٹکے دے کر اُس کی مضبوطی کا اندازہ کر رہا تھا۔

"اَب کب ملاقات ہوگی۔" حمید نے رودینے والی آواز میں پوچھا اور فریدی کو بیساختہ ہنسی آگئی۔

"میں بالکل مایوس ہوگیا ہوں۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

اُس نے فریدی کو رسی پر چڑھتے دیکھا اور اپنا سر کھجانے لگا۔ لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ چلو اچھا ہی ہوا۔ جب تک ملاقات نہ ہو بہتر ہی ہے۔ آج کل کرنل فریدی روز ہی نت نئی حرکتیں کر رہا تھا۔ اور پھر وہ ان کا مقصد بھی نہیں بتاتا تھا۔

فریدی درخت پر پہنچ چکا تھا۔ رسی حمید کے پیروں کے پاس آگری۔ اس نے اُسے تہہ کر کے اٹھایا اور کیڈی میں آبیٹھا۔

انجن اسٹارٹ کردینے کے بعد بھی وہ تھوڑی دیر تک ساکت وصامت بیٹھا رہا حالانکہ فریدی نے تاکید کردی تھی کہ وہ یہاں سے فوراً چلا جائے۔ حمید دراصل اسی کے متعلق سوچ رہا تھا۔ وہ اس وقت شہر سے چالیس میل کے فاصلے پر ایک ویرانے میں تھا۔ گھر سے چلتے وقت جب فریدی نے رسی کی فرمائش کی تھی تو صرف یہ بتایا تھا کہ ایک درخت پر چڑھنا ہوگا۔ مگر اس حماقت کا مقصد کیا تھا؟ اُسے حمید بار بار ذہن پر زور دینے کے باوجود بھی نہ سمجھ سکا۔

آخر کیڈی چل پڑی۔ سڑک سنسان پڑی تھی۔ اس لئے حمید بے کھٹکے اُسے زیادہ سے زیادہ

رفتار سے چلا رہا تھا۔

تھوڑی دیر میں وہ سب کچھ بھول گیا کیونکہ سردی کی شدت نے خود اُسی کے خیال کے مطابق اُس کی کھوپڑی تک منجمد کردی تھی۔

وہ جلد سے جلد شہر پہنچنا چاہتا تھا۔ سردی کی شدت کے باوجود بھی چاندنی بڑی بھلی لگ رہی تھی۔ حمید کو اس کا بھی احساس تھا.... مگر سردی.... وہ چیخ چیخ کر گانے لگا۔ محض اس خیال سے کہ چیخنے سے جسم میں گرمی آتی ہے۔ حمید اچھا گا لیتا تھا لیکن اب اسے وہ کیا کرتا کہ سردی کی وجہ سے ہر بول کی دھن انگریزی ہوتی جارہی تھی۔

خدا خدا کر کے وہ شہر پہنچا۔ راستے میں سب سے پہلے ہائی سرکل نائٹ کلب ہی ایک ایسی جگہ ملتی تھی جہاں وہ اپنے ٹھٹھرے جسم کو گرمی پہنچا سکتا تھا۔

اُس نے کیڈی کمپاؤنڈ میں کھڑی کردی اور کلب کی عمارت میں گھس گیا۔ گیارہ بج چکے تھے اور یہی وقت کلب کی رونق کا تھا۔

اسے ایک بھی میز خالی نہ دکھائی دی۔ لیکن ایسا بھی کیا تھا کہ وہ وہاں سے یونہی رخصت ہو جاتا۔ اس نے منیجر کے کمرے کا رخ کیا۔

ہائی سرکل کا منیجر اس کے خاص شکاروں میں سے تھا۔ وہ حمید کو شعر سناتا تھا۔ جب شعر نہیں سوجھتے تھے تو نثر ہی میں مکھن لگانا شروع کردیتا تھا اور اس کا ایمان تھا کہ حمید کی ناخوشی اس کے لئے ایسے لمحات لاسکتی ہے جو مسندِ عشق پر بھی پھانسی کے تختے کا مزہ دیں۔

وہ حمید کو اپنے آفس میں دیکھ کر گھبرا گیا۔

"آخاہ! کپتان صاحب! واللہ بڑے موقعے سے تشریف لائے۔" وہ اس کی پیشوائی کے لئے اٹھتا ہوا بولا۔

"بور مت کرو۔ بیٹھ جاؤ۔ وہاں کوئی میز خالی نہیں ہے۔ اس لئے میں یہیں بیٹھ کر کافی پیؤں گا۔ ذرا جلدی سے کافی منگواؤ۔ خوب گرم ہونی چاہئے ورنہ کافی پاٹ کسی شاعر کے سر پر پھوٹے گی۔" حمید ایک کرسی میں گرتا ہوا بولا۔

"ضرور.... ضرور.... جناب.... سر آنکھوں پر.... مگر اس ٹھٹھرا دینے والی رات میں آپ تنہا ہیں.... مجھے حیرت ہے.... بقول شاعر....!"

"نہیں شاعر نہیں.... کافی جلدی کرو۔" حمید میز پر ہاتھ مار کر بولا۔

"ابھی لیجئے۔" منیجر میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجانے لگا۔

ایک ویٹر کمرے میں داخل ہوااور کافی کا آرڈر لے کر چلا گیا۔

منیجر حمید کو ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھتا رہا۔ آنے والے لمحات خود اُس کی دانست میں اس کے لئے بہتر نہیں ہو سکتے تھے۔ ہائی سرکل نائٹ کلب میں حمید کا داخلہ ہمیشہ اس کے لئے کسی نہ کسی پریشانی کا باعث بن جایا کرتا تھا۔

"کیا دیکھ رہے ہو۔" اچانک حمید اسے گھورنے لگا۔

"کچھ نہیں! کچھ بھی نہیں.... میں یہ سوچ رہا تھا کہ آج آپ کے انداز بڑے شاعرانہ قسم کے ہیں۔ آہ بالکل عاشق نامراد و مہجور کے لئے۔ وہ جو ہجر کی سنسان راتوں میں تڑپتا رہا ہو۔ اوہ کپتان صاحب آج آپ کے چہرے پر بڑا سوز و گداز ہے.... آہ.... میں سمجھا.... بیوفائی.... محض بیوفائی کسی ستم گر نے آپ کے دل کے ٹکڑے کر دیئے ہیں.... بقول شاعر....!"

حمید منہ پھاڑے اُسے گھورتا رہا اور پھر جیسے ہی اُس نے شعر پڑھنے کا ارادہ کیا حمید اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"اگر تم نے آج مجھے ایک بھی شعر سنایا تو اس عمارت میں زلزلہ آجائے گا سمجھے۔"

"میں سمجھ گیا جناب۔" منیجر ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "یقیناً آپ پر کسی ستم گر نے ظلم ڈھایا ہے۔"

"ستم گر کے بچا! ابھی تک کافی نہیں آئی۔"

"اوہ.... ٹھہریئے.... میں خود دیکھتا ہوں۔" منیجر نے کہا اور اٹھ کر وہاں سے چلا گیا۔

اُس کے جانے کے چند ہی لمحوں کے بعد ایک اینگلوانڈین لڑکی آفس میں داخل ہوئی اور حمید کی طرف دیکھے بغیر مڑ کر دفتر کا دروازہ بند کرنے لگی۔

پھر دروازہ بند کر کے اُس طرف مڑتے ہی وہ کچھ چونک سی پڑی۔

"منیجر کہاں ہیں۔" اُس نے پوچھا۔

"تشریف رکھئے.... وہ ابھی آتے ہیں۔"

لڑکی بیٹھ گئی۔

حمید نے اس پر تفصیلی نظر ڈالی اور ہائی سرکل نائٹ کلب کے منیجر کی قسمت پر عش عش کئے بغیر نہ رہ سکا۔ کیونکہ جس انداز میں اس نے دفتر میں داخل ہو کر دروازہ بند کیا تھا وہ اسی بات کی طرف اشارہ کرتا تھا کہ منیجر سے کافی بے تکلف ہے۔

لڑکی بہت حسین اور پُر کشش تھی۔

اتنے میں کسی نے آفس کے دروازے کا ہینڈل باہر سے گھمایا۔ دروازہ کھل گیا اور منیجر کی بوکھلائی ہوئی شکل دکھائی دی۔

"اوہو....!" وہ اندر گھستا ہوا بولا اور اس طرح درمیان ہی میں رک گیا جیسے پرانی کہانیوں والے کسی شہزادے کی طرح پتھر کا ہو گیا ہو۔

"منیجر....! پلیز یہ تمہارا انتظار کر رہی ہیں۔" حمید اُسے معنی خیز انداز میں آنکھ مار کر بولا۔

"اوہ....ہا....ہاں...." منیجر دونوں ہاتھ پھیلا کر لڑکی کی طرف بڑھا۔

"کیا تم بہت مشغول ہو۔" لڑکی نے اس سے پوچھا۔

"نہیں تو....بالکل نہیں۔"

لڑکی حمید کی طرف دیکھنے لگی۔

"اوہ کیا میں یہاں سے اٹھ کر چلا جاؤں۔" حمید نے کہا۔

"نہیں.... نہیں....!" لڑکی مسکرائی۔ "آپ بیٹھئے....میں تو یونہی .... بس چلی آئی وہاں ہال میں کوئی میز خالی نہیں تھی۔"

"اچھا....اچھا.... میں بھی اسی اتفاق کا شکار ہوں۔" حمید نے منیجر کی طرف مڑ کر کہا۔ "بڑے کافی پاٹ کے لئے کہہ دو....اور تین کپ۔"

منیجر کچھ اس درجہ بوکھلایا ہوا تھا کہ میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجانے کی بجائے سرپٹ باہر نکل گیا۔

"کیا آپ میرے لئے تکلیف کر رہے ہیں۔" لڑکی نے حمید سے کہا۔

"کیسی تکلیف.... بھلا اس میں تکلیف کیسی۔ ایسی خطرناک سردی میں کسی کو کافی پیش کرنا تکلفات میں سے نہیں ہو سکتا۔"

"اوہ شکریہ! سردی تو واقعی بہت زیادہ ہے۔"

حمید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک ویٹر نے اندر آ کر کہا۔ "آپ کو ایک صاحب یاد فرما رہے ہیں۔"

"مجھے....!"

"جی ہاں....!"

"میں ابھی حاضر ہوا۔" حمید لڑکی سے کہتا ہوا باہر نکل گیا۔ لیکن وہ ایک صاحب جنہوں نے اُسے یاد فرمایا تھا منیجر کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا۔

"اس حماقت کا مطلب....!" حمید بھنا کر بولا۔

"میں صرف اتنا عرض کرنا چاہوں گا جناب کپتان صاحب کہ آپ اُس پر ہاتھ صاف کرنے کی کوشش نہیں کریں گے۔"

"کیا وہ تمہاری محبوبہ ہے پیارے منیجر۔"

"آپ کو اس سے سروکار نہ ہونا چاہئے جناب۔"

"اگر وہ تمہاری محبوبہ ہے تو مجھے افسوس ہوا۔ تم اسکے قابل نہیں ہو۔ کیا عمر ہو گی تمہاری۔"

"آپ خواہ مخواہ بات بڑھا رہے ہیں۔"

"نہیں! میرا خیال ہے کہ تم پینتالیس کے ضرور ہو گے۔"

"کپتان صاحب۔"

"اور وہ چوبیس سے زیادہ نہیں ہو گی۔ میرا دعویٰ ہے۔"

"آخر آپ چاہتے کیا ہیں۔"

"کچھ بھی نہیں۔ میں تمہارا بھلا ہی چاہوں گا۔"

"آپ براہِ کرم.... میں یہاں ہال میں ایک میز کا انتظام کئے دیتا ہوں۔"

"کچھ بھی ہو۔ وہ کافی میرے ساتھ پئے گی۔ میں اُسے مدعو کر چکا ہوں۔ ارے جان کیوں نکل رہی ہے۔ کیا مجھے ڈاکو سمجھتے ہو۔"

"دیکھئے میں اسے پسند نہیں کرتا۔"

"مجھے تمہاری پسند کی پرواہ نہیں۔ لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ انتخاب غلط ہے۔ تم چالیس سے اوپر ہو اس لئے کم سے کم تیس سال کی محبوبہ ہونی چاہئے۔ اچھا میری عمر کے متعلق تمہارا کیا اندازہ ہو گا۔"

"حمید صاحب....!" منیجر دانت پیس کر بولا۔ "اتنا یاد رکھئے کہ چیونٹی بھی دب کر کاٹ ہی

لیتی ہے۔"

"اس لئے میں نے آج تک کسی چیونٹی سے عشق نہیں کیا۔ تم ٹھیک کہتے ہو۔ اچھا.... ہم تینوں وہیں کافی پئیں گے ورنہ دوسری صورت میں کیا فائدہ کہ تمہاری محبوبہ تمہاری حالت پر قہقہے لگانے پر مجبور ہو جائے۔ ہاں شاباش....!"

حمید نے کہا اور اُس کا جواب سنے بغیر وہاں سے چل دیا۔

آفس میں اینگلوانڈین لڑکی ایک آرام کرسی پر نیم دراز چھت کی طرف دیکھ رہی تھی۔

حمید نے آفس میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔ لڑکی بدستور آرام کرسی میں پڑی رہی۔

"معاف کیجئے گا۔" اُس نے مسکرا کر کہا۔ "میں بہت تھک گئی ہوں۔"

"اوہو! کوئی بات نہیں۔" حمید نے سنجیدگی اور بھولے پن کے ساتھ کہا۔

منیجر بہت اچھا آدمی ہے۔ اُسے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔"

"جی ہاں....!" لڑکی مسکرائی۔ "ہم دونوں گہرے دوست ہیں۔"

"اوہ تب تو آپ مجھے بھی.... اپنا گہرا دوست سمجھئے۔ کیونکہ منیجر سے میرے تعلقات بہت پرانے ہیں۔"

"بڑی خوشی ہوئی۔"

"مجھے حمید کہتے ہیں۔"

"میں ڈالی ہوں۔"

"ڈالی.... واہ کتنا حسین نام ہے۔" حمید نے کہا اور منیجر کی طرف دیکھنے لگا جو دروازے میں کھڑا احمقوں کی طرح پلکیں جھپکا رہا تھا۔ حمید اُسے آنکھ مار کر بولا۔

"یہ نام سن کر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کانوں میں چاندی کی گھنٹیاں بج اٹھی ہوں۔ مدھم سروں میں کسی نے ستار چھیڑ دیا ہو اور دور کسی ویرانے میں....!"

منیجر پر کھانسیوں کا دورہ پڑ گیا۔ لیکن لڑکی اُس کی طرف دھیان دیئے بغیر بولی۔

"اوہ آپ تو شاعر معلوم ہوتے ہیں۔"

"شاعر تو وہ ہیں۔" حمید نے منیجر کی طرف اشارہ کیا۔

"اوہ.... منیجر کی شاعری۔" لڑکی نے قہقہہ لگایا۔ "یہ مجھے اردو میں شعر سنا کر انگریزی میں

اس کا ترجمہ کرتے ہیں۔ پتہ نہیں ٹھیک کرتے ہیں یا غلط میں تو غلط ہی سمجھتی ہوں۔ آپ کا کیا خیال ہے۔"

"کوئی ترجمہ سنے بغیر خیال کس طرح ظاہر کیا جا سکتا ہے۔" حمید نے کہا۔

"تم وہاں کیوں کھڑے ہو۔" لڑکی نے منیجر سے کہا۔

"کافی آ رہی ہے۔" منیجر مردہ سی آواز میں بولا۔ اُس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور وہ برسوں کا بیمار نظر آنے لگا تھا۔

حمید کی صلاحیتوں سے وہ اچھی طرح واقف تھا۔ یہیں اپنے کلب ہی میں اُس نے مختلف اوقات میں حمید کے ساتھ مختلف لڑکیاں دیکھی تھیں۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ حمید تھوڑی ہی دیر میں نہ صرف خود لڑکیوں سے بے تکلف ہو جاتا ہے بلکہ انہیں بھی بے تکلفی پر مجبور کر دیتا ہے۔

وہ بڑی بے دلی سے آگے بڑھا اور ایک کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔

اتنے میں کافی بھی آ گئی۔ حمید نے تین کپ تیار کیے۔

"اوہو.....! واقعی آپ کو بہت تکلیف ہوئی۔" لڑکی نے کافی کا کپ لیتے ہوئے کہا۔

"کیا آپ کی دانست میں مجھے تکلیف ہوئی ہے۔" حمید نے منیجر سے پوچھا۔

اُس نے کوئی جواب نہ دیا لیکن کافی کا کپ لے کر اس طرح ہونٹوں سے لگا لیا جیسے حمید کا خون پینے جا رہا ہو۔

"ہاں.... آپ کسی شعر کے بارے میں کچھ کہہ رہی تھیں۔" حمید نے لڑکی سے کہا اور وہ منیجر کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگی لیکن پھر جلد ہی سنجیدہ بھی ہو گئی وہ کس حد تک منیجر کے جذبات کا پاس کرتی تھی مگر اس کی وجہ حمید کی سمجھ میں نہ آ سکی۔ وہ سوچنے لگا کیا حقیقتاً لڑکی بھی اس کھوسٹ میں دلچسپی لے رہی ہے۔

لڑکی اچانک خاموش اور فکر مند ہو گئی تھی۔ اُس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا جیسے اُسے منیجر کے سلسلے میں اپنے رویئے پر ندامت ہو۔ پھر کافی پینے کے دوران میں وہ ایک بار بھی نہیں بولی اور کافی ختم کر چکنے کے بعد اٹھ ہی گئی۔

"مجھے جلدی ہے۔" اس نے حمید سے کہا۔ "امید ہے کہ پھر ملاقات ہو گی۔"

"ضرور.... ضرور....!" حمید نے جواب دیا لیکن اب اُس کے انداز میں کافی بے تکلفی پیدا

ہو گئی۔ لڑکی کے ساتھ ہی منیجر بھی باہر چلا گیا۔ حمید وہیں بیٹھا رہا۔ اچانک اُس کی نظر ایک ریشمی رومال پر پڑی جو اُسی آرام کرسی پر پڑا ہوا تھا۔ جس پر لڑکی تھی۔ حمید نے اُسے غیر ارادی طور پر اٹھالیا۔ ایک لطیف سی خوشبو اُس کے دماغ میں گونج کر رہ گئی۔

رومال کے نیچے ایک چھوٹی سی سنہری ٹکیہ پڑی بجلی کی روشنی میں چمک رہی تھی۔ حمید نے اسے بھی اٹھالیا۔ اُس کا قطر قریب قریب چونی کے برابر ضرور ہوگا اور ٹکیہ سونے کی تھی۔ دوسرے ہی لمحے میں حمید کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اُس سنہرے سکے پر ایک طرف "طاقت" تحریر تھا اور دوسری طرف ایک مہر تھی۔ بالکل اُسی قسم کی مہر جیسی سرکاری کرنسی میں ہوتی ہے۔ لیکن وہ سنہرا سکہ.... رائج الوقت سکوں میں سے نہیں تھا۔

غیر مہذب آدمی

یہ سکہ! اس سے قبل بھی کئی بار حمید کی نظر سے گذر چکا تھا۔ اُس نے اُسے فریدی کے پاس دیکھا تھا۔ وہ اکثر فرصت کے اوقات میں کافی غور و خوض کے ساتھ اس کا جائزہ لیا کرتا تھا۔ اُس کے متعلق استفسار پر حمید نے اسے بارہا بڑبڑاتے سنا تھا۔ "ہو سکتا ہے کہ سنہری ٹکیہ کسی بہت بڑے حادثہ کا پیش خیمہ ہو۔"

بس اتنا ہی۔ اُس کے بارے میں وہ یہی ایک جملہ کئی بار سن چکا تھا اور اس وقت اسی قسم کا ایک دوسرا سکہ دیکھ کر وہ بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہو گیا۔

باہر قدموں کی آہٹ ہوئی اور حمید نے سکہ اور رومال جیب میں ڈال لئے۔ آنے والا منیجر ہی تھا۔

"لاحول ولا قوۃ۔" وہ اپنی کرسی پر بیٹھتا ہوا بڑبڑایا۔

"مائینڈ دیٹ مائی ڈیئر۔" حمید اُسے انگلی دکھاتا ہوا بولا۔ "میں لاحول سے بھاگنے والے شیطانوں میں سے نہیں ہوں۔"

"کپتان صاحب! میں آپ کو اپنا دوست سمجھتا تھا۔ آپ کے لئے خلوص رکھتا تھا۔ آپ نے میرے اعتماد کو ٹھیس لگائی ہے۔ بقول شاعر....!"

"یقیناً اس وقت کا شاعر کوئی مرثیہ گو ہوگا۔ اس لئے معاف رکھو۔"

دوران گفتگو میں حمید نے جیب سے وہی رومال نکال لیا جو اسے آرام کرسی پر ملا تھا۔ لیکن منیجر نے اس کی طرف دیکھا تک نہیں۔ حمید اُسے بار بار اپنے چہرے کے قریب نچانے لگتا۔

منیجر کہہ رہا تھا۔ "آپ اتنے دنوں کے تعلقات کا بھی پاس نہیں کرتے۔"

"کیا.... کیا ہے میں نے.... بتاؤ.... کیا کیا ہے میں نے۔" حمید بھی جھنجھلا گیا۔

"آپ نے؟ خیر میں کچھ نہ کہوں گا۔ میں کچھ نہیں کہنا چاہتا۔" منیجر غم ناک لہجے میں بولا۔

حمید نے جیب سے وہی سکہ نکالا اور اُسے چٹکی میں لے کر میز کے گوشے کو آہستہ آہستہ کھٹکھٹانے لگا۔ منیجر نے اُسے دیکھا لیکن اس کے انداز میں کچھ اس قسم کی بے تعلقی تھی جسے بناوٹی نہیں کہا جاسکتا تھا۔ حمید نے اُسے وہ سکہ اچھی طرح دکھادیا لیکن پھر بھی منیجر کے رویئے میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔

بہر حال حمید کو یقین ہو گیا کہ وہ سکہ اور رومال منیجر کے نہیں ہو سکتے۔ حمید نے اُسے احتیاط سے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ لیا اور رومال کو منیجر کی نظر بچا کر اُسی آرام کرسی پر ڈال دیا جس پر سے اُسے اٹھایا گیا تھا۔

پھر اس کا ذہن اس طلائی سکے میں الجھ کر رہ گیا.... کیا وہ اسی لڑکی کا تھا؟ رومال تو یقیناً لڑکی ہی کا تھا کیونکہ وہ اسے اس کے ہاتھ میں بھی دیکھ چکا تھا مگر سکہ۔

"ڈالی کہاں رہتی ہے۔" وہ اچانک منیجر سے پوچھ بیٹھا۔

"میں نہیں جانتا۔" منیجر نے چیخ کر کہا۔

دفعتاً حمید سنجیدہ ہو گیا۔ اب وہ اس معاملے کو مذاق ہی تک محدود نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ اُسے اس سکے کے متعلق معلومات فراہم کرنی تھیں۔ اس سکے کی مہر اسے اس معاملے میں سنجیدہ ہونے پر مجبور کر رہی تھی۔ یہ مہر دراصل اسی کے ملک کا سرکاری نشان تھی اور ملکی کرنسی کے علاوہ سرکاری کاغذات میں بھی استعمال ہوتی تھی اور عام آدمیوں کے لئے اس کا استعمال قطعی غیر قانونی تھا۔ ورنہ حمید یہ بھی سمجھ سکتا تھا کہ وہ ٹکیہ سونے کی تجارت کرنے والی کسی فرم سے تعلق رکھتی ہو گی۔

بہر حال حمید قطعی سنجیدہ ہو گیا۔

"اگر میرے اس رویئے سے تمہیں تکلیف پہنچی ہو تو مجھے افسوس ہے میں صرف مذاق کے موڈ

میں تھا۔ تم تو میری عادت سے واقف ہو۔ اب میں اس مسئلے پر تم سے کبھی کوئی گفتگو نہ کروں گا۔"

منیجر نے اُسے غور سے دیکھا اور اُس کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میں سچ کہتا ہوں یہ محض مذاق تھا۔" حمید نے دوبارہ سنجیدگی سے کہا۔ "میں تو صرف تمہیں چڑھانا چاہتا تھا۔ تمہاری چڑچڑاہٹ مجھے بہت پسند ہے۔"

حمید پھر ہنسنے لگا۔ اس بار منیجر بھی اس کا ساتھ دے رہا تھا لیکن وہ ہنسی خوش دلی کی علامت نہیں تھی۔ وہ زبردستی ہنس رہا تھا۔

حمید تھوڑی دیر تک بیٹھا پائپ پیتا رہا۔ پھر چند رسمی جملے کہتا ہوا وہاں سے اٹھ گیا۔

اُسے دراصل اُس ویٹر کی تلاش تھی جو لڑکی کی موجودگی میں آفس میں آیا تھا۔ وہ اُسے ہال ہی میں ایک جگہ مل گیا۔ حمید اُسے اشارے سے بلا کر آگے بڑھ گیا۔

دونوں آگے پیچھے بلیرڈ روم میں داخل ہوئے۔ حمید نے جیب سے دس کا ایک نوٹ نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

"فرمایئے۔" ویٹر نے نہایت ادب سے پوچھا۔

"یہ تمہارا انعام ہے۔"

ویٹر متحیرانہ انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں صرف تھوڑی سی معلومات چاہتا ہوں۔" حمید بولا۔

"فرمایئے جناب۔"

"کیا وہ لڑکی کلب کی مستقل ممبر ہے جو ابھی منیجر کے آفس میں تھی۔"

"جی ہاں جناب! وہ مستقل ممبر ہیں۔"

"نام کیا ہے؟"

"مس ڈریلا مورگن....!"

"کہاں رہتی ہے؟"

"یہ مجھے معلوم نہیں جناب۔ بھلا میں کسی کے گھر کا پتہ کیسے جان سکتا ہوں۔"

"تم کوشش کرو تو میرے لئے معلوم کر سکتے ہو۔"

"وہ کس طرح جناب۔ میں آپ کی خدمت کرتے ہوئے فخر محسوس کروں گا۔"

"اس وقت پونے بارہ بجے ہیں۔ ٹھیک پندرہ منٹ بعد منیجر سونے کے لئے اوپری منزل پر چلا جائے گا۔ وہ لڑکی منیجر کی خاص دوستوں میں سے ہے۔ سب جانتے ہیں۔"

"جی ہاں.... جناب۔"

"تم کلرک سے اُس کا پتہ معلوم کر سکتے ہو۔"

"وہ کبھی نہ بتائے گا۔"

"اوہ سنو تو سہی۔ جب منیجر سونے کے لئے اوپر چلا جائے تو تم کلرک سے کہنا کہ منیجر نے کچھ چیزیں مس ڈریلا تک پہنچانے کے لئے کہا تھا۔ لیکن جلدی میں نہ تو تم نے ہی اس کا پتہ پوچھا اور نہ منیجر نے بتایا۔ لہٰذا.... ہاں سمجھ گئے۔"

"جی ہاں....!" ویٹر نے کہا لیکن اس کے انداز میں اب بھی ہچکچاہٹ تھی۔

"ڈرو نہیں.... کیا تم مجھ سے واقف نہیں ہو۔"

"اچھی طرح واقف ہوں کپتان صاحب۔"

"تم یہ جانتے ہو کہ میں منیجر کو اکثر چھیڑتا رہتا ہوں۔"

"جانتا ہوں جناب۔" ویٹر مسکرایا۔

"تم یقین رکھو! کلرک کو ذرہ برابر بھی شبہ نہ ہوگا۔ اچھا میں تمہیں کمپاؤنڈ میں ملوں گا۔ میری گاڑی پہچانتے ہو نا۔"

"جی ہاں جناب۔" ویٹر نے دس کا نوٹ جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

حمید وہاں سے نکل کر کمپاؤنڈ میں آگیا۔ سردی پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گئی تھی۔ وہ کیڈی میں بیٹھ گیا۔

اور تقریباً آدھے گھنٹے تک اُسے اسی طرح بیٹھے رہنا پڑا۔ لیکن اسے اپنی اسکیم میں ناکامی نہیں ہوئی۔ ویٹر کیڈی کے پاس آکر آہستہ سے بولا۔ "تیرہ آلگن اسکوائر کوئینس اسٹریٹ۔"

"شاباش.... آئندہ بھی تمہیں موقع دیا جائے گا۔" حمید نے کہا اور کیڈی اسٹارٹ کر دی۔

❀

نصرت خان صوفے سے اٹھ کر وحشیانہ انداز میں چلتا ہوا ٹیلی فون تک گیا جس کی گھنٹی بڑی دیر سے بج رہی تھی۔ اُس نے دانت پیس کر ریسیور اٹھایا اور ماؤتھ پیس میں بہت زور سے دھاڑا۔

"کون ہے؟"

"چچ.... چچ....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "ہیلو! کہا کرتے ہیں دوست....!"

"نہیں کہا کرتے۔ کیا میں کسی کا غلام ہوں۔"

"طاقت....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"آہا.... تم ہو دوست....!" نصرت خان کا لہجہ نرم ہو گیا۔ "اچھا ہیلو۔"

"بہت اچھے۔ ہاں تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں۔"

"دیکھو دوست! مجھے کوئی تکلیف نہیں۔ میں شہزادہ ہوں اور ایک شہزادے ہی کی طرح رہتا ہوں۔ لیکن تمہاری تہذیب میرے لئے تکلیف دہ ہے اور میں اتنا مہذب ہرگز نہیں بن سکتا جتنا تم مجھے بنانا چاہتے ہو۔"

"نہیں دوست! تم میرے لئے اتنی سی قربانی تو کرو۔ آخر تمہارا نقصان کیا ہے اس میں۔"

"نقصان تو کچھ بھی نہیں ہے لیکن مجھے غصہ آجاتا ہے۔ ابھی وہ دونوں گدھے آتے ہوں گے۔"

"کون....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"وہی جو مجھے مصافحہ کرنے کی مشق کرا رہے ہیں۔"

"ہاں مجھے اطلاع ملی ہے۔" دوسری طرف سے ہلکی سی ہنسی کے ساتھ کہا گیا۔ "کل تم نے ان میں سے ایک کا ہاتھ توڑ دیا ہے۔"

"میں کیا کرتا.... بار بار.... ہاتھ ملاؤ.... یہ ٹھیک نہیں وہ ٹھیک نہیں آخر غصہ آ گیا۔ لیکن میں نے اُس وقت بھی یہی کہا تھا کہ آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔"

"خیر.... خیر.... گھبراؤ نہیں۔ تم بہت جلد کامیاب ہو جاؤ گے۔"

"محض تمہاری خاطر دوست....!" نصرت خان نے کہا۔ "ورنہ.... اب تک.... میں سچ مچ بہت غصہ ور ہوں۔"

"اچھا.... اچھا.... میں تھوڑی دیر بعد پھر تمہیں فون کروں گا اور تم جواب میں ہیلو کہو گے۔"

"اچھا بابا....!" نصرت نے طویل سانس لے کر کہا اور ریسیور رکھ کر ایک صوفے میں گر گیا۔

❁

کھانے کی میز پر چار آدمی تھے۔ ایک تو نصرت خان تھا۔ دوسری ایک عورت تیسرا ایک

ادھیڑ عمر کا مرد تھا۔ چوتھا ایک خوشرو اور تندرست جوان۔

نصرت خان نے بڑی پلیٹ سے مرغ مسلم اٹھا کر دونوں ہاتھوں سے اس کی ٹانگیں الگ کرلیں۔

"یوں نہیں۔" معمر نے اسے ٹوکا۔

"بکو مت.....!" نصرت خان مرغ کی ٹانگیں دانتوں سے ادھیڑتا ہوا غرایا۔

معمر آدمی نے ایک طویل سانس لی اور خاموشی سے کھانے میں مشغول ہو گیا۔ اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ نصرت خان کی خونخوار آنکھوں کی طرف دیکھ سکتا۔ نصرت خان کے ہاتھ اور دانت برابر کام کرتے رہے۔ اس نے چھری اور کانٹے کو اٹھا کر کمرے کے دوسرے سرے پر پھینک دیا تھا۔

"یہ بُری بات ہے ضرغام۔" عورت بولی۔ "ہاتھ گندے ہو جاتے ہیں۔" اور پھر دوسرے ہی لمحے میں نصرت خان کا گندہ ہاتھ عورت کے گال پر پڑا۔ وہ کرسی سمیت دوسری طرف الٹ گئی۔

"ابے تو کیا واقعی جانور ہے۔" نوجوان دھاڑ کر کھڑا ہو گیا۔

نصرت خان کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ خونخوار آنکھوں سے اس نوجوان کو گھور رہا تھا۔ معمر آدمی عورت کو اٹھانے لگا۔

اچانک نصرت خان نے کھانے کی میز الٹ دی۔ نوجوان اس غیر متوقع حملے کے لئے تیار نہیں تھا۔ وہ بُری سرعت سے پیچھے ہٹا لیکن دوسرے ہی لمحے میں نصرت خان اس کے اوپر تھا۔ نوجوان نے بہت کوشش کی کہ اس کی گرفت سے نکل جائے لیکن ممکن نہ ہوا.... نصرت خان اسے اپنے بازوؤں میں جکڑے ہوئے بُری طرح بھینچ رہا تھا۔

"چھوڑ دیجئے.... خدا کے لئے چھوڑ دیجئے۔" معمر آدمی گلوگیر آواز میں چیخا۔

نوجوان کی آنکھیں اپنے حلقوں سے اُبلی پڑ رہی تھیں۔

"ضرغام صاحب۔ آپ کو خدا کا واسطہ چھوڑ دیجئے۔" عورت روتی ہوئی بولی۔

اچانک نصرت خان اُسے چھوڑ کر الگ ہٹ گیا۔ اور وہ کسی مردہ چھپکلی کیطرح فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

❁

فون کی گھنٹی بجی اور نصرت خان چونک پڑا۔ وہ صوفے پر پڑا اونگھ رہا تھا۔

"ہیلو.....!" وہ ماؤتھ پیس میں دھاڑا۔

”طاقت.....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”آہا..... دوست تم ہو۔“

”ہاں میں ہوں! اور بہت زیادہ مغموم.....!“

”کیوں..... تم مغموم کیوں ہو۔“

”تمہاری وجہ سے..... تم مجھے بہت دکھ پہنچاتے ہو۔“

”نہیں دوست.....!“ نصرت خان ہنسنے لگا۔ ”ہرگز نہیں جس دن میں نے یہ محسوس کیا کہ تمہیں کوئی تکلیف پہنچا رہا ہوں اسی دن نصرت خان خود اپنے ہی ہاتھوں کتے کی موت مر جائے گا۔ خان جلال والئی مقلاق کا بیٹا احسان فراموش نہیں ہو سکتا۔“

”پچھلی رات تم نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے۔“

”اوہ.....دیکھو دوست.....!“ نصرت خان نے کہا۔ ”کھانے کے معاملے میں میرا مہذب ہونا ناممکن ہے جس دن میں نے مریضوں کی طرح ہاتھ روک روک کر کھانا کھایا اسی دن مجھے تپ دق ہو جائے گا اور میں کتے کی موت مر جاؤں گا۔ جانوروں کی طرح کھانا کھائے بغیر بدن میں جان نہیں آتی۔ میرے اپنے نظریئے کے مطابق کھانا اس طرح کھانا چاہیئے جیسے ذرا بھی ہاتھ رکنے پر کوئی دوسرا اسے جھپٹ لے جائے گا۔“

”تو تم بھی نظریات رکھتے ہو۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”ہاں میرے دوست.....!“ نصرت خان نے انگریزی میں کہا۔

”ہائیں تم انگریزی بھی بول سکتے ہو۔“

”نہ صرف انگریزی بلکہ فرنچ اور جرمن بھی۔“ نصرت خان بولا۔ ”ان زبانوں میں لکھ پڑھ بھی سکتا ہوں۔“

”تب..... میرے دوست مجھے حیرت ہے کہ تم مہذب نہیں بن سکتے۔“

”ہاں..... دوست..... میری تربیت ہی کچھ اس ڈھنگ سے ہوئی ہے کہ مجھ پر تعلیم کا کوئی خاص اثر نہیں پڑا۔ میں نے قلعہ مقلاق کی چہار دیواری ہی میں محدود رہ کر تعلیم حاصل کی ہے۔ تین انگریز معلم مجھے پڑھاتے تھے لیکن ان کی کڑی نگرانی ہوتی تھی۔ اگر وہ مجھے مہذب بنانے کی کوشش کرتے تو خان بابا کا کوئی ادنیٰ سا پیادہ انہیں موت کے گھاٹ اتار دیتا۔ خان بابا کا قول ہے کہ

موجودہ تہذیب نے صرف نامرد اور بزدل پیدا کئے ہیں۔"

"اوہ.... لیکن اب تو تم خان بابا کی قید سے آزاد ہو۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"لیکن میں اُن کے نظریئے کا قائل ہوں۔" نصرت خان بولا۔"ویسے میں محسوس کر رہا ہوں کہ تم نے مجھے بہت کچھ مہذب بنا دیا ہے۔ لیکن دوست کھانے کے معاملے میں کبھی تم مجھے مہذب یا دوسرے الفاظ میں مریض نہ پاؤ گے۔"

"خیر.... خیر پرواہ نہ کرو۔ مجھے تم سے بڑی محبت ہے اور میں تمہاری زیادتیاں بھی برداشت کر سکتا ہوں لیکن دوست! اب کبھی کسی عورت پر ہاتھ نہ اٹھانا۔"

"دیکھا جائے گا۔" نصرت خان بولا۔

❀

اُسی شام کو اُس عمارت کے ایک کمرے میں نصرت خاں ایک خوبصورت سی اینگلو انڈین لڑکی کے ساتھ کھڑا تھا۔

"تم بہت اچھی ہو! بہت خوبصورت۔" نصرت خان لڑکی سے کہہ رہا تھا۔"میں تمہیں بہت پسند کرتا ہوں۔"

"تب پھر تمہیں میرے کہنے پر چلنا ہو گا۔"

"میں ناچوں گا۔"

"میں تمہیں ناچنا سکھاؤں گی۔ یہ ہماری تہذیب کے لئے ضروری ہے۔"

نصرت نے سر کی جنبش سے رضا مندی کا اظہار کیا۔ گراموفون پر پہلے ہی سے موسیقی کا ریکارڈ چڑھا ہوا تھا۔ لڑکی نے ٹرن ٹیبل کو متحرک کر کے ساؤنڈ بکس رکھ دیا۔ کمرہ موسیقی سے گونجنے لگا۔ وہ کافی دیر تک کوشش کرتی رہی لیکن نصرت خان کے پلے کچھ بھی نہ پڑا اور لڑکی بُری طرح تھک گئی کیونکہ نصرت خان بالکل کسی نیزے باز کی طرح پینترے بدلنے لگتا تھا۔ وہ بار بار اُسے ٹوکتی جا رہی تھی۔ نصرت خان جھلا گیا۔ کچھ اکتاہٹ بھی تھی۔ لیکن لڑکی تھی کہ کسی طرح پیچھا چھوڑنے کا نام ہی نہیں لیتی تھی۔

آخر نصرت خان نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اُس کا رخ دوسری طرف کرتے ہوئے کہا۔

"اس طرح کھڑی ہو جاؤ۔"

لڑکی دوسری طرف منہ کر کے کھڑی ہو گئی۔

دفعتاً نصرت خان نے اُسکی ٹانگوں میں اپنا پیر پھنسا کر دھکا دیا اور وہ منہ کے بل فرش پر جا گری۔ اُسکی ناک سے خون کا فوارہ جاری ہو گیا۔ وہ اتنی سخت جان بھی نہیں تھی کہ بیہوش نہ ہو جاتی۔

بُرے پھنسے

سنہرا سکہ تقریباً ایک ماہ سے حمید کی جیب میں تھا.... لیکن ابھی تک اُسے اس کی غرض و غائت نہیں معلوم ہو سکی تھی۔ ڈریلا سے اس نے دوستی کی اور یہ دوستی بے تکلفی کی حد تک پہنچ گئی لیکن اُسے یہ بھی نہ معلوم ہو سکا کہ وہ سکہ اُسی کا تھا یا نہیں۔

حمید اپنی ہی دھن میں تھا۔ اُس نے فریدی سے اس سکے کا تذکرہ نہیں کیا۔ البتہ اُس نے فریدی سے اس سکے کے بارے میں ضرور پوچھا تھا جو خود فریدی کے پاس تھا لیکن فریدی نے اُسے بھی کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیا لہٰذا حمید نے سوچا کہ کیوں نہ وہ خود ہی اس کے متعلق تحقیقات کا سلسلہ جاری رکھے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ فریدی سے پہلے ہی کامیاب ہو جائے۔

بظاہر آج کل فریدی کے پاس کوئی کیس نہیں تھا لیکن پھر بھی وہ بعض اوقات بہت زیادہ فکر مند نظر آنے لگتا تھا ایسے حالات میں کبھی کبھی وہ پُر اسرار سکہ بھی اس کے ہاتھ میں ہوا کرتا تھا۔

آخر ایک دن حمید اس قصے کو چھیڑ ہی بیٹھا۔

"فکر نہ کرو.... کھیلو.... کھاؤ.... تفریح کرو۔" فریدی کا جواب تھا۔ "اپنی کھوپڑی کا خون فضول جلاتے ہو۔"

"نہیں میں آج کل کام کرنے کے موڈ میں ہوں۔" حمید بولا۔

"مجھے حیرت ہے۔" فریدی نے خشک سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"اچھا یہی بتا دیجئے کہ آپ ایک ماہ قبل درخت پر کیوں چڑھے تھے اور پھر دو دن تک کہاں رہے تھے۔"

"یہ بھی نہیں بتا سکتا۔ حماقت تھی اور کیا کہوں۔ یہی سمجھو۔" اُس نے کہا۔

"ویسے مجھے آج کل ایک آدمی کی تلاش ہے۔"

"کس کی....؟"

"والئی مقلاق کے بیٹے نصرت جلال کی۔"

"یہ کیا بلا ہے۔"

"وہ مقلاق کے قلعے سے گذشتہ ماہ فرار ہو گیا ہے۔"

"ہو جانے دیجئے۔ آخر آپ کو اُس کی تلاش کیوں ہے۔ مقلاق آزاد علاقہ ہے۔ ہماری حکومت کو اُس کی فکر کیوں ہونے لگی۔"

"والئی مقلاق نے ہم سے درخواست کی ہے کہ ہم اُس کے بیٹے کو تلاش کرنے میں مدد دیں اور اگر وہ درخواست نہ کرتا تب بھی حکومت کو اُس میں دلچسپی لینی ہی پڑتی۔"

"کیوں....!"

"تمہیں وہ کیس تو یاد ہی ہوگا۔ ایک بازاری دوافروش کے سلسلہ میں جو جھگڑا ہوا تھا۔ کسی نے ایک کانسٹیبل کو اٹھا کر اس طرح پٹخا تھا کہ وہ ایک دن سے زیادہ زندہ نہ رہ سکا اور پھر وہ پانچ آدمیوں کو زخمی کر کے صاف نکل گیا تھا۔"

"ہاں وہ کیس مجھے یاد ہے اور پولیس حملہ آور کا پتہ لگانے میں ناکام رہی تھی۔"

"حملہ آور کا جو حلیہ بیان کیا جاتا ہے وہ والئی مقلاق کے روانہ کئے ہوئے حلئے کے مطابق ہے اور حادثے سے کچھ دیر پیشتر اُسی حلئے کے ایک آدمی نے سلور مون ریستوران میں کھانا کھایا تھا۔"

"کیا یہ ضروری ہے کہ وہ اب بھی یہیں ہو۔" حمید نے کہا۔

"نہیں.... یہ ضروری نہیں ہے۔"

"جہنم میں جائے۔ آخر آپ کیوں دردسری مول لے رہے ہیں کیا اُس کے علاوہ اور کوئی خاص بات ہے۔"

"خاص ہی بات ہے۔ بہت زیادہ خاص۔ پرسوں میں نے ایک آدمی دیکھا ہے جو خان مقلاق کے لڑکے سے بہت مشابہ ہے مگر اُسے دیکھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ کوئی غیر مہذب کوہستانی ہے وہ اپنا نام ضرغام بتاتا ہے نیشنل آئرن ورکس کا جنرل منیجر ہے۔"

حمید ہنس پڑا اور کافی دیر تک ہنستا رہا۔

"کیوں اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔" فریدی اُسے گھورنے لگا۔

"ایک ماہ قبل وہ آیا اور ایک بہت بڑے کارخانے کا جنرل منیجر ہو گیا ایک کوہستانی سردار کا لڑکا۔ آئرن فیکٹری کا جنرل منیجر۔ اُس نے کبھی خواب میں بھی کوئی آئرن فیکٹری نہ دیکھی ہو گی۔"

"ہوں....!" فریدی کچھ سوچنے لگا۔

"اور میں.... آج کل ایک دوسرے ادھیڑ بن میں ہوں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید کہتا رہا۔ "کیا کرنسی کی مہریں عوام بھی استعمال کر سکتے ہیں۔"

"کیا مطلب....!" فریدی چونک کر اُسے گھورنے لگا۔

"مثال کے طور پر....!" حمید اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالتا ہوا بولا۔ "یہ سنہری ٹکیہ.... اس پر کرنسی کی مہر موجود ہے۔ لیکن سرکاری طور پر اسے سکہ نہیں کہا جا سکتا۔"

"تم نے میری اجازت کے بغیر....!" فریدی اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالتا ہوا بولا۔ لیکن جملہ پورا نہ کر سکا۔ غالباً وہ اسے وہی سکہ سمجھا تھا جسے وہ بہت احتیاط سے ہر وقت اپنے پاس ہی رکھا کرتا تھا۔ وہ اب بھی اس کی جیب میں موجود تھا۔

"ہاں.... کہئے.... کہئے....!" حمید بولا۔ "کیا آپ مجھے چور سمجھتے ہیں۔"

"یہ تمہیں کہاں سے ملا....؟"

"اللہ مسبب الاسباب ہے جناب۔" حمید نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "ضروری نہیں کہ جو نعمت آپ کو عطا ہو اس سے میں محروم رہ جاؤں۔"

"بکواس مت کرو.... اِدھر لاؤ۔"

حمید نے سکہ اُسے دے دیا۔ فریدی تھوڑی دیر تک دونوں سکوں کو دیکھتا رہا پھر ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔"

"جی ہاں دونوں۔ مگر ہم دونوں میں فرق ہے۔ آپ کا سکہ کسی خبیث صورت مرد کی ذات سے تعلق رکھتا ہو گا۔"

"تمہیں یہ کہاں سے ملا۔"

"لمبی داستان ہے۔" حمید بولا۔ "لیکن اس سکے کے مالک کے متعلق میں ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کر سکا۔"

حمید چند لمحے خاموش رہا پھر اُس نے سارا واقعہ دہرا دیا۔

"اور تم اب اس کا تذکرہ کر رہے ہو۔" فریدی ملامت آمیز لہجے میں بولا۔

"اگر آپ مجھے پہلے ہی اس کی اہمیت سمجھا دیتے۔"

"اہمیت.... فی الحال اہمیت اس سے زیادہ نہیں ہے کہ سرکاری مہر کا استعمال قطعی غیر قانونی ہے.... اور....!" فریدی کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"اور یہ طاقت.... یہ کیا بلا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"اس کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ کسی دواخانے کا اشتہار ہے۔" حمید مسکرا کر بولا۔ "طاقت کسی طلائی یا نقرئی گولی کا نام ہو گا۔ کیا خیال ہے۔ پبلسٹی کا خیال اور انوکھا طریقہ۔"

"بکواس بند کرو۔ مجھے اُس لڑکی کا پتہ بتاؤ جس کے رومال کے نیچے تمہیں یہ سکہ ملا تھا۔"

"مجھے یقین ہے کہ اسکا تعلق کسی یونانی دواخانے سے نہیں ہو گا کیونکہ وہ خود اینگلوانڈین ہے۔"

"میں پتہ پوچھ رہا ہوں۔"

حمید نے پتا بتا دیا۔ فریدی اُسے اپنی ڈائری میں نوٹ کرنے لگا۔

"جب کوئی کیس نہیں ہوتا تو آپ زبردستی کوئی نہ کوئی کام پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ارے جناب ضروری نہیں کہ یہ سنہری ٹکیاں آپ کے ذوق تجسس کے شایان شان ہی ثابت ہوں۔ سونا فروخت کرنے والی بہترین فرمیں اپنے سونے کو کسی خاص شکل میں ڈھال کر فروخت کرتی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ "طاقت" کسی خاص فرم کا ٹریڈ مارک ہو۔"

"مگر یہ سرکاری کرنسی کی مہر۔" فریدی بولا۔

"ہو سکتا ہے کہ اس فرم نے اس کے لئے حکومت سے اجازت حاصل کر لی ہو۔"

"فرموں کے امکانات پر پہلے ہی میری نظر گئی تھی اور اس سلسلے میں میں نے اچھی طرح اطمینان کر لیا ہے کہ یہ کسی تجارتی فرم کا سونا نہیں ہے۔"

"پھر یہ کیا بلا ہے۔ خدا کے لئے کوئی نئی مصیبت نہ کھڑی کیجئے گا۔ ڈریلا بہت زود رنج لڑکی ہے اگر میں کبھی دیر سے پہنچتا ہوں تو بگڑ جاتی ہے اگر آپ نے اسے کسی نئے کام سے الجھا لیا تو ہفتوں اس کی شکل دیکھنے کو ترسوں گا۔"

"وہی لڑکی جس کا پتہ تم نے بتایا ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"جناب.... لیکن آپ اُسے پریشان نہیں کریں گے.... سمجھے۔"

"نہیں میں اُس سے نہیں ملوں گا۔"

"شکریہ.... میری اولادیں آپ پر قربان....!"

فریدی خاموش رہا۔

❁

حمید نے جو کچھ بھی دیکھا وہ اُسے خواب کی بات معلوم ہوئی۔

وہ شام ہی سے ڈریلا کا تعاقب کر رہا تھا اور اس وقت رات کے آٹھ بج گئے تھے۔ ڈریلا کا تعاقب اس کے لئے نئی بات نہیں تھی وہ اس سے دوستانہ تعلقات بھی رکھتا تھا اور اکثر اُسے دھوکے میں ڈال کر اس کا تعاقب بھی کرتا تھا لیکن اُسے یقین تھا کہ ڈریلا اس کی دورخی سے واقف نہیں ہے.... اور اس دردِ سری کا باعث؟ اس انوکھے سکے کے علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا۔

حمید نے اُسے جیمس مارٹن میں داخل ہوتے دیکھا۔ یہ ایک مشہور تمباکو فروش کمپنی تھی.... وہ جانتا تھا کہ ڈریلا تمباکو سے رغبت نہیں رکھتی لیکن پھر بھی وہ اکثر وہاں جاتی رہتی تھی۔ حمید نے تہیہ کر لیا کہ وہ آج وہاں اُس کی آمدورفت کا مقصد ضرور معلوم کرے گا۔

اُس نے اُسے اکثر کاؤنٹر پر بیٹھے ہوئے ایک بھدے سے آدمی سے گفتگو کرتے دیکھا تھا اس لئے وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ دونوں میں رومان چل رہا ہوگا۔

حمید برابر والی گلی میں گھس گیا۔ یہاں کئی کاریں کھڑی تھیں اور جیمس مارٹن کے کاؤنٹر کے پیچھے کی کھڑکی اُسی گلی میں کھلتی تھی۔ گلی میں اندھیرا تھا اور حمید کاروں کے درمیان میں گھس کر بہ آسانی کاؤنٹر دیکھ سکتا تھا کیونکہ عقبی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔

ڈریلا کاؤنٹر پر اپنا وینٹی بیگ رکھے اُس میں کچھ تلاش کر رہی تھی۔ پھر اُس نے کوئی چیز نکال کر کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھے ہوئے آدمی کی طرف بڑھائی۔ حمید بجلی کی روشنی میں اُس ننھی سی چیز کی چمک دیکھ کر کھڑکی سے جالگا۔

کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھے ہوئے آدمی نے اُسے اپنے ہاتھ میں لے کر اوپر کی طرف اٹھایا۔ شائد وہ اُسے زیادہ روشنی میں دیکھنا چاہتا تھا۔

یہ ایک چمکدار سنہری ٹکیہ تھی۔

پھر اُس آدمی نے بائیں طرف رکھی ہوئی تجوری کھولی اُس میں سے چند بڑے بڑے نوٹ نکالے اور انہیں گننے لگا۔

سو سو کے بیس نوٹ اُس نے ڈریلا کے سامنے رکھ دیئے۔ ڈریلا نے انہیں کاؤنٹر سے اٹھا کر اپنے وینٹی بیگ میں ڈال لیا اور کچھ کہے بغیر باہر نکل گئی۔

اب حمید اُس کے تعاقب کا خیال ترک کرچکا تھا۔ وہ گلی سے نکل آیا۔ ڈریلا جاچکی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ اس سنہری ٹکیہ کا حیرت انگیز مصرف اب اس کی سمجھ میں آچکا تھا.... لیکن مقصد....؟ آخر وہ تھی کیا بلا۔

حمید کافی دیر تک سڑک کے کنارے کھڑا خیالات میں گم رہا۔ آخر اُس نے فیصلہ کیا کہ وہ بھی اُس سنہری ٹکیہ کو اُسی طرح استعمال کرے گا جس طرح ڈریلا نے کیا تھا۔

دوسرے لمحے میں وہ جیمسن اینڈ مارٹن کے کاؤنٹر پر تھا۔

اُس نے کوٹ کی اندرونی جیب سے وہ سنہرا سکہ نکال کر کاؤنٹر پر رکھ دیا۔

کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھے ہوئے آدمی نے سکے کو چٹکی میں پکڑ کر اوپر کی طرف اٹھایا چند لمحے اس پر نظر جمائے رہا پھر نیچے جھک کر تجوری کھولی.... اور.... حمید کے سامنے کاؤنٹر پر سو سو کے بیس نوٹ پڑے ہوئے تھے۔

"دیکھئے! سردی کی لہر کب تک رہتی ہے۔" حمید نوٹوں کو سمیٹتا ہوا بڑبڑایا اور وہ آدمی چونک کر اُسے گھورنے لگا۔

"کیا آپ مجھے پرنس ہنری کا تمباکو دے سکیں گے۔" حمید نے اُس سے کہا۔

"پرنس ہنری....!" وہ آدمی مسکرایا۔ "جی ہاں! مگر آپ کو تھوڑی سی تکلیف کرنی پڑے گی۔ میرے پیروں میں شدید درد ہے۔ اُس کمرے کے کسی شلف پر آپ کو ڈبے مل جائیں گے۔ معاف کیجئے گا۔ تکلیف دے رہا ہوں۔ بات یہ ہے کہ یہ تمباکو زیادہ رائج نہیں ہے۔ خاص ہی خاص آدمی پیتے ہیں اس لئے یہاں رکھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی۔"

"کوئی بات نہیں۔" حمید نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔ "کدھر بتایا تھا۔"

اُس نے ایک دروازے کی طرف اشارہ کیا جس پر پھولدار ریشمی پردہ لٹکا ہوا تھا اور پھر اُس نے دیوار سے لگے ہوئے سوئچ بورڈ کا ایک سوئچ آن کر دیا۔ پردے کے پیچھے روشنی نظر آنے لگی۔

حمید نے پردہ ہٹایا اور دوسرے کمرے میں داخل ہو گیا لیکن یہاں ایک پلنگ اور بستر کے علاوہ اور کچھ بھی نہ تھا۔ وہ بڑی تیزی سے مڑا مگر دروازہ بند ہو چکا تھا۔

دروازہ بھی عجیب تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا اوپر سے لکڑی کا کوئی تختہ پھسل کر نیچے آ گیا ہو۔ کمرے کے دوسرے سرے پر اسی قسم کا ایک دروازہ اور بھی تھا۔ حمید نے باری باری سے دونوں پر زور آزمائی کی لیکن وہ اپنی جگہ سے ہلے بھی نہیں۔

"بیکار ہے میرے دوست....!" اُس نے اچانک ایک آواز سنی اور چونک پڑا۔

دوسرے دروازے کے قریب وہی آدمی کھڑا تھا جس سے کچھ دیر قبل اُس نے کاؤنٹر پر دو ہزار روپے وصول کئے تھے۔

"یہ کمرہ مقبرہ بھی بن سکتا ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "تم چیختے چیختے مر جاؤ تب بھی تمہاری آواز اس کمرے سے باہر نہ پہنچ سکے گی۔"

"نہ مجھے چیخنے کی ضرورت ہے اور نہ مرنے کی۔" حمید نے ہنس کر کہا۔ "لیکن دو ہزار روپے تمہارے باپ بھی مجھ سے وصول نہیں کر سکتے۔ خواہ تم میری بوٹیاں اڑا دو۔"

"تم کون ہو۔" اُس آدمی نے پوچھا۔

"یہ نہیں بتا سکتا۔ ابھی نیا پھنسا ہوں۔ اس لئے اناڑی پن میں مارا گیا۔"

"کون ہو تم....!" اس بار سخت لہجے میں پوچھا گیا۔

"میں.... رشید ہوں....!" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

"کون رشید....!"

"یار یہ سوال ٹیڑھا ہے۔"

"میرا مطلب یہ ہے کہ وہ سکہ تمہیں کہاں سے ملا تھا۔"

"جہاں سے سب کو ملتا ہے۔"

"کہاں سے ملتا ہے؟"

"یہ تو میں اپنے باپ کو بھی نہیں بتا سکتا۔" حمید نے سنبھل کر کہا۔ "اور تم پوچھنے والے ہوتے ہی کون ہو۔ چپ چاپ دروازہ کھول دو۔ ورنہ میں.... بہت بُرا آدمی ہوں۔"

"میری بات کا جواب دو۔" اُس نے سرد لہجے میں کہا اور اب وہ خالی ہاتھ نہیں تھا۔ حمید کی

لرف ایک ریوالور کی نال اٹھی ہوئی تھی۔

"اسے تو جیب ہی میں رکھو۔ سنہرا سکہ رکھنے والے اتنے کمزور دل کے نہیں ہوتے۔" حمید سکرا کر بولا۔

"جواب دو۔"

"میں تمہارا سوال ہی بھول گیا۔"

"سکہ تمہیں کہاں سے ملا تھا۔"

"تم نے یہ سوال کبھی کسی اور سے بھی کیا تھا۔" حمید نے پوچھا۔

"تم اپنی بکواس جاری ہی رکھو گے۔" اس آدمی نے دانت پیس کر کہا۔

"ہاں اور تمہیں قطعی حق حاصل نہیں کہ تم مجھ سے اس قسم کا سوال کرو۔ سمجھے۔ مجھے یہی بتایا گیا ہے۔ کیوں خواہ مخواہ بات بڑھاتے ہو۔"

"کیا تمہیں یہاں کا پتہ بتایا گیا تھا۔"

"ظاہر ہے.... ورنہ میں کیوں آتا۔"

"لیکن تمہاری شناخت کا کارڈ میرے فائیل میں نہیں ہے۔"

"یہ میری نہیں بلکہ دوسروں کی غلطی ہے۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

وہ آدمی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "سکہ تمہیں کس طرح ملا تھا؟"

"پھر وہی بکواس۔" حمید بگڑ گیا۔ "کیا تمہیں علم ہے کہ دوسروں کو سکہ کس طرح ملتا ہے۔"

"نہیں....!" اس نے بے ساختہ کہا لیکن پھر کچھ پشیمان سا نظر آنے لگا۔

"پھر تم مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو۔ کیا یہ خلاف قانون نہیں ہے۔"

"ہے تو....!" اس نے آہستہ سے کہا۔ "لیکن کیا تم نے ایک خلاف قاعدہ حرکت نہیں کی۔"

"کیا حرکت کی ہے میں نے۔"

"مجھ سے گفتگو کیوں کی تھی۔" اس نے کہا۔ "پرنس ہنری کا تمبا کو تمہیں کسی دوسری دوکان سے بھی مل سکتا تھا۔"

"ہاں مجھ سے غلطی ضرور ہوئی ہے لیکن یہ بات قطعی بھول گیا تھا کہ مجھے روپے لے کر چپ چاپ یہاں سے چلا جانا چاہئے تھا۔"

"مجھے اطمینان نہیں ہوا۔" اُس نے کہا۔

"خیر پرواہ نہیں۔" حمید نے لاپروائی سے کہا۔ "تم مجھے شوق سے بند کر رکھو۔ لیکن تمہیں اس کے لئے جوابد ہی کرنی پڑے گی۔ کیونکہ آج رات مجھے ایک کام انجام دینا ہے۔"

"اچھا ٹھہرو.....!" وہ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "میں اپنا اطمینان کئے لیتا ہوں۔"

وہ ریوالور کا رخ حمید ہی کی طرف کئے ہوئے پلنگ کے قریب آیا اور فرش تک لٹکتی ہوئی چادر میں ہاتھ ڈال کر ایک عجیب وضع کا صندوق سا کھینچ کر باہر نکال لیا لیکن صندوق کا ڈھکن اٹھتے ہی حمید کی آنکھیں کھل گئیں۔ کیونکہ اس میں ٹرانسمیٹر قسم کی کوئی چیز تھی۔ بناوٹ کے اعتبار سے ٹرانسمیٹر سے کچھ مختلف ضرور تھی لیکن بالکل مختلف نہیں کہی جاسکتی تھی۔

اُس آدمی نے اس کا پلگ نکال کر دیوار سے لگے ہوئے سوئچ بورڈ پر لگادیا اور پھر اُس مشین سے ایک ہلکی سی آواز نکلنے لگی۔ زناٹے کی آواز دراصل یہ اسمیں لگی ہوئی ایک چرخی کی آواز تھی جو بہت تیزی سے گردش کر رہی تھی اتنی تیزی سے کہ چرخی کی جگہ بے رنگ سی خلاء نظر آنے لگی تھی۔

پھر اُسی صندوق سے ٹیلی فون کے ریسیور سے ملتی جلتی ایک چیز نکالی اور اُسے ریسیور ہی کی طرح استعمال کرنے لگا۔

"سکس تھری! اسپیکنگ سر۔" اُس نے ماؤتھ پیس میں کہا اور جیسے ہی اُس کے منہ سے آواز نکلی مشین میں گردش ہوئی۔ چرخی روشن ہوگئی۔

وہ حمید کے وہاں آنے اور روپیہ وصول کرنے کی روداد بیان کرنے لگا۔

"جی ہاں وہ یہاں موجود ہے۔" اُس نے کہا۔ اس دوران میں اس کی نظر برابر حمید کی طرف رہی تھی اور ریوالور.... اُس کا رخ تو حمید کی طرف ہونا ہی چاہئے تھا۔

حمید بھی اُسے بغور دیکھ رہا تھا۔ وہ اب خاموش ہو کر دوسری طرف بولنے والے کی بات سن رہا تھا۔ پھر اُس نے ریسیور فرش پر رکھ دیا اور مشین کے پاس سے ہٹکر حمید سے بولا۔ "چلو بات کرو۔"

حمید نے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھایا۔

"ہیلو....!" اُس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

"کیا بات ہے....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ان حضرات کو غلط فہمی ہوئی ہے۔" حمید نے کہا۔ "میں نے سکہ دیا....!"

"سکہ نہیں طاقت کہو۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "تم شائد نئے معلوم ہوتے ہو۔"

"جی ہاں.... یہی بات ہے۔ صرف ایک ہفتہ پرانا ہوں۔ اور پہلی بار طاقت....!"

"فکر مت کرو.... اور سب ٹھیک ہے۔ بس اپنے کاموں میں مشغول رہو۔ اب ریسیور اُسے دے دو۔"

"بہت اچھا....!" حمید نے کہا لیکن ریسیور اُس آدمی کو دینے کی بجائے تھوڑے توقف کے ساتھ آواز بدل کر ماؤتھ پیس میں بولا۔ "یس سر....!"

"تم نے ریسیور ابھی نہیں دیا اُسے۔"

"میں ہی بول رہا ہوں جناب۔"

"ریسیور اُسے دے دو.... تم بہت چالاک معلوم ہوتے ہو۔ مجھے خوشی ہے کہ میرے آدمی بیوقوف نہیں ہیں۔"

"ذرہ نوازی ہے جناب کی۔" حمید نے مسکرا کر کہا اور ریسیور فرش پر ڈال کر مشین کے پاس سے ہٹ گیا۔

اُس آدمی نے پھر ریسیور اٹھالیا لیکن اس بار وہ صرف سنتا رہا۔

تھوڑی دیر بعد وہ ریوالور کا رخ حمید کی طرف کئے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "سامنے والے دروازے کے قریب جاؤ۔ پیچھے مڑ کر دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ ورنہ خواہ مخواہ مجھے ایک کارتوس خراب کرنا پڑے گا۔"

طوعاً و کرہاً حمید نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ اس دوران میں اُس نے کئی بار ارادہ بھی کیا کہ اُسے غافل پا کر حملہ کر بیٹھے لیکن وہ اُسے ایک لمحے کے لئے بھی غافل نہیں پا سکا تھا۔

حمید دروازے کے قریب ایک منٹ تک اسی حالت میں کھڑا رہا تھا پھر بولا۔ "کیوں پریشان کر رہے ہو یار۔ کب تک اس طرح کھڑا رہنا پڑے گا۔"

کوئی جواب نہ ملنے پر وہ مڑا لیکن اب کمرے میں خود اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ وہ چند لمحے کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر مشین کی طرف جھپٹا جو ابھی تک حرکت میں تھی۔ لیکن تیزی سے گھومنے والی چرخی کی روشنی غائب ہو چکی تھی۔ اس میں روشنی اسی وقت تک رہتی تھی جب تک کوئی بولتا رہتا تھا۔

"ہیلو....!" حمید نے ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں کہا اور تیزی سے گھومنے والی چرخی پھر روشن ہوگئی۔ حمید اُسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"کون.... اوہ کیپٹن حمید....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ آخر کچھ مہلت بھی دو گے یا نہیں۔ دیکھو اس چکر میں نہ پڑو۔ یہ فریدی کے بس کا بھی روگ نہیں۔ میں لیونارڈ.... مسٹر کیو.... اور جیرالڈ شاستری سے بہت مختلف ہوں۔ میرے معیار کے مطابق وہ معمولی چور اور اچکے تھے اور تم تو خیر کسی شمار میں نہیں ہو۔ میں فریدی کو بھی بچہ سمجھتا ہوں۔ اسی لئے میں تم دونوں کی جان بخشی کرتا ہوں تم جیمس مارٹن تمباکو فروش ہی کے خلاف کوئی ثبوت نہ مہیا کر سکو گے۔ میں تو خیر بہت دور کی چیز ہوں۔ اچھا اب اس مشین سے کم از کم پانچ قدم کے فاصلے پر ضرور ہٹ جاؤ ورنہ اپنی موت کے خود ذمہ دار ہو گے۔ میرا نام طاقت ہے۔ میرے ننھے بچے فریدی کو مطلع کر دینا۔"

حمید نے بوکھلا کر ریسیور فرش پر پھینک دیا اور دو ہی تین جستوں میں دیوار سے جا لگا۔ مشین سے اس کا فاصلہ تقریباً دس گز ضرور رہا ہوگا۔

بے بسی

حمید حیرت سے منہ کھولے مشین کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جس کی چرخی کی گردش کی رفتار پہلے سے بھی زیادہ تیز ہوگئی تھی۔ اس میں سے نکلنے والی تیز قسم کی روشنی آنکھوں کے لئے ناقابل برداشت ہوتی جارہی تھی پھر اچانک اُسی چرخی سے ایک شعلہ سا لپکا اور پوری مشین جلنے لگی۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہورہا تھا جیسے کسی نے اُسے پٹرول میں ڈبو کر آگ لگا دی ہو۔

پھر اس کا پلگ خود بخود سوئچ بورڈ سے نکل کر فرش پر آرہا۔

پندرہ بیس منٹ کے اندر ہی اندر مشین راکھ کا ڈھیر ہوگئی۔

نہ جانے کیوں حمید اس وقت ذہنی طور پر مفلوج سا ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ چند لمحے راکھ کے ڈھیر کی طرف دیکھتا رہا پھر اُس کی نظر اُس دروازے کی طرف اٹھ گئی جس سے وہ کمرے میں داخل ہوا تھا۔ اس کے قدم غیر ارادی طور پر دروازے کی جانب اٹھنے لگے۔ دروازے میں اب صرف وہی

پردہ جھول رہا تھا جسے ہٹا کر حمید کمرے میں داخل ہوا تھا۔

وہ تمباکو کی دوکان میں پہنچ گیا۔ کاؤنٹر کے پیچھے وہی آدمی موجود تھا جس نے کچھ دیر قبل اُسے ریوالور دکھا کر دھمکیاں دی تھیں۔

حمید کو دیکھ کر وہ نہایت ادب سے کھڑا ہو گیا اور اُس کی طرف پرنس ہنری کا ڈبہ بڑھاتا ہوا بولا۔ ”جناب کا تمباکو۔“

حمید کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے اور آنکھیں حلقوں سے اُبلی پڑ رہی تھیں۔ اس نے بائیں ہاتھ سے ڈبہ لیتے ہوئے داہنے ہاتھ سے اس زور کا گھونسہ اس کے جبڑے پر رسید کیا کہ وہ پچھلی دیوار سے ٹکرا کر زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

”دوڑو بچاؤ۔“ وہ فرش سے اٹھتا ہوا چیخا۔ ”مار ڈالا.... مار ڈالا۔“

حمید کاؤنٹر پر دونوں ہاتھ ٹیک کر دوسری طرف کود چکا تھا۔ اس نے اپنے شکار کو فرش سے نہیں اٹھنے دیا اور اس کی چیخیں؟ وہ کسی طرح بھی نہ رک سکیں۔ راہگیروں اور پڑوسیوں کا ایک جم غفیر دوکان میں گھس آیا۔

”خبردار....!“ حمید گرجا۔ ”اگر کوئی بھی قریب آیا تو اُسے بھی جیل کی شکل دیکھنی پڑے گی۔‘

دو ایک پولیس کانسٹیبل بھی اندر گھس آئے تھے۔

”انہیں باہر نکال دو۔“ حمید نے کانسٹیبلوں کی طرف دیکھ کر مجمع کی طرف اشارہ کیا۔

شہر کی فورس کا شائد ہی کوئی ایسا آدمی ہو جو حمید کو نہ پہچانتا رہا ہو۔

”باہر جائیے.... باہر جائیے۔“ کانسٹیبلوں نے مجمع کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اِدھر حمید اپنے شکار کو گریبان سے پکڑ کر دوبارہ اٹھا چکا تھا۔

”آپ.... آپ.... میرا.... جرم بھی تو.... بتائیے۔“ وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا۔

حمید نے اُسے کرسی میں دھکا دے دیا۔

پھر اُس نے کانسٹیبل سے کہا۔ ”تم میں سے ایک باہر ٹھہرے گا اور تم اندر دروازہ بند کر دو۔“

لوگوں کو باہر نکلوا دینے کے بعد حمید نے دروازہ اندر سے بند کرا دیا۔ ایک کانسٹیبل اندر ہی رہ گیا۔

”یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔“ اُس آدمی نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

”ابھی معلوم ہو جائے گا۔“ حمید فون کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ”ابھی دیکھوں گا کہ تم لوگ

کتنے چالاک ہو۔"

دوسرے لمحے میں وہ فریدی کے نمبر ڈائیل کر رہا تھا سب سے پہلے اس نے گھر ہی فون کرنا مناسب سمجھا۔ اسے توقع نہیں تھی کہ وہ پہلی ہی کوشش میں فریدی سے رابطہ قائم کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ ویسے اگر وہ گھر پر نہ ملتا تو کسی نہ کسی دوسرے ٹھکانے پر ضرور مل جاتا۔

لیکن یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ فریدی گھر ہی مل گیا۔ حمید نے اُسے یہاں بلانے کے لئے صرف سنہرے سکے کا حوالہ دینا کافی سمجھا۔

پھر وہ وہیں ٹھہر کر فریدی کا انتظار کرتا رہا۔ یہ سب کچھ ہوا لیکن حقیقت تو یہ تھی کہ اب بھی حمید کی کھوپڑی میں برف ہی جمی ہوئی تھی۔ اُس نے ایک بار بھی اس کمرے کی طرف دھیان نہیں دیا جس میں کچھ دیر قبل مقید رہ چکا تھا۔

فریدی ٹھیک پندرہ منٹ بعد وہاں پہنچ گیا۔ اُس نے حمید سے پوری روداد سنی اور بُری طرح جھلا گیا۔ وہ اس وقت صحیح معنوں میں برافروختہ نظر آرہا تھا۔

"کیا اب تم نے مجھے یہاں جھک مارنے کے لئے بلایا ہے۔"

"کیوں! ارے جناب۔ میں تقریباً ایک گھنٹے تک اس کمرے میں قید رہا ہوں۔" حمید نے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔

دوکاندار اب بھی کاؤنٹر کے پیچھے خاموش بیٹھا ان کی حرکتوں کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

حمید کبھی کبھی کنکھیوں سے اس کی طرف دیکھتا اور دل ہی دل میں تاؤ کھا کر رہ جاتا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں الٹی آنتیں گلے نہ پڑیں۔ اُس جیسا ایکٹر آج تک اس کی نظروں سے نہیں گذرا تھا۔

فریدی نے پردہ ہٹا کر دوسرے کمرے میں جھانکا۔ اتفاقاً حمید کی نظر بھی اُدھر ہی اٹھ گئی اور اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ ہوا میں اڑا جا رہا ہو۔ نہ تو کمرے میں اب وہ پلنگ تھا اور نہ جلی ہوئی مشین کی راکھ۔ ان کی بجائے اب وہاں لکڑی کے صندوقوں کے ڈھیر نظر آرہے تھے بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کمرہ سال ہا سال سے بحیثیت گودام استعمال کیا جاتا رہا ہو۔

"کیا تم اسی کمرے کی بات کر رہے تھے۔" فریدی قہر آلود انداز میں حمید کی طرف پلٹا۔

"اب میں کیا بتاؤں۔ میں بالکل گدھا ہوں۔" حمید بوکھلا کر بولا۔ "میں یہاں تھا اور وہاں وہ سب کچھ ہوتا رہا۔"

"مت بکو۔"

"ارے تو کیا میں جھوٹ کہہ رہا ہوں۔ یہ دیکھئے دو ہزار کے نوٹ۔" حمید نے کہتے ہوئے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈال دیا۔

اور وہ منظر بڑا دلچسپ تھا جب وہ بوکھلا بوکھلا کر یکے بعد دیگرے اپنی ساری جیبیں ٹٹول رہا تھا اور اسکی پیشانی سے پسینے کی بوندیں اسطرح بہہ رہی تھیں جیسے کہیں سے بارش میں بھیگ کر آیا ہے۔

اب وہ دو ہزار کے نوٹ بھی اس کے پاس نہیں تھے۔

حمید نے جھپٹ کر اُس آدمی کے سر پر دو ہتھڑ رسید کر دیا اور وہ بلبلا اٹھا۔

"خدا کی قسم یہ ظلم ہے۔ سراسر ظلم۔ جرم بھی نہیں بتاتے اور خواہ مخواہ مارے جاتے ہیں۔"

"حمید....!" فریدی نے ڈانٹا۔

حمید خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ ایسے مواقع پر ٹھنڈا پانی بھی کہیں آس پاس موجود نہیں ہوا کرتا۔ ورنہ وہ خون کے گھونٹ پینے کے بجائے اسی سے شغل کرتا۔

فریدی چند لمحے کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر حمید کو الگ لے جا کر آہستہ سے بولا۔

"بات تو بگڑ ہی چکی ہے۔ اب کچھ کرنا چاہئے۔"

حمید کو اُس سے اتنی نرمی کے اظہار کی توقع نہیں تھی اس لئے وہ خلوص دل سے ہمہ تن گوش نہیں بلکہ خرگوش ہو گیا۔

"اسے اسی وقت اور اسی حالت میں گرفتار کر لینا چاہئے۔ ورنہ حالات تمہارے سامنے ہی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ تمہارے اس اقدام کا ہم دونوں ہی پر کوئی بُرا اثر پڑے۔ باہر بھیڑ بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ میں یہاں سے مسٹر شرما مجسٹریٹ کو فون کرتا ہوں۔ تم باہر اُن کا انتظار کرو۔ جیسے ہی وہ آئیں ان سے دس دس کے تین نوٹوں پر اُن کے دستخط لے لینا.... اور میں اپنی بلیک فورس کے تین آدمیوں کو بھی رنگ کروں گا۔ وہ بھی جلد ہی یہاں پہنچ جائیں گے۔"

"لیکن.... اسکیم کیا ہے۔" حمید نے پوچھا۔

"اسے غیر ملکی تمباکو کی بلیک مارکیٹنگ کے الزام میں پکڑیں گے۔"

"آپ تلاشی کیوں نہیں لیتے.... وہ سکے....!"

"پھر وہی بکواس۔" فریدی بگڑ گیا۔ "اس قسم کا کوئی ثبوت تم فراہم نہ کر سکو گے۔ سمجھے!

قطعی.... ناممکن ہے.... وقت نہ برباد کرو۔"

حمید دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

ڈریلا مورگن لمبے لمبے قدم رکھتی ہوئی گلی پار کر رہی تھی۔ گلی کے سرے پر پہنچ کر وہ چند لمحوں کے لئے رکی اور پھر آگے بڑھ گئی۔

جب وہ ان گلیوں سے گذر رہی تھی تو کوئی اس کے ہاتھ میں کاغذ کا ایک پرزہ دے کر ایک دوسری گلی میں غائب ہو گیا تھا۔ یہ اُس کے لئے کوئی نئی بات نہیں تھی اس قسم کے پرزے اسی طرح اسے سینکڑوں بار مل چکے تھے اور وہ اس کے مقصد سے اچھی طرح واقف تھی۔ اس نے ایک جگہ رک کر پرزے پر نظر ڈالی۔ اس پر صرف "کیفے نبراسکا" تحریر تھا۔

کیفے نبراسکا پہنچنے میں تین منٹ صرف ہوئے۔

وہ سیدھی منیجر کے کیبن میں چلی گئی۔

"طاقت....!" اُس نے منیجر کی طرف دیکھ کر کہا۔

منیجر اُس پر ایک اچٹتی سی نظر ڈال کر مسکرایا اور آہستہ سے بولا۔ "بیٹھ جاؤ۔"

ڈریلا نے بیٹھتے وقت اپنا وینٹی بیگ منیجر کی میز پر رکھ دیا۔

"آئندہ سے تمہیں یہیں سے کیش ملے گا۔ تمہارے پاس کل کتنے سکے ہیں۔"

"صرف دو....!"

"گھر پر ہیں۔"

"نہیں میں انہیں ہمیشہ اپنے ساتھ ہی رکھتی ہوں۔"

"لاؤ! مجھے دے دو! اور فی الحال رقم اتنی ہی اپنے پاس رکھو جتنی ضروری ہو۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"جہاں سے ابھی تم نے کیش لیا تھا۔ وہاں تمہاری ہی وجہ سے پولیس پہنچ گئی ہے۔"

"میری وجہ سے۔" ڈریلا بے ساختہ چونک پڑی۔

"ہاں.... آں.... کیپٹن حمید تمہارا تعاقب کر رہا تھا۔ کیا تم بتا سکتی ہو کہ سکہ اُس کے پاس کیسے پہنچا۔"

"کیا.... اُس کے پاس کوئی سکہ تھا۔" ڈریلا نے پوچھا۔

"ہاں! اُس نے اُسے جیمس مارٹن کے یہاں کیش کرانے کی کوشش کی تھی۔"

"تب تو پھر وہ میرا ہی گمشدہ سکہ ہوگا۔ میرا ایک سکہ گم ہوگیا تھا اور میں نے اس کی رپورٹ ہیڈ کوارٹر کو بھی دے دی تھی۔ کیپٹن حمید میرا دوست ہے لیکن یہ مجھے اسی وقت معلوم ہوا ہے کہ وہ میری نادانستگی میں بھی مجھ پر نظر رکھتا ہے۔"

"اس کی پرواہ نہ کرو۔ سکے مجھے دے دو اور وہ رقم بھی جو تمہیں جیمس مارٹن سے ملی ہے۔"

ڈریلا نے مطلوبہ چیزیں اپنے وینٹی بیگ سے نکال کر میز پر ڈال دیں۔

"فی الحال اسے اپنے پاس رکھو۔" منیجر نے پانچ بڑے نوٹ میز ہی پر پڑے رہنے دیئے اور بقیہ نوٹ سکوں سمیت دراز میں ڈال دیئے۔

"اور تم....!" وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔ "کیپٹن حمید سے برابر ملتی رہو گی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اب تم سے کترانا شروع کردے لیکن تم اس سے زبردستی ملو گی اس کی رہائش گاہ پر جاؤ گی۔ فریدی سے بھی تعلقات پیدا کرو۔ اس پر یہ بات ظاہر کرو کہ تم اپنے متعلق اس کے شبہے سے واقف ہوتے ہوئے بھی اس سے ذرا برابر خائف نہیں ہو۔"

ڈریلا اُسے حیرت سے دیکھتی رہی۔ اُسے اسکی آنکھیں حد درجہ خوفناک معلوم ہو رہی تھیں۔

❁

نصرت خان باہر سے آیا تھا۔ نوکر نے اُسے اوور کوٹ اتارنے میں مدد دی اور پھر اوور کوٹ اور فلٹ ہیٹ لے کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

نصرت خان نے ایک طویل انگڑائی لے کر گھڑی کی طرف دیکھا۔ رات کے ساڑھے گیارہ بجے تھے۔

وہ خواب گاہ کی طرف چل پڑا۔ یہاں شائد فون کی گھنٹی پہلے ہی سے بج رہی تھی۔ نصرت خان کی پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئیں۔ وہ اب صرف سونا چاہتا تھا۔

"ہیلو....!" وہ ریسیور اٹھا کر غرایا۔

"ضرغام....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"اوہ.... تم ہو دوست....!" نصرت مسکرایا۔

"ہاں میں ہی ہوں۔ دیکھو! سکس تھری کو پولیس لے گئی ہے۔"

"کیوں.... کس طرح۔"

"تمباکو کی بلیک مارکیٹنگ کاالزام ہے۔"

"اوہ.... تب پھر فکر کی کیابات ہے۔" نصرت نے لاپروائی سے کہا۔

"الزام فرضی ہے۔ حقیقت کچھ اور ہے۔"

"توبتاؤنا.... دوست....!" نصرت جھنجھلا گیا۔

"فریدی کو کہیں سے طاقت کا سکہ مل گیاہےاور وہ اس کے پیچھے ہے۔"

"سکس تھری...!" نصرت اپنی یادداشت پر زور دیتاہوابولا۔"وہ توشائد ہمارا ایک بینک ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ کیپٹن حمید آج ایک ایسی لڑکی کا تعاقب کررہاتھا جسے سکہ کیش کراناتھا۔"

"میں سمجھا۔ کیاتم اُس کے لئے پریشان ہو۔"

"نہیں! قطعی نہیں۔ ہمارے گرد فولاد کی دیواریں ہیں۔ تم طاقت کو کیا سمجھتے ہو۔ اس ملک کا اصلی حکمران وہی ہے۔"

"میں ابھی تمہیں اچھی طرح نہیں سمجھ سکا۔"

"مجھے سمجھنے کی کوشش کادوسرانام وقت کی بربادی ہے۔ سمجھے ضرغام۔"

"ہاں اتناتو سمجھتاہوں۔" نصرت نچلا ہونٹ چبا کر بولا۔"پہلے تم میرے دوست تھے۔ یہ اُس وقت کی بات ہے جب میں غیر مہذب تھااس وقت تم مجھ پر حکومت نہیں کرسکتے تھے۔ تم نے آہستہ آہستہ مجھے مہذب بنایااور اب میں محسوس کرتاہوں کہ مجھے ہمیشہ تمہاراغلام بنارہناپڑے گا۔"

"غلام....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔"یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ تم اب بھی میرے دوست ہو۔ حکمران تو حکومت نہیں کرتا۔ درحقیقت عنانِ حکومت اس کے دوستوں ہی کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ نہیں دوست! تم میرے متعلق ایسانہیں سوچ سکتے۔"

"خیر چھوڑو.... کام کی بات کرو۔" نصرت بولا۔

"تمہیں فریدی سے ہوشیار رہناچاہئے۔ اُسے خان جلال کے لڑکے کی تلاش ہے۔"

"فریدی کا تذکرہ سنتے سنتے میرے کان پک گئے ہیں۔ لیکن میں نے اُسے آج تک نہیں دیکھا۔ بس ایک بار مجھے معلوم ہوجائے کہ فریدی کون ہے۔"

کیا تم نے اسے ابھی تک نہیں دیکھا۔"

"نہیں۔ میں نے نہیں دیکھا۔"

"حالانکہ وہ تم سے کئی بار مل چکا ہے۔ اُسے شبہ ہے کہ تم نصرت خان ہی ہو۔"

"مجھے کسی نے یہ نہیں بتایا کہ میں فریدی سے مل چکا ہوں۔"

"کل تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ کل نیاگرا ہوٹل میں وہ بھی ہو گا۔"

"مجھے کون بتائے گا۔ کیا تم بھی وہاں موجود ہو گے۔"

"نہیں.... میں وہاں نہیں جاؤں گا۔"

"پھر مجھے کون بتائے گا....!"

"طاقت کا کوئی دوست....!"

"اچھا تو میں کل ہی اُسے بھی دیکھ لوں گا۔"

"نہیں ضرغام! کل تم وہی کرو گے جس کیلئے کہا گیا ہے۔ کل کے پروگرام میں فریدی کو نہ شامل کرو۔ فریدی کی نشاندہی تو اسلئے کی جائے گی کہ تم اس کی عقابی نظروں سے محفوظ رہ سکو۔"

"اوہ.... تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ مجھے یہ ضرور سوچنا پڑے گا کہ میں یہاں کم از کم ایک آدمی سے ضرور خائف ہوں۔ نہیں دوست! میں یہ ذلت نہیں گوارا کر سکتا۔ پہلے فریدی اس کے بعد دوسرا کام۔"

"ضرغام.... تم وہی کرو گے جو میں کہہ رہا ہوں۔ تم نے فریدی کا صرف نام سنا ہے۔ اسے دیکھا نہیں ہے۔ دیکھنے کے بعد بھی تم اس کی صلاحیتوں کا صحیح اندازہ نہیں کر پاؤ گے۔"

"دوست بس خاموش رہو۔" نصرت خان غرایا۔ "کیا تم چاہتے ہو کہ میں اسی وقت اُسے تلاش کر کے قتل کر دوں۔"

"اوہو! تم پھر غلط سمجھے۔" دوسری طرف سے ہنسنے کی آواز آئی۔ "تمہاری غصیلی آواز مجھے بہت پیاری لگتی ہے۔ اس لئے چھیڑ چھیڑ کر غصہ دلاتا ہوں۔ فریدی تمہارا ایک گھونسہ بھی برداشت نہ کر سکے گا۔ میں جانتا ہوں کہ اس کی موت ہی تمہیں یہاں لائی ہے، لیکن دوست بہت زیادہ ضروری کام پہلے ہونے چاہئیں۔ سمجھے! اگر تم نے پہلے اسے قتل کر دیا تو پھر کام میں خاک لطف آئے گا۔ بات تو جب ہے کہ اُس کی موجودگی ہی میں وہ ہو جائے اور بیچارا بے بسوں کی طرح

اپنی ہی بوٹیاں نوچتا پھرے.... کیا سمجھے۔"

"ہوں.... میں سمجھ گیا۔"

"اچھا تو پھر یہی ہو گانا....!"

"بالکل یہی ہو گا۔"

"وہاں تمہارے مددگار بھی ہوں گے۔"

"مجھے کسی مددگار کی ضرورت نہیں۔ اچھا بس اب ختم کرو مجھے نیند آرہی ہے۔" نصرت خان نے کہا اور جواب کا انتظار کئے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا۔

حملہ اور تدارک

فریدی کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ اُس کے چہرے پر نہ تو غور و فکر کے آثار تھے اور نہ جھنجھلاہٹ ہی کے۔ قریب ہی حمید آرام کرسی میں پڑا ہوا پائپ پی رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ رک کر بولا۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ ٹیلی فون کا کوئی نیا سسٹم ہو۔ ایسا جس کے ایکسچینج یا مرکزی اسٹیشن پر بولنے والوں کی تصویریں بھی دکھائی دیتی ہوں۔ یہی بات ہو سکتی ہے ورنہ وہ مشین جس کے متعلق تم بتاتے ہو کم از کم میری معلومات کے ذخیرے کے لئے تو ایک نئی ہی چیز ہے۔ اس سے بھی اس کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ دوسری طرف سے بولنے والے نے نہ صرف تمہارا نام لے کر مخاطب کیا بلکہ میرا حوالہ بھی دیا تھا۔

"کچھ بھی ہو، مجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔" حمید بڑبڑایا۔

"پرواہ مت کرو۔" فریدی مسکرایا۔ "کبھی کبھی تمہاری غلطیاں بھی میرے لئے بہت کار آمد ثابت ہوتی ہیں۔ لیکن اب تم اُس لڑکی ڈریلا سے ہوشیار رہنا۔"

"اگر وہ کبھی نظر آئی تب نا۔"

"ضرور نظر آئے گی۔ اس گروہ کا طریق کار نیا اور چونکا دینے والا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کا سربراہ حقیقتاً لومڑی ہو۔ ہو سکتا ہے شیر سے بھی زیادہ ثابت ہو۔ جیمس مارٹن والے آدمی کا رویہ یہی کہتا ہے کہ ڈریلا اپنی جگہ پر بدستور رہے گی۔"

"اگر ایسا ہوا تو پھر آپ دیکھئے گا۔"

"جلد بازی کی ضرورت نہیں۔ ابھی تو ہمیں یہ دیکھنا پڑے گا کہ یہ گروہ چاہتا کیا ہے۔"

"بہر حال یہ ماننا پڑے گا کہ اس کی تنظیم بڑی زبردست ہے۔"

"ہاں.... آں....!"

کچھ دیر کے لئے پھر خاموشی ہو گئی۔

اب فریدی میز کے گوشے سے ٹک کر سگار سلگا رہا تھا۔

"لیکن آپ نے اُس آدمی کو پکڑنے کے لئے بلیک مارکیٹنگ کا کیس کیوں بنایا تھا۔" حمید نے پوچھا۔ "ویسے آپ اپنے مخصوص اجازت نامہ کو بھی کام میں لا سکتے تھے۔ اس کے تحت آپ کسی کو بھی گرفتاری کی وجہ بتائے بغیر حراست میں لے سکتے ہیں۔"

"میں فی الحال اس معاملے کو اتنا اہم نہیں سمجھتا کہ مخصوص اختیارات سے کام لوں۔"

"آچ.... چھا....!" حمید نے جلے ہوئے پائپ کی راکھ ایش ٹرے میں الٹ کر ایک طویل انگڑائی لی اور بولا۔ "اُس نامعلوم آدمی کا چیلنج....!"

"چھوڑو....!" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "اُس نے شاید جاسوسی ناول بہت زیادہ پڑھے ہیں۔"

"خیر.... آپ اسے اس طرح ٹال رہے ہیں.... لیکن.... میں....!"

"تم بھی صبر کرو۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

حمید نے کچھ کہنے کے لئے ٹھنڈی سانس بھری لیکن اس کا وار خالی گیا کیونکہ ٹھیک اسی وقت ایک نوکر نے کمرے میں داخل ہو کر کسی کا تعارفی کارڈ اس کی طرف بڑھا دیا۔

"ہائیں....!" حمید کی آنکھیں حیرت سے پھٹی رہ گئیں اور اُس نے وہ کارڈ فریدی کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

"ڈریلا مورگن....!" فریدی اپنے مخصوص انداز میں مسکرایا۔ نوکر جا چکا تھا۔ فریدی نے کچھ دیر بعد کہا۔ "سچ مچ یہ لوگ کوئی جاسوسی ناول اسٹیج کر رہے ہیں۔ اچھا تم یہیں ٹھہرو۔ کم از کم پندرہ منٹ بعد تم ڈرائینگ روم میں آنا۔"

"ہائیں پندرہ منٹ بعد۔" حمید اپنی کھوپڑی سہلاتا ہوا بولا۔ "پندرہ منٹ بعد وہاں باقی کیا بچے گا۔"

"شٹ اپ....!" فریدی اُسے کرسی میں دھکا دیتا ہوا بولا اور کمرے سے نکل آیا۔

ڈریلا ڈرائنگ روم میں حمید کی منتظر تھی۔ لیکن دروازے میں سے ایک ایسا آدمی نظر آیا جس سے آنکھیں ملانا کم از کم اُس کے بس کا روگ تو نہیں تھا۔ وہ بوکھلا کر بغلیں جھانکنے لگی۔ اُس نے اس سے پہلے فریدی کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔

"کیپٹن حمید ابھی آتے ہیں۔" فریدی ڈرائنگ روم میں داخل ہوتا ہوا آہستہ سے بولا اور ڈریلا بیساختہ کھڑی ہوگئی اُس کی یہ حرکت قطعی اضطراری تھی۔

"تشریف رکھئے۔" فریدی نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔

ڈریلا بیٹھ گئی۔

"میں فریدی ہوں۔ شائد آپ نے میرا نام سنا ہو۔" فریدی نے مصافحہ کے لئے اُس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں۔ میں نے سنا ہے۔ بڑی خوشی ہوئی۔" فریدی کے ہاتھ میں ڈریلا کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ اس نے اُسے بڑی نرمی سے چھوڑ دیا۔

فریدی اس کے سامنے ہی بیٹھ گیا۔

"حمید بہت دلچسپ آدمی ہے۔ وہ اکثر مجھ سے آپ کا تذکرہ کرتا رہا ہے۔ تذکرہ نہیں بلکہ شاعری کہئے۔ لیکن وہ غلط نہیں کہتا تھا۔"

"ہاں وہ اکثر میرا مضحکہ بھی اڑاتا ہے۔" ڈریلا نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی۔

"آپ کا مضحکہ....!" فریدی نے حیرت ظاہر کی۔

"میں آج تک سمجھ ہی نہ سکی کہ وہ کس قسم کا آدمی ہے۔"

"شادی کی درخواست تو نہیں کی اُس نے کبھی۔" فریدی نے پوچھا۔

"نہیں کبھی نہیں.... وہ عجیب آدمی ہے۔" ڈریلا نے کہا۔ اُس کی آواز کانپ رہی تھی اور اُس نے ایک بار بھی فریدی کے چہرے پر نظر ڈالنے کی ہمت نہیں کی تھی۔

"کیا آپ کو میرا یہاں بیٹھنا ناگوار ہے۔" فریدی نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"ہرگز نہیں.... نہیں جناب۔"

"حمید میرا ایک محبوب ترین ساتھی ہے۔ اسی لئے مجھے اسکے دوستوں سے بھی محبت ہے۔" ڈریلا نے اچٹتی نظر فریدی کے چہرے پر ڈالی اور پھر دوسری طرف دیکھنے لگی۔ فریدی کہہ رہا

تھا۔ ”لیکن آپ پہلی بار یہاں آئی ہیں۔ شاید آپ کی دوستی زیادہ پرانی نہیں ہے۔“

”کیا حمید صاحب بہت مشغول ہیں۔“ ڈریلا نے اپنی گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”میں ذرا جلدی میں ہوں۔“

”شاید دس منٹ اور بیٹھنا پڑے آپ کو۔“ فریدی بولا۔

”اوہ.... تب تو میں معافی چاہتی ہوں۔“ ڈریلا اٹھتی ہوئی بولی۔ ”آپ ان سے کہئے گا کہ آج شام چھ بجے میرے گھر ضرور آئیں۔“

”بہتر ہے۔“ فریدی طویل سانس لے کر بولا۔ ”ویسے اگر آپ بیٹھتیں تو مجھے خوشی ہوتی۔“

”پھر کبھی.... ضرور.... ملاقات ہوگی۔“

فریدی اُس کے ساتھ برآمدے تک آیا۔ پھر وہ پورچ میں اتر گئی۔ فریدی اسے جاتے دیکھتا رہا۔ حمید کہیں قریب ہی موجود تھا جیسے ہی وہ نظروں سے اوجھل ہوئی وہ فریدی کے قریب آ گیا۔

”بہت خوبصورت....!“ فریدی بڑبڑاتا ہوا حمید کی طرف مڑا۔

”جی.... کیا آپ نے کچھ کہا ہے.... یا میرا واہمہ ہے۔“ حمید بوکھلا کر بولا۔

”نہیں واقعی وہ بہت دلکش ہے۔“

”خدا میرے بال بچوں کی مغفرت کرے۔“ حمید اپنا سر سہلانے لگا۔

”مگر وہ چلی گئی۔“ فریدی نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

حمید چند لمحے نیچے سے اوپر تک اسکا جائزہ لیتا رہا پھر بولا۔ ”کیا آپ مذاق کے موڈ میں ہیں۔“

”نہیں میں سنجیدہ ہوں۔“

”خدا سب کے دن پھیرے۔“ حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

”خیر.... ہاں آج شام نیاگرا میں ڈنر ہے۔ مقامی تاجروں نے وزیر تجارت کو دعوت دی ہے۔ ہم دونوں بھی معززین شہر کی حیثیت سے مدعو کئے گئے ہیں۔“

”لیکن میں تو آج چھ بجے شام کو ڈریلا کے گھر جاؤں گا۔“ حمید نے کہا۔

”بکواس مت کرو یہ غیر ضروری کام کل بھی ہو سکتا ہے۔“

”اوہو! تو آپ بھی دعوتوں کو ضروری قرار دینے لگے ہیں۔ آج بڑی انہونی باتوں سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے۔“

"ہاں یہ دعوت کم از کم میرے لئے ضروری ہے۔ اگر میرا بس چلتا تو میں وزیر تجارت کو پبلک مقامات پر جانے ہی سے روک دیتا۔"

"کیا مصیبت ہے۔ بات ڈریلا سے وزیر تجارت پر پہنچ گئی۔"

"سنجیدگی سے.... ورنہ چانٹا مار دوں گا۔"

حمید خلاف توقع سنجیدہ نظر آنے لگا۔

اس وقت نئے وزیرِ تجارت کے خلاف بے تحاشہ سازشیں ہو رہی ہیں اور سابق وزیر تجارت کے مستعفی ہونے کے بعد جب سرکاری حلقوں نے موجودہ وزیر تجارت کی تقرری کے امکانات پر روشنی ڈالی تھی تو اس کے ٹھیک دوسرے ہی دن ان پر قاتلانہ حملہ بھی ہوا تھا۔ تقرری کے بعد سیاسی جوڑ توڑ شروع ہو گئے۔"

"تو آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وزیر تجارت پر دوبارہ حملہ ہو سکتا ہے۔"

"ہاں اس کے امکانات ہیں۔"

"میں آپ کے شبہے کی وجہ بھی معلوم کرنا چاہوں گا۔" حمید نے کہا۔

"یہ بات تمہاری سمجھ میں مشکل ہی سے آئے گی اور نہ میرے پاس اتنا وقت ہے کہ میں ملک کے اقتصادی مسائل پر بحث کر سکوں۔ بس اتنا سمجھ لو... مگر.... نہیں.... اسے بھی جانے دو۔ ایک موٹی سی بات! نئی تجارتی پالیسی کا ابھی سرکاری طور پر اعلان نہیں ہوا۔ لیکن کیا تم نئی تجارتی پالیسی سے واقف نہیں ہو۔ آخر اعلان سے پہلے یہ بات پبلک میں کیسے آ گئی۔ اس کے قبل از وقت انکشاف کی وجہ سے سرکاری حلقوں میں خاصی بے چینی پائی جاتی ہے۔ پالیسی بدلنے سے رہی۔ کچھ دنوں بعد اس پالیسی کا اعلان سرکاری طور پر بھی ہو جائے گا۔ اس پالیسی کی بناء پر کابینہ میں پھوٹ بھی پڑ گئی ہے لیکن وزیرِ تجارت کی پشت پناہی ایک بہت ہی مضبوط پارٹی کر رہی ہے اور یہ پالیسی اسی کے اشارے پر مرتب کی گئی ہے۔ پالیسی چونکہ متنازعہ ہے اس لئے اگر وزیر تجارت کا وجود درمیان سے ہٹ جائے تو وہ پالیسی سرکاری حیثیت کبھی نہ حاصل کر سکے گی۔ ملک کے چند بڑے سرمایہ داروں کا خیال ہے کہ یہ پالیسی ان کا کفن ثابت ہو گی۔ ویسے وزیرِ تجارت نے اپنے ایک بیان میں کہا تھا کہ وہ پالیسی ہر ایک کیلئے مفید ثابت ہو گی اور اس سے ملک کا اقتصادی نظام سدھر جائے گا۔"

"کیا حقیقتاً اس پالیسی سے سرمایہ داروں کو نقصان پہنچے گا۔" حمید نے پوچھا۔

"مجھے اس سے سروکار نہیں۔"

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر حمید نے کہا۔"کیاوزیرِ تجارت اس خطرے سے آگاہ نہ ہوں گے۔"

"مجھے اس سے بھی بحث نہیں۔" فریدی نے آہستہ سے کہا۔"میں خطرہ محسوس کر رہا ہوں اس لئے میں دیکھوں گا کہ میں اس کے لئے کیا کر سکتا ہوں۔"

"کیا محکمے کی طرف سے بھی آپ کو اس کے لئے کوئی ہدایت ملی ہے۔"

"نہیں.... نیاگرا ہوٹل میں ڈیوٹی پر نہیں ہوں گا۔ ویسے میں نے اس بات کا انتظام کیا ہے کہ میری کرسی ٹھیک وزیر تجارت کے سامنے رہے۔اُسی میز پر۔"

"معاف کیجئے گا۔" حمید منہ بنا کر بولا۔"آخر آپ خدائی فوجدار کیوں بنتے جارہے ہیں۔ ضرورت ہو یا نہ ہو.... اپنی ٹانگ ضرور اڑائیں گے۔"

"برخوردار.... آخر اس مخصوص اجازت نامے کا مقصد کیا ہے۔ کیا وہ مجھے اس لئے ملا ہے کہ اسے فریم کراکر ڈرائینگ روم کی کسی دیوار کی زینت بڑھاؤں۔"

"آپ نے اپنی زندگی خود ہی تلخ کرلی ہے۔"

"اپنی زندگی کے بارے میں کیا خیال ہے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

حمید کچھ نہ بولا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ بہت شدت سے بور ہو رہا تھا لیکن فریدی کا پروگرام اٹل تھا۔ حمید نیاگرا ہوٹل کی بجائے ڈریلا کے گھر کا رخ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ مضمحل انداز میں قدم اٹھاتا ہوا اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

❁

نیاگرا ہوٹل کی رونق آج پہلے سے کئی گنا زیادہ بڑھ گئی تھی۔

ڈنر کے بعد وزیر تجارت سے ایک مختصر سی تقریر کی استدعا کی گئی۔ اگر استدعا نہ کی جاتی تب بھی وہ تقریر ضرور کرتے کیونکہ تقریر تو ایک ہفتہ قبل ہی تیار کرلی گئی تھی۔ شعرا اور رہنمایان قوم کی دعوتیں خالی از علت نہیں ہوتیں چونکہ دونوں ہی کی نظریں دور رَس ہوتی ہیں لہٰذا دعوت کا مقصد اُن سے کس طرح پوشیدہ رہ سکتا ہے۔

شاعر ایسے مواقع پر ہمیشہ مساوات کے گیت گاتا ہے اور رہنمائے قوم پر مساوات کا دورہ پڑتا ہے۔ وہ عام آدمیوں پر یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ بھی انہیں میں سے ایک ہے۔

نیاگرا ہوٹل میں بھی دعوت کے بعد مراتب و درجات کی تمیز اڑ گئی۔ "عوامی" بننے کی کوشش میں وزیرِ تجارت "گھریلو" بن گئے۔ کسی نے انہیں ایک بڑی میز پر چڑھا دیا اور حاضرین کرسیاں چھوڑ کر اُس میز کے گرد اکٹھا ہو گئے۔

وزیرِ تجارت تقریر کرتے رہے۔ نیاگرا کا ڈائیننگ ہال شور تحسین سے گونجتا رہا۔

پھر اچانک ایک عجیب بات ہوئی۔ کسی نے وزیرِ تجارت کو میز سے دھکیل دیا۔

وہ نیچے فرش پر گرے اور ساتھ ہی دو چیخیں ہال میں گونج کر رہ گئیں۔ ان میں سے ایک یقیناً بڑی کربناک تھی۔

"زینے....!" کسی نے چیخ کر کہا "اوپری گیلریوں کے زینے۔ حمید.... رمیش.... ساجد۔"

وزیرِ تجارت کو کئی آدمیوں نے مل کر اٹھایا لیکن اُس کی کسی نے خبر نہ لی جو قریب ہی فرش پر پڑا تڑپ رہا تھا۔ ایک آدمی جس کی گردن میں بڑا سا خنجر پیوست تھا۔ وہ تو اُس کی دوسری اور آخری چیخ تھی جس نے لوگوں کو اس کی طرف متوجہ کیا۔

وزیرِ تجارت بخیریت تھے۔

حمید نے بھی فضا میں تیرتے ہوئے خنجر کی چمک دیکھی تھی پھر اس نے چیخوں کے ساتھ ہی فریدی کی آواز بھی سنی اور بے تحاشا زینوں کی طرف لپکا۔ یہ اوپر گیلری کے زینے تھے۔

وہ تیزی سے اوپر چڑھتا چلا گیا اور اوپر پہنچ کر اُس نے محسوس کیا کہ گیلری کی روشنی ابھی ابھی کسی نے بجھائی ہے۔

وہ بہت احتیاط سے پھر زینوں کی طرف ہٹنے لگا۔ آگے بڑھنے میں دھوکا کھانے کا بھی خدشہ تھا کیونکہ پوری گیلری تاریک پڑی تھی۔

نیچے سے ابھرنے والا شور بڑھتا جا رہا تھا۔ اُس نے زینوں پر بہت سے قدموں کی آوازیں سنیں۔ غالباً لوگ اوپر آ رہے تھے۔ اچانک کوئی حمید سے ٹکرایا۔ ساتھ ہی اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی داہنی کنپٹی پر قیامت ٹوٹ پڑی ہو اس کے کانوں میں سیٹیاں سی بجنے لگیں۔ سر اس طرح چکرایا کہ وہ توازن برقرار نہ رکھ سکا۔

پھر اُسے نہیں معلوم کہ اس کے بعد کیا ہوا۔

اُس کی نیند آنکھوں میں کسی قسم کی تکلیف کی وجہ سے اچٹ گئی۔ کھڑکی سے آنے والی دھوپ اس کے چہرے پر پھیلی ہوئی تھی اور سورج آنکھوں کے سامنے چمک رہا تھا۔

یادداشت واپس آنے میں دیر نہیں لگی۔ وہ ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھ بیٹھا۔

سب سے پہلے اس کی نظر نیاگرا کے منیجر پر پڑی۔ جو قریب ہی ایک آرام کرسی میں پڑا ہوا اخبار دیکھ رہا تھا۔

حمید کو اٹھتے دیکھ کر وہ اخبار پھینک کر کھڑا ہو گیا۔

"کپتان صاحب! آپ آرام کیجئے۔ ڈاکٹر کا یہی مشورہ ہے۔" اُس نے کہا۔

"تو کیا میں ابھی نیاگرا ہی میں ہوں۔"

"جی ہاں! اب آپ کی طبیعت کیسی ہے۔"

"میں ٹھیک ہوں۔ مجھے حادثے کے متعلق بتائیے۔" حمید نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

"حادثہ.... میرے خدا.... اب تک میرا ریشہ ریشہ کانپ رہا ہے۔ آپ اوپری گیلری میں بیہوش پائے گئے تھے۔ کرنل صاحب نہ ہوتے تو وہ خنجر آنریبل منسٹر ہی کے سینے میں پیوست ہوتا۔ پھر بھی.... آپ خود سوچئے کہ اس سے ہوٹل کا ریپوٹیشن کتنا خراب ہوا۔"

"وزیرِ تجارت بچ گئے نا۔"

"مگر محکمہ صنعت و تجارت کے ڈپٹی سیکریٹری.... وہ خنجر اُن کی گردن میں لگا اور وہ بیچارے اسی وقت ختم ہو گئے۔ خنجر غالباً زہریلا تھا۔ فریدی صاحب اس سے زیادہ کر بھی کیا سکتے تھے۔ پھر بھی اُن کی پھرتی کی داد دینی ہی پڑے گی۔ آنریبل منسٹر کے سر میں کافی چوٹ آئی ہے لیکن پھر بھی وہ کرنل کے بہت زیادہ شکر گذار ہیں۔ ظاہر ہے زندگی کے مقابلے میں سر کی چوٹ کیا اہمیت رکھتی ہے۔ لیکن یہ تو بتائیے کہ آپ....!"

اتنے میں فون کی گھنٹی بجی اور منیجر یہ کہتا ہوا میز کی طرف لپکا۔ "غالباً کرنل ہی ہوں گے۔ ہر دس منٹ پر آپ کے لئے فون کر رہے ہیں۔"

وہ ریسیور اٹھا کر "ہاں.... ہاں" کرتا رہا پھر مڑ کر حمید سے بولا۔ "کرنل صاحب۔"

حمید نے اٹھ کر ریسیور اُس سے لے لیا۔

"ہیلو....!"

"حمید....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "تم بالکل ٹھیک ہو نا۔"

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

"اچھا تو فوراً آجاؤ.... اپنے متعلق کسی سے گفتگو کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیڈی وہیں ہوٹل کے گیراج میں ہے۔ جتنی جلد ممکن ہو پہنچ جاؤ۔"

"میں ابھی آیا۔" حمید نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

"ہاں تو میں یہ عرض کر رہا تھا۔" منیجر بولا۔ "آپ بیہوش تھے۔ یہ معمہ سمجھ میں نہ آیا۔"

"میں کہاں بیہوش تھا۔"

"اوپر.... گیلری میں.... اسی حصے میں جہاں سے خنجر پھینکا گیا تھا۔"

"آج.... چھا.... خیر یہ واقعہ بھی کل کے اخبار میں آجائے گا۔ اچھا.... شکریہ۔ گیراج سے گاڑی نکلوا دیجئے۔"

نیا سیکریٹری

فریدی گھر ہی پر موجود تھا اور اس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ پچھلی رات پل بھر کے لئے بھی نہیں سویا۔

قبل اس کے کہ وہ حمید سے کچھ پوچھتا حمید ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ گیا۔

"تو وہ اُس وقت بھی گیلری ہی میں موجود تھا۔" فریدی نے ختم ہوئے ہوئے سگار کو ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے کہا۔ "دراصل غلطی مجھ ہی سے ہوئی تھی۔ میں بھیڑ کو کنٹرول نہ کر سکا۔ لوگ بے تحاشا گیلری میں پہنچ گئے اور مجرم کو اس بھیڑ میں گم ہو جانے کا موقع مل گیا۔"

"کیا آپ نے اسے خنجر پھینکتے دیکھ لیا تھا۔"

"ظاہر ہے.... ورنہ ڈپٹی سیکریٹری کی بجائے وزیر تجارت ہی رخصت ہو گئے ہوتے۔"

حمید کچھ دیر تک خاموش رہا پھر سر ہلا کر بولا۔ "آپ سراغ رساں نہیں بلکہ کوئی پہنچے ہوئے بزرگ معلوم ہوتے ہیں یا پھر اَب ہم لوگ کسی جاسوسی ناول ہی کے کردار ہو کر رہ گئے ہیں۔"

"کیوں....؟"

"ارے جناب آپ کو پہلے ہی سے الہام ہو گیا تھا کہ وزیرِ تجارت پر حملہ ضرور ہو گا اور آپ کچھ اس طرح سے انتظام میں منہمک تھے جیسے اگر حملہ ہوا بھی تو آپ اسے ناکام بنا دیں گے اور وہی ہوا بھی۔"

"ہاں معلوم تو کچھ ایسا ہی ہوتا ہے اگر واقعات کا تجزیہ نہ کیا جائے تو دنیا کا ہر واقعہ معجزہ ہی معلوم ہوتا ہے۔ حملے کے امکانات پر پہلے ہی روشنی ڈال چکا ہوں۔ اسباب بھی بتائے تھے۔ مجھے یقین نہیں تھا کہ حملہ ہو ہی جائے گا اور پھر مجھے خنجر کی توقع تو تھی ہی نہیں.... ایسے مواقع پر عموماً زہر ہی استعمال کیا جاتا ہے اس کیلئے میں نے یقیناً کافی انتظامات کئے تھے اور کوئی بھی چیز طبی معائنے کے بغیر وزیرِ تجارت کے سامنے نہیں گئی۔ دوسرا امکان ریوالور کا ہو سکتا تھا۔ اس کیلئے بھی میں سب کچھ کر گذرا تلاشی لئے بغیر کسی کو بھی اندر نہیں جانے دیا تھا۔ بہتیرے تو اس پر بگڑ کر واپس ہی چلے گئے تھے۔ حمید صاحب اگر واقعی حملہ نہ ہوا ہوتا تو آج صبح کے اخبارات محکمہ سراغرسانی پر اس بُری طرح برستے کہ مزا ہی آجاتا۔ کل میں نے بڑے بڑے آدمیوں کی جیبیں ٹٹولی ہیں لیکن پھر بھی خنجر کسی نہ کسی طرح اندر پہنچ ہی گیا۔ ہو سکتا ہے وہ پہلے ہی سے کہیں چھپا دیا گیا ہو۔

"ہاں ٹھیک ہے۔" حمید بولا۔ "مگر سوال تو یہ ہے کہ ہر طرح مطمئن ہو جانیکے بعد بھی آپ نے کسطرح حملہ آور کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ مطمئن ہو جانے کے بعد نفسیاتی نکتہ نظر سے....!"

"میں سمجھ گیا کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو۔" فریدی نے اس کی بات کاٹ دی۔ "نفسیاتی ہی نکتہ نظر سے ایسے مواقع پر مطمئن ہو جانے کے بعد بھی اطمینان نہیں ہوتا۔ تم یہی کہنا چاہتے ہو نا کہ پھینکے ہوئے خنجر کی زد سے انہیں کیسے بچا لیا گیا۔"

"جی ہاں.... میں یہی پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"ایک معمولی سی مضحکہ خیز بات ہے۔ آنریبل منسٹر شروع میں بہت زیادہ سنجیدہ رہے۔ پھر آہستہ آہستہ اُن کا رویہ کچھ عوامی سا ہوتا گیا اور پھر ان کی سپورٹسمین اسپرٹ بالکل ہی بیدار ہو گئی اور وہ تقریر کرنے کے لئے میز پر جا چڑھے۔ میز پر چڑھنے کی ترغیب دینی والی ایک عورت تھی میں نے شروع ہی سے اسے منسٹر صاحب کے گرد منڈلاتے دیکھا تھا۔ میں نے یہ بھی محسوس کیا تھا کہ وہ کچھ مضطرب سی ہے کسی سے گفتگو کرتے وقت بھی اس کے چہرے سے ذہنی پراگندگی صاف ظاہر ہوتی تھی۔ آنکھوں سے صاف پتہ چلتا تھا کہ وہ مخاطب کی طرف متوجہ ہونے کے

باوجود بھی کوئی غیر متعلق بات سوچ رہی ہے جیسے ہی وزیر موصوف نے تقریر کرنے پر آمادگی ظاہر کی وہ پہلے سے زیادہ بے چین نظر آنے لگی لیکن پھر بھی وہ کافی گھل مل کر آنریبل منسٹر سے گفتگو کر رہی تھی.... اور پھر اس نے انہیں میز پر کھڑے ہو کر تقریر کرنے کا مشورہ دیا۔ وزیر موصوف کے عوامی جذبات اچھی طرح بیدار ہو گئے تھے اور غالباً وہ سچ مچ یہ محسوس کرنے لگے تھے کہ وہ اپنے خاندان کے افراد کے درمیان موجود ہیں اس لئے بے تکلفانہ ماحول پیدا کرنے کے لئے میز پر جا چڑھے۔ عورت ان کے قریب ہی قریب رہی۔ حالانکہ وہ میز کے نیچے تھی لیکن میز ہی پر ہاتھ رکھے کھڑی تھی اور اس کی نظریں بار بار اوپری گیلری کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔ چہرے سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ اسے کسی بات کا انتظار ہے۔ کبھی کبھی وہ کنکھیوں سے وزیر موصوف کو بھی دیکھ لیتی تھی۔ وہ تقریر کر رہے تھے لیکن اس عورت کی بے چین آنکھوں سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ایک لفظ بھی نہیں سن رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ میری دلچسپی کافی بڑھ گئی ہوگی۔ پھر نہ صرف وہ عورت بلکہ اوپری گیلری بھی میری توجہ کا مرکز بن گئی۔ کچھ دیر بعد میں نے دبیز پردے کے پیچھے کسی چیز کی چمک دیکھی پردے کے پیچھے سے ایک ہاتھ نکلا.... اور میں نے آنریبل منسٹر کو میز سے دھکیل دیا۔"

"وہ عورت کون تھی؟" حمید نے پوچھا۔

"زوبی....!"

"زوبی....!" حمید نے متحیرانہ انداز میں کہا۔ "سر جمشید کی بہن.... وہ تو ایک بہت مشہور سیاسی لیڈر بھی ہے۔"

"وہی.... اور ایک بڑے پاگل کی بیوی بھی۔"

"پاگل کی بیوی.... کیا مطلب....!"

"مطلب بہت جلد واضح ہو جائے گا۔ تمہیں زوبی سے بہت قریب رہنا ہے۔"

"ہے تو اچھی خاصی! مگر نہیں! سیاست سے دلچسپی لینے والی عورتیں عموماً بور ہی ثابت ہوتی ہیں۔"

"اور تم بعض اوقات ان پر بھی سبقت لے جاتے ہو۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔

کچھ دیر خاموش رہی پھر فریدی بولا۔ "جہاں تم بیہوش پائے گئے تھے وہاں ایک جوڑا سفید دستانے بھی ملے ہیں اور سب سے زیادہ دلچسپ چیز ایک پرس جس میں سو سو کے تین نوٹوں کے

علاوہ پانچ سنہرے سکے بھی موجود ہیں۔"

"سنہرے سکے۔" حمید نے مضطربانہ انداز میں دہرایا۔

"سنہرے سکے۔ غالباً حملہ آور بہت ہی بدحواسی کے عالم میں وہاں سے فرار ہوا ہے اور یہ سنہرے سکے.... یہ کسی انتہائی خطرناک تنظیم سے تعلق رکھتے ہیں۔"

"اور جس کا سربراہ آپ کو کھلے ہوئے الفاظ میں چیلنج کر چکا ہے۔" حمید بولا۔

"میری حقیقت ہی کیا ہے۔ پچھلی رات کے واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ اسکا چیلنج حکومت کیلئے ہے۔ پہلے تو میں یہ سمجھا تھا کہ وہ کوئی ایسا مجرم ہے جو اپنی حرکات میں ڈرامائی انداز پیدا کر کے پولیس کو بیوقوف بنانا چاہتا ہے مگر اب.... مجھے اس مسئلے پر سنجیدگی سے غور کرنا پڑے گا۔"

"خنجر کے دستے پر نشانات بھی نہیں ملے۔"

"قطعی احمقانہ سوال ہے۔" فریدی نے کہا۔"اس قسم کے مجمعے میں کسی پر حملہ کرنے والے اناڑی نہیں ہوا کرتے اور تمہاری معلومات میں اضافہ کے لئے یہ بھی کہتا چلوں کہ خنجر دستے سے پکڑ کر نہیں پھینکے جاتے۔"

"خیر.... لیکن اب آپ کیا کریں گے۔"

"فی الحال تمہارے دماغ کا علاج کرنا ہے میں نے پچھلی رات محض زینوں کی نگرانی کے لئے کہا تھا۔ تم آخر اوپر کیوں دوڑے گئے تھے۔"

"صرف اس لئے کہ صبح تک بیہوش رہنا چاہتا تھا۔" حمید نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔"ورنہ آپ رات بھر مجھے بور کرتے رہتے۔"

فریدی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور پھر بولا۔"تم.... تمہاری سزا یہ ہے کہ تم اپنی زندگی سے بیزار ہو جاؤ اور میں آج ہی تمہیں یہ سزا دینے والا ہوں۔ تم کچھ دنوں تک سر فیروز کے پرائیویٹ سیکریٹری کے فرائض انجام دو گے۔"

"کیا مطلب! کون سر فیروز.... وہی زوبی کا شوہر نا۔"

"ہاں وہی....!"

"لیکن آپ نے ابھی اُسے ایک پاگل کی بیوی کہا تھا۔"

"فکر نہ کرو۔ وہ ایسا پاگل نہیں ہے کہ تمہارا منہ نوچنے کی کوشش کرے۔"

"اور پرائیویٹ سیکریٹری.... میں کچھ بھی نہیں سمجھا۔"

"تقریباً ایک ہفتے سے اس کی طرف سے اخبارات میں پرائیویٹ سیکریٹری کے لئے اشتہار شائع ہو رہا ہے۔"

"ابھی تک اسے کوئی آدمی نہیں ملا۔" حمید نے پوچھا۔

"یقیناً یہ تمہارے لئے حیرت کی بات ہوگی۔ لیکن اُس کے پاس کوئی بھی تین دن سے زیادہ نہیں ٹکتا۔"

"کیوں....؟" حمید کی دلچسپی بڑھ رہی تھی۔

"وہ خبطی ہے جس طرح وہ چاہتا ہے لوگ اس طرح نہیں رہتے اور بس اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں۔ اس کے پاس ابھی تک ڈاکٹر زیتو[1] جیسی شخصیت کا کوئی آدمی نہیں پہنچا۔ مجھے توقع ہے کہ وہ تمہارے لئے بہترین قسم کی تفریح مہیا کرے گا۔"

"ایسی بات.... آج چھا.... زوبی بھی ہے۔ خیر میں تیار ہوں۔"

"مگر ایک بات سوچ لو۔ میں یہ نہ سنوں کہ اس نے تمہیں تین دن ہی بعد نکال دیا۔ تمہیں ہر حال میں وہاں اس وقت تک ٹھہرنا پڑے گا جب تک میں چاہوں۔ مقصد زوبی کی نگرانی اور اس کے ملنے والوں کے متعلق معلومات بہم پہنچانا ہے۔"

"مگر اتنا تو آپ مجھے بتا ہی دیں گے کہ لوگ کس بناء پر وہاں نہیں ٹھہرتے۔"

"سر فیروز کا خبط۔ تم نے محض اس کا نام ہی سنا ہے یا کبھی دیکھا بھی ہے۔"

"نہیں دیکھا تو نہیں ہے۔"

"نہ دیکھا ہوگا۔ بہر حال میں صرف اتنا بتا سکتا ہوں کہ وہ نیم دیوانہ ہے۔ لیکن بے ضرر۔ صرف دماغ چاٹتا ہے۔"

"فکر نہیں! میں تیار ہوں۔"

"مگر اصل مقصد سے لاپرواہ نہیں ہو گے۔"

"آپ مطمئن رہئے۔"

"اچھا.... اشتہار میں ملنے کا وقت تین سے چھ بجے تک دیا گیا ہے۔ تم آج ہی جاؤ گے۔ اس

---

[1] ڈاکٹر زیتو کی دلچسپ داستان کے لئے جاسوسی دنیا کا ناول "چیختے دریچے" جلد نمبر 11 ملاحظہ کیجئے۔

میں کوتاہی نہ ہو اور وہاں.... میک اپ ضروری ہے حالانکہ میں خود بھی اس عطائی پن کو بیسویں صدی کے شایان شان نہیں سمجھتا مگر کیا کیا جائے۔ یہ معاملہ ہی ایسا ہے کہ اسکے بغیر کام نہیں چلے گا۔ ہم لوگ اب یہاں والوں کیلئے اجنبی نہیں رہے۔ مجھے سرکاری تقریبات نے برباد کیااور تمہیں عورتوں نے.... ورنہ ہمارے پیشے کے لئے گمنام ہی قسم کی زندگی زیادہ مناسب ہوتی ہے۔"

"میک اپ کی فکر نہیں۔" حمید سر ہلا کر بولا۔"مگر وہی پلاسٹک میک اپ ہونا چاہئے تاکہ مجھے روز روز محنت نہ کرنی پڑے اور ہاں... ایک استدعا اور ہے میک اپ میں کشش ضرور ہونا چاہئے۔"

"کیوں.... نہیں یہ ضروری نہیں۔"

"ضروری ہے جناب۔ میں لعنت بھیجتا ہوں اُس ساعت پر جب کوئی لڑکی مجھے ایک بار دیکھ کر دوسری بار نہ دیکھے۔ خدارا مجھ سے میری یہ مسرت نہ چھینئے گا۔"

"دیکھا جائے گا۔ تم ایک گھنٹے بعد تجربہ گاہ میں آجانا۔" فریدی نے کہتے ہوئے اسے چلے جانے کا اشارہ کیا۔

❁

سر فیروز کی عالی شان کوٹھی کے ایک کمرے میں تین نوجوان لڑکیاں مغموم بیٹھی تھیں۔

"میں تو اب خودکشی کرلوں گی۔" اُن میں سے ایک نے یک بیک کہا۔

"پھر ہم دو ہی رہ جائیں گی۔" دوسری ٹھنڈی سانس لے کر بولی اور تیسری بیساختہ ہنس پڑی۔ پھر وہ بھی سنجیدہ ہو کر دعا مانگنے کے سے انداز میں بولی۔"اے پروردگار بھیج کسی کو۔ ایسے کو بھیج جو کم از کم ایک ہفتہ تو چل سکے۔"

"آمین....!" بقیہ دو لڑکیوں نے یک زبان ہو کر کہا۔

"ورنہ....!" تیسری بڑبڑائی۔"ٹھیک تین بجے سے چھ بجے تک میرے خدا میں بور ہو کر مر جاؤں گی۔ ارے خدا کے لئے تم دونوں میں سے کوئی آج میرے بدلے چلی جائے میں آج یونہی بور ہوں۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ متواتر دو دن تک اس کے عیوض جاتی رہوں گی۔"

"نہیں.... یہ ناممکن ہے۔" دونوں نے کہا۔

"اچھا....!" تیسری نے ایک طویل سانس لی اور خاموش ہوگئی۔

اتنے میں ایک نوکر کمرے میں داخل ہوا۔

"ایک آیا ہے۔" اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔ شائد وہ دوڑ کر یہاں تک آیا تھا۔

"کون....!" ایک نے پوچھا۔

"سیکریٹری....!"

"ویری گڈ....!" تیسری اچھل کر کھڑی ہوگئی۔

"لاؤ.... اُسے یہیں لاؤ۔" ایک بولی۔ "سب کچھ سمجھادیں۔ کاش یہ تین ہی دن رک جائے۔"

نوکر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک نوجوان کے ساتھ پھر واپس آیا۔ لڑکیوں نے اجنبی پر تنقیدی نظریں ڈالیں۔ یہ پچیس سال سے زیادہ نہ ہوگا۔ چہرہ دلکش لیکن آنکھیں کچھ کھوئی کھوئی سی تھیں بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ خواب دیکھ رہا ہو۔ آنکھوں پر موٹے فریم اور دبیز شیشوں کی عینک تھی۔ کمرے میں داخل ہو کر سب سے پہلے اس نے عینک اتار کر شیشے صاف کئے پھر اسے دوبارہ ناک پر جما کر لڑکیوں کو باری باری سے گھورنے لگا۔

"آپ حضرات میں سے سر فیروز کون صاحب ہیں۔" اُس نے پوچھا۔

"سر فیروز....!" ایک لڑکی مسکرائی۔ "ہم میں سے.... کیا آپ کو نظر نہیں آتا کہ ہم لڑکیاں ہیں۔"

"میں لڑکیوں کا پرائیویٹ سیکریٹری بننا پسند نہیں کروں گا۔ سمجھے۔" وہ نوکر کو گھونسہ دکھا کر بولا۔

"چلے گا....!" ایک لڑکی گہری سانس لے کر آہستہ سے بولی۔

"تشریف رکھئے۔ سر فیروز سے پندرہ منٹ بعد ملاقات ہو سکے گی۔"

"تشریف....!" اجنبی نے حیرت سے دہرایا۔

"جی ہاں۔"

"مگر اشتہار میں تشریف کے متعلق کچھ نہیں تھا اور میں یہ بھی نہیں جانتا کہ تشریف کسے کہتے ہیں۔"

"مطلب یہ ہے کہ بیٹھ جایئے۔ کیا آپ کو اردو نہیں آتی۔"

"کیا میں فرانسیسی میں گفتگو کر رہا ہوں۔" اجنبی جھلا گیا۔

"چلے گا۔ سو فیصدی چلے گا۔" ایک نے جھک کر دوسری کے کان میں کہا۔ "خدا کی قسم مزہ آجائے گا۔ اس گھر میں ہر وقت قہقہے گونجیں گے۔"

"آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔" اجنبی نے تیسری لڑکی کو للکارا۔

"تشریف رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ بیٹھ جایئے۔" اُس نے جواب دیا۔

"ایسی بات کس کام کی جس کا مطلب سمجھانا پڑے۔ لاحول ولا قوۃ.... تشریف رکھئے۔ گویا آدمی نہ ہوا.... آٹے کا بورا ہوا۔"

"سبھی بولتے ہیں۔"

"کتے بھی تو بھونکتے ہیں۔ آپ بھی بھونکئے۔" اجنبی جھنجھلا گیا۔ "کیا سر فیروز بھی اسی قسم کی بے تکی گفتگو کے عادی ہیں۔"

"نہیں وہ آپ سے زیادہ فلسفی ہیں۔" ایک لڑکی نے قہقہہ لگایا۔

"تب تو ٹھیک ہے۔ ورنہ مجھے انٹرویو کے دوران ہی میں واک آؤٹ کر جانا پڑتا۔"

"ارے تم کیا دیکھتے ہو۔" ایک لڑکی نے نوکر سے کہا۔ "چائے لاؤ۔"

"نہیں شکریہ۔" اجنبی بولا۔ "میں ابھی پرسوں ہی چائے پی چکا ہوں۔"

"کیا بات ہوئی۔" لڑکی اپنی ساتھیوں کی طرف دیکھ کر سوالیہ انداز میں بولی۔

"مجھ سے پوچھئے۔" اجنبی گرج کر بولا۔ "کیا آپ میرا مذاق اڑا رہی ہیں۔"

"نہیں جناب قطعی نہیں۔ ہم لوگ بھی ہفتے میں صرف ایک بار چائے پیتے ہیں۔ ویسے ہم نے سمجھا شاید آپ روزانہ پیتے ہوں۔"

"جب مجھے غصہ آتا ہے تو دن میں کئی بار چائے پیتا ہوں۔"

"کیا بات ہوئی۔" اُس لڑکی نے پھر اسی انداز میں کہا۔

"بات یہ ہوئی کہ جب مجھے غصہ آئے گا تو وہ باورچی ہی پر اترے گا۔ سمجھیں آپ۔ مطلب یہ ہے کہ میں اس طرح باورچی کو سزا دیتا ہوں۔"

"شادی ہوگئی ہے آپ کی۔" ایک نے پوچھا۔

"میں کیوں بتاؤں کہ نہیں ہوئی۔ ہرگز نہیں بتاؤں گا۔ آپ کو ذاتیات سے کوئی سروکار نہ ہونا چاہئے۔"

لڑکیاں ہنسنے لگیں۔

"واہ وا.... اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔ آ گیا مجھے غصہ۔" اجنبی نوکر کی طرف جھلا کر پلٹا۔

"ابے کیا دیکھتا ہے چائے لا۔"

نوکر بھی ہنس پڑا۔

"چائے....!" اجنبی پھر دہاڑا۔ نوکر بدستور ہنستا رہا.... اور اجنبی نے "چائے لا، چائے لا" کی گردان کرتے ہوئے اپنا سر پیٹنا شروع کر دیا۔

خبطی بوڑھا

لڑکیوں کے قہقہے، اجنبی کی چیخم دہاڑ۔ خدا کی پناہ۔ ذرا سی دیر میں ایسا معلوم ہونے لگا جیسے وہاں چوپایوں کے ریوڑ گھس آئے ہوں۔

"سر فیروز.... سر فیروز....!" اجنبی حلق پھاڑ کر چیخا اور لڑکیاں یک بیک خاموش ہو گئیں اور نوکر تو کھسک ہی گیا۔

"کہاں ہیں سر فیروز.... میں اُن سے تم لوگوں کی شکایت کروں گا۔" اجنبی نے گرج کر کہا۔

"میں یہاں ہوں۔" کسی نے پشت سے کہا اور اجنبی یکلخت آواز کی طرف مڑا۔

دروازے میں ایک پستہ قد اور گٹھیلے جسم والا بوڑھا کھڑا تھا اور وہ اس طرح اپنی پلکیں جھپکا رہا تھا جیسے کافی دیر تک اندھیرے میں رہنے کے بعد یک بیک روشنی میں آ گیا ہو۔

اس کی پیشانی کافی کشادہ تھی اور مونچھوں کے سفید بال کمانوں کی طرح نچلے ہونٹ پر جھکے ہوئے تھے۔

"آپ سر فیروز ہیں۔" اجنبی نے پوچھا۔

"ہاں.... ہاں.... میں سر فیروز ہوں۔ اگر سر فیروز نہ ہوتا تو اس عمارت میں کیسے ہوتا۔ یہ سر فیروز کی کوٹھی ہے۔"

"آچ.... چھا! تو گویا یہاں ہونے کا یہ مطلب ہے کہ آپ سر فیروز ہیں۔ یہاں جو بھی پایا جائے وہ سر فیروز ہی ہوگا۔ یہ لڑکیاں سر فیروز ہیں۔ میں سر فیروز ہوں، آپ سر فیروز ہیں اور .... وہ کہاں گیا.... نوکر.... وہ بھی.... یعنی کہ....!"

"آپ کون ہیں۔" سر فیروز نے پوچھا۔

"آپ کے بیان کے مطابق میں سر فیروز ہوں۔ ورنہ یہاں کیوں پایا جاتا۔" اجنبی نے لاپروائی سے کہا۔

"آپ کی تعریف....!" سر فیروز نے لڑکیوں کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"اوہ.... چچا جان۔" ایک لڑکی بولی۔ "یہ سیکریٹری ہیں۔ نئے سیکریٹری ہم نے انہیں منتخب کر لیا ہے۔"

"سیکریٹری۔" سر فیروز مسرت آمیز لہجے میں چیخا اور اجنبی کی طرف اس طرح جھپٹا جیسے بہت دنوں بعد کوئی بچھڑا ہوا دوست ملا ہو۔ وہ اجنبی سے بغل گیر ہو گیا، اور پھر اچانک کمرے میں ایک عجیب قسم کی آواز گونجی۔ اجنبی سر فیروز کے شانے پر سر رکھے بلک بلک کر رو رہا تھا۔

"ہائیں.... ارے.... ارے.... بھئی۔ سر فیروز بوکھلا کر اس کی پیٹھ تھپکنے لگا۔ لڑکیاں ہکا بکا دونوں کو گھور رہی تھیں۔"

"بس کرو.... بھائی.... بس میاں! ارے.... ارے.... تمہیں کیا تکلیف ہے۔"

"حلق میں کل سے تکلیف ہے.... ہینہ.... ہینہ....!" اجنبی ہچکیاں لیتا ہوا بولا۔ "کوئی دوا فائدہ نہیں کرتی۔"

"ہائیں.... یہ بات ہے۔" سر فیروز زور سے بولا۔ "زوبی.... زوبی.... تم کہاں ہو۔"

"چچی موجود نہیں ہیں۔" ایک لڑکی نے کہا۔

"ارے تم تو موجود ہو۔ فون کرو ناڈاکٹر کو۔ سیکریٹری کے حلق میں درد ہے۔ فوراً آئیے۔"

لڑکیاں حیرت سے ایک دوسری کو گھورتی ہوئی کمرے سے چلی گئیں۔

"بیٹھ جاؤ.... بیٹھ جاؤ۔" سر فیروز اجنبی کو چمکارتا ہوا ایک صوفے کی طرف لے گیا اور پھر اُسے بٹھا کر خود صوفے کے ہتھے پر اس طرح بیٹھ گیا جیسے حلق کے درد کا مریض نقاہت کا بھی شکار ہو اور اُسے کسی کے بازوؤں کے سہارے کی ضرورت ہو۔"

سر فیروز اُسے داہنے بازو کا سہارا دیتے ہوئے بائیں ہاتھ سے اس کا سر سہلا رہا تھا۔

لڑکیاں پھر واپس آ گئیں۔

"کر دیا فون....!" سر فیروز نے پوچھا۔

"جی ہاں....!" جواب ملا۔

اجنبی نے رونا بند کر دیا تھا۔ مگر اُسکی ناک سے اب بھی عجیب قسم کی آوازیں نکل رہی تھیں۔

"دیکھو.....!" سرفیروز صوفے کے ہتھے سے اٹھتا ہوا بولا۔ "ڈاکٹر کے آنے تک سیکریٹری کا خیال رکھنا۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

"ضرور..... ضرور..... ہم خیال رکھیں گے۔" ایک لڑکی نے کہا۔

سرفیروز کمرے سے چلا گیا۔

لڑکیاں چند لمحے آپس میں اشارے کرتی رہیں پھر ایک سیکریٹری کی طرف بڑھی۔

"سیکریٹری صاحب! آپ کی تعلیم کہاں تک ہے۔" اُس نے پوچھا۔

"یہاں سے ہمالیہ پہاڑ تک۔"

"یعنی.....!"

"کیا آپ مجھے جاہل سمجھتی ہیں۔ میں آئس کریم کا اسپیشلسٹ ہوں۔ سمجھیں محترمہ۔"

"سمجھ گئی۔" لڑکی سر ہلا کر بولی۔ "پھر آپ یہاں کیوں آئے ہیں..... اوہ ٹھیک! سمجھی۔ سردیوں میں آئس کریم نہیں چلتی۔"

"کن لوگوں سے سابقہ پڑا ہے۔" سیکریٹری اُکتائے ہوئے انداز میں بولا۔ "بھلا آئس کریم کیسے چلے گی کیا وہ کوئی جاندار چیز ہے۔"

"آپ رونے کیوں لگے تھے۔" دوسری لڑکی نے پوچھا۔

"کون میں۔" سیکریٹری بگڑ کر بولا۔ "کہیں آپ گھاس تو نہیں کھا گئی ہیں۔"

"سیکریٹری! تم بے تکلف ہونے کی کوشش کر رہے ہو۔" تیسری کو غصہ آ گیا۔

"میں سرفیروز کا سیکریٹری ہوں تمہارا نہیں۔"

"اگر میں چاہوں تو تم یہاں سیکریٹری نہیں ہو سکتے۔"

"ضرور چاہو۔ ہمیشہ چاہتی رہو۔ مجھے پرواہ نہیں۔"

اتنے میں نوکر نے ڈاکٹر کی آمد کی اطلاع دی۔

ڈاکٹر اور سرفیروز کمرے میں داخل ہوئے۔

سرفیروز ڈاکٹر سے کہہ رہا تھا۔ "ہاں..... آں..... بلایا تو تھا مگر یاد نہیں آ رہا ہے کہ کس کے لئے بلایا تھا۔"

"حلق میں درد....!" وہ لڑکی سیکریٹری کی طرف دیکھ کر بولی جس سے کچھ دیر قبل اس کی جھڑپ ہو چکی تھی۔

"جی ہاں۔ ان کے حلق میں درد ہے۔" سیکریٹری نے لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔

"اوہ.... ہاں.... ڈاکٹر۔" سر فیروز سر ہلا کر بولا۔ "اف فوہ.... بیٹی۔ مجھے افسوس ہے کہ ڈاکٹر کے آنے میں دیر ہوئی۔ ڈاکٹر ذرا اسے دیکھو تو.... پچھلی رات یہ روتی اور چیختی رہی تھی۔"

"ہاں.... اچھا....!" ڈاکٹر نے مصنوعی حیرت کا اظہار کیا۔ پھر لڑکی سے بولا۔

"کیا صرف تھوک نگلنے میں تکلیف محسوس ہوتی ہے یا ویسے بھی درد معلوم ہوتا ہے۔"

"ویسے بھی معلوم ہوتا ہے۔" سیکریٹری نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔

ڈاکٹر لڑکی کے قریب پہنچ چکا تھا۔ لڑکی کھڑی ہو گئی۔

"بیٹھ جاؤ.... بیٹھ جاؤ۔" سر فیروز بولا۔

"ارے ان کے حلق میں درد ہے۔" لڑکی نے جھنجھلا کر کہا۔

"شرارت نہیں لڑکی۔" سر فیروز آنکھیں نکال کر بولا۔ "بیٹھ جاؤ۔"

"میں اچھی بھلی ہوں چچا جان۔"

"پھر وہی بکواس۔ بیٹھ جاؤ۔" سر فیروز نے جھنجھلا کر کہا۔

"بیٹھ جائیے نا۔" سیکریٹری نے ٹکڑا لگایا۔ "بزرگوں کی بات ٹالنا بد نصیبی کی علامت ہے۔"

لڑکی اُسے قہر آلود نظروں سے گھورتی ہوئی بیٹھ گئی۔ دوسری لڑکیاں منہ دبائے ہنس رہی تھیں۔

"منہ کھولئے۔" ڈاکٹر نے لڑکی کی ٹھوڑی پکڑ کر کہا۔ "اُس کے داہنے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی ٹارچ تھی جسے وہ اُس کے چہرے کے برابر اٹھائے ہوئے تھا۔"

"چلو منہ کھولو جلدی....!" سر فیروز گرجا۔

لڑکی نے منہ کھول دیا۔ ڈاکٹر ٹارچ روشن کر کے کچھ دیکھتا رہا۔ پھر تشویش آمیز انداز میں سر ہلا کر الگ ہو گیا۔

"کیا رات بھر روتی چیختی رہی ہیں۔" اُس نے سر فیروز سے پوچھا۔

"ہاں.... ڈاکٹر....!"

"تب تو میرا خیال ہے کہ حلق میں پھوڑا بن رہا ہے۔"

"میں کہتی ہوں.... کیا بے تکی....!"

"تم چپ رہو۔" سر فیروز گرجا۔ "یقیناً پھوڑا بن رہا ہے۔ انتہائی خطرناک ڈاکٹر فوراً کوئی تدبیر ہونی چاہئے۔"

"فی الحال تھروٹ پینٹ لگا کر دیکھتا ہوں۔" ڈاکٹر اپنے بیگ سے کسی دھات کی سلائی نکال کر اس کے سر پر روئی لپیٹتا ہوا بولا۔

"میں کہتی ہوں۔"

"پھر وہی بکواس.... خاموش رہو۔" سر فیروز نے پھر اُسے ڈانٹ دیا۔

ڈاکٹر روئی کی پھریری تھروٹ پینٹ میں ڈبو کر لڑکی کی طرف بڑھا۔

"منہ کھولئے۔"

لڑکی نے منہ کھول دیا اور تھروٹ پینٹ کی پھریری اُس کے حلق میں اترتی چلی گئی۔ اُسے اوبکائی آگئی اور ڈاکٹر اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔ لڑکی اسے دھکا دیتی ہوئی اٹھ کر بھاگی۔

"میں عاجز آگیا ہوں ان لڑکیوں سے۔" سر فیروز نے پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا۔

"یہ دونوں بھی کچھ بیمار سی نظر آ رہی ہیں۔" سیکریٹری نے لقمہ دیا۔

"جہنم میں جائیں۔" سر فیروز بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "لیکن تم کون ہو۔"

"اوہو.... میں تو آپ کا سیکریٹری ہوں۔"

"تو یہاں بیٹھے کیوں جھک مار رہے ہو۔ میرے ساتھ آؤ.... اور ڈاکٹر اس کے لئے تم جو مناسب سمجھو کرو۔ یہ لڑکیاں میرے بس سے باہر ہو گئی ہیں۔"

وہ سیکریٹری کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

دونوں آگے پیچھے ایک کمرے میں داخل ہوئے۔ اس کمرے کی وضع بھی انوکھی تھی۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے یہ کسی کمہار کی دوکان ہو۔ ہر طرف مٹی کے کھلونوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ میز پر کھلونے۔ صوفوں پر کھلونے۔ فرش پر کھلونے۔ الماریوں میں کھلونے اور یہ سب مٹی کے تھے۔

"بیٹھ جاؤ۔" سر فیروز نے ایک صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

سیکریٹری نے مٹی کے کھلونے ایک طرف کھسکا دیئے اور بیٹھتا ہوا بولا۔ "آج موسم

خوشگوار ہے۔"

"ڈکٹیشن.....!" سر فیروز نے میز پر رکھے ہوئے کاغذ قلم اور دوات کی طرف اشارہ کیا۔

سیکریٹری کاغذ اور پنسل سنبھال کر بیٹھ گیا۔

"لکھو.... گنگاوتی کو بعد سلام شوق معلوم ہو کہ میں کھلونوں کی دیکھ بھال اچھی طرح کر رہا ہوں۔ کیا لکھا.... ہاں ٹھیک ہے.... آگے لکھو.... میں اب اپنی زندگی سے بیزار ہو گیا ہوں۔ آؤ اپنی دوکان سنبھالو.... کیا لکھا.... ہاں.... ٹھیک ہے.... بس کرو.... اتنا کافی ہے۔"

سر فیروز خاموش ہو گیا۔ وہ کچھ سوچتا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد چونک کر بڑبڑانے لگا۔ "دو دو آنے.... چار چار آنے.... دو دو آنے.... چار چر آنے.... دو دو آنے چار چر آنے۔"

سیکریٹری کافی دلچسپی سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ آہستہ آہستہ سر فیروز کی آواز بلند ہوتی گئی۔ اس کے سامنے میز پر مٹی کے کھلونوں کی قطار تھی اور وہ "دو دو آنے چار چار" کی ہانک لگا رہا تھا۔

تھپڑ اور مینڈھے

رات کہر آلود تھی۔ سردی سے در و دیوار تک ٹھٹھرے ہوئے تھے۔ ابھی زیادہ وقت نہیں گذرا تھا لیکن پھر بھی شہر کی رونق پر اضمحلال اور پژمردگی کا حملہ ہو چکا تھا۔ شاہراہوں پر کہر میں لپٹی ہوئی روشنی اونگھتی سی معلوم ہو رہی تھی۔ لیکن شراب خانے، ہوٹل اور نائٹ کلب اَب بھی آباد تھے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے شاہراہوں کی روح کھینچ کر ان عمارتوں میں اُتر آئی ہو۔

فٹ پاتھ قریب قریب ویران ہو چکے تھے۔ فرینکلن بار کے سامنے والے فٹ پاتھ پر ایک دراز قد آدمی دیر سے کھڑا شائد کسی کا منتظر تھا۔ اس کے جسم پر سیاہ رنگ کا لمبا کوٹ تھا اور سر پر اطالوی وضع کا گہرا نیلا فلٹ ہیٹ۔

تھوڑی دیر بعد ایک کار آکر اسی کے قریب رک گئی۔

"بہت انتظار کرایا لیڈی زوبی۔" وہ آدمی کار کی اگلی نشست کا دروازہ کھولتا ہوا بولا۔

"ہاں مجھے پندرہ منٹ تک ایک ضروری کام میں الجھا رہنا پڑا۔" کار کے اندر سے ایک مترنم سی آواز آئی۔

وہ آدمی زوبی کے برابر بیٹھ گیا اور کار پھر چل پڑی۔ زوبی ہی کار ڈرائیو کر رہی تھی اس کی عمر پچیس اور تیس کے درمیان رہی ہوگی۔ خاصی پُرکشش عورت تھی تھوڑے سے بال ہمیشہ اس کی پیشانی پر بکھرے رہتے تھے۔ رہن سہن کے طریقے سے خود کو انٹلکچوال ظاہر کرنے کی عادی تھی۔ ہمیشہ اعلیٰ قسم کا لباس بے ڈھنگے پن سے استعمال کرتی تھی۔ زیورات کی بھی شائق تھی۔ لیکن پیروں میں عموماً گھٹیا قسم کے سستے چپل ہوا کرتے تھے۔

"آج کہاں چلنا ہوگا۔" مرد نے پوچھا۔

"ابھی مجھے نہیں معلوم۔" زوبی نے جواب دیا۔

"میں اکثر سوچتا ہوں لیڈی زوبی....!"

"کیا سوچتے ہیں۔"

"طاقت کے متعلق....!"

"فضول ہے۔ طاقت ایک تنظیم کا نام ہے۔" زوبی نے کہا۔ "جو لوگ اسے کسی ایک فرد سے منسوب کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔"

"لیڈی زوبی! احکامات تو کسی فرد واحد ہی سے ملتے ہیں۔"

"ہر تنظیم کا ایک سربراہ ہوا کرتا ہے۔"

"وہ کون ہے۔"

"ہوگا کوئی۔ اس سے غرض ہی کیا ہے۔"

"میرا تو خیال ہے کہ ہم گیارہ آدمیوں میں سے ایک یقیناً سربراہ ہے۔" مرد نے کہا۔

"مجھے یقین ہے.... کہ آپ غلطی پر ہیں۔"

"کیوں.... میں غلطی پر کیوں ہوں۔"

"ہم گیارہ کی موجودگی میں بھی اُس کی آواز ٹرانسمیٹر میں سنائی دیتی ہے۔" زوبی نے کہا۔

مرد نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر اُس نے کہا۔ "لیڈی زوبی یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ہم اُس کے پیغامات کے ریکارڈ ٹرانسمیٹروں پر سنتے ہیں۔"

"ہوگا.... ہمیں اس سے بحث ہی کیوں ہو۔" زوبی نے لاپروائی سے کہا۔

"لیڈی زوبی۔ میں اکثر سوچتا ہوں اگر وہ ہمیں پھنسا کر خود کبھی الگ ہو گیا تو۔"

"آپ کے خیالات .... مجھے افسوس ہے۔ افسوس کی بات ہے اگر گیارہ بڑوں میں سے کوئی اس قسم کے خیالات کا اظہار کرے۔"

"ہاں واقعی افسوس کی بات ہے۔" مرد نے کہا۔ "لیکن .... کیا یہ ممکن نہیں کہ مجھے گیارہ بڑوں کی فہرست سے نکال دیا جائے۔"

"یہ آپکی مرضی پر منحصر ہے۔ اگر کہئے تو آج ہی کی میٹنگ میں اس معاملے کو پیش کروں۔"

"مگر اس کا ردعمل کیا ہوگا۔"

"آپ کی علیحدگی۔"

"مجھے اس میں شبہ ہے۔" مرد بولا۔

"کیوں؟ کیسا شبہ۔"

"ممکن ہے آپ لوگوں کو خیال ہو کہ میں علیحدگی اختیار کرنیکے بعد طاقت کا راز فاش کردوں۔"

زوبی ہنسنے لگی۔

"یہ تنظیم اتنی کچی نہیں ہے۔ آپ ثبوت کہاں سے فراہم کریں گے۔ کیا لیڈی زوبی کے کردار پر کوئی شبہ کر سکے گا۔ کیا نو بڑے آدمیوں کے متعلق کوئی ایسا سوچ سکے گا۔ ہرگز نہیں۔ اگر آپ نے ہمارے متعلق کچھ کہنا بھی چاہا تو لوگ آپ کو پاگل سمجھیں گے۔"

مرد بھی کسی سوچ میں پڑ گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "اچھا لیڈی زوبی میں شکر گذار ہوں گا اگر آپ گیارہ بڑوں کی فہرست سے میرا نام خارج کرا سکیں۔"

"ہو جائے گا۔ مطمئن رہئے۔ لیکن میں تنظیم سے اس بیزاری کی وجہ ضرور پوچھوں گی۔"

"بیزاری نہیں ہے۔ اگر مجھے سربراہ کی شخصیت کا علم ہو جائے تو میں تنظیم کے لئے جان بھی دے سکتا ہوں۔"

"سربراہ کی شخصیت تنظیم کے بغیر کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ ہم سربراہ کے نہیں تنظیم کے وفادار ہیں۔ سربراہ کوئی بھی ہو۔"

"یہ بات نہیں .... آخر وہ کھل کر سامنے کیوں نہیں آتا۔"

"یہ بھی تنظیم ہی کا ایک جزو ہے۔"

"اس کا یہ مطلب ہوا کہ سربراہ کو ہم پر اعتماد نہیں ہے۔" مرد بولا۔

"آپ واقعی اس قابل نہیں ہیں کہ آپ کا شمار تنظیم کے بڑوں میں کیا جائے۔"

"کیوں....؟" مرد کے لہجے میں تحیر تھا۔

"آپ تنظیم کے بنیادی فلسفے ہی سے واقف نہیں ہیں۔"

"کیا تنظیم کا کوئی فلسفہ بھی ہے۔" مرد کے لہجے میں طنز تھا۔

"قطعی ہے اور اس کا تعلق براہ راست تنظیم کے سربراہ کی شخصیت سے ہے۔"

"میں ضرور معلوم کرنا چاہوں گا۔"

"تنظیم کے سربراہ کی شخصیت ہمیشہ پردہ راز میں رہے گی وہ کبھی عام آدمیوں کے سامنے نہیں آئے گا کیونکہ عمومیت آدمی کو بے وقعت کر دیتی ہے۔ لوگوں پر نہ انسانیت حکومت کرتی ہے نہ شرافت بلکہ خوف حکومت کرتا ہے۔ اندیکھی شخصیتوں کا خوف ہی لوگوں کو گردنیں جھکائے رکھنے پر مجبور کر سکتا ہے اس لئے ہماری تنظیم کا سربراہ کھل کر کبھی سامنے نہ آئے گا۔"

"تو وہ حکومت کرنا چاہتا ہے۔" مرد نے پوچھا۔

"کر رہا ہے۔ ملک پر اس کے علاوہ اور کس کی حکومت ہے جو وہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔ جو وہ چاہے گا وہی ہوگا۔ مثال کے طور پر نئی تجارتی پالیسی ہی کو لے لیجئے۔ میرا دعویٰ ہے کہ اس کا اعلان کبھی نہ ہو سکے گا۔"

"مگر.... وزیر تجارت تو بہر حال بچ گیا۔"

"پرواہ نہیں.... کوئی دوسرا طریقہ اختیار کیا جائے گا۔ نئی تجارتی پالیسی فائیلوں ہی میں پڑی رہ جائے گی۔"

مرد تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر ہنسنے لگا۔

"لیڈی زوبی۔ میں ابھی تک مذاق کر رہا تھا۔ تنظیم سے علیحدگی کا ارادہ نہیں رکھتا۔ علیحدگی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ لیکن اس کا افسوس ضرور ہے کہ ابھی تک میں تنظیم کے بنیادی مقصد ہی سے ناواقف تھا۔"

"خیر.... کوئی بات نہیں۔ بہتیرے ناواقف ہیں بات دراصل یہ ہے کہ ہمارا دستور تحریری نہیں۔ بہر حال اگر آپ مزید معلومات چاہتے ہیں تو کبھی اطمینان سے ملئے تب میں آپ کو بتاؤں گی کہ یہ تنظیم کتنی ہمہ گیر اور ٹھوس ہے۔"

"میں ضرور ملوں گا لیڈی زوبی۔"

"اوہ.... ہم غالباً اپنی منزل پر پہنچ گئے ۔" زوبی نے کہا۔ کار ایک گلی میں داخل ہو رہی تھی۔ تھوڑی دور چل کر زوبی نے کار روک دی پھر اُس نے سامنے والے مکان کے دروازے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "اس دروازے پر تین بار دستک دیجئے۔ یہیں سے ہمیں میٹنگ کے مقام کا پتہ معلوم ہو گا۔ ذرا جلدی کیجئے۔"

مرد کار سے اتر کر دروازے کی طرف بڑھا۔ زوبی اپنے وینٹی بیگ سے ریوالور نکال چکی تھی۔ ابھی وہ دروازے کے قریب بھی نہیں پہنچا تھا کہ پے در پے دو فائر ہوئے۔ ایک چیخ بلند ہوئی اور زوبی کی کار فراٹے بھرتی ہوئی گلی پار کر گئی۔

"تمہارا نام گیارہ بڑوں کی فہرست سے خارج کر دیا گیا۔" زوبی نے پر سکون لہجے میں بڑبڑائی اور اس کی کار سنسان سڑک پر دوڑتی رہی۔

تقریباً بیس منٹ بعد وہ ایک عظیم الشان عمارت کے سامنے رکی جس کے پھاٹک پر "ضرغام" کے نام کی تختی لگی ہوئی تھی۔

وہ کار سے اتر کر برآمدے میں آئی۔ یہاں ایک ملازم نے اسے اوور کوٹ اتارنے میں مدد دی اور دوسرا نوکر اُسے اس کمرے میں لے گیا جہاں پہلے ہی سے نو آدمی موجود تھے۔ نصرت خان میز کے آخری سرے پر تھا یعنی وہی اس میٹنگ کی صدارت کر رہا تھا۔ زوبی کو دیکھ کر نصرت خان کے علاوہ اور سب کھڑے ہو گئے۔ زوبی ایک خالی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"میرا خیال ہے کہ اب کاروائی شروع کر دی جائے۔" ایک آدمی بولا۔ "وقت ہو گیا ہے اب گیارہویں کا انتظار کب تک کیا جائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" نصرت خان بولا۔ وہ زوبی کی طرف دیکھ کر عجیب انداز میں مسکرایا تھا۔

"میٹنگ کا مقصد....!" نصرت خان نے آہستہ سے کہا۔ "اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ نئی تجارتی پالیسی کے اعلان کو روکنے کے لئے کوئی مؤثر قدم اٹھایا جائے۔"

"سب سے پہلے ہم پچھلی رات والے حملے کی ناکامی کے اسباب معلوم کرنا چاہیں گے۔" ایک آدمی نے کھڑے ہو کر کہا اور پھر بیٹھ گیا۔

"اس واقعے کو نہ چھیڑا جائے تو بہتر ہے۔" نصرت خان کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"میں بتاتی ہوں۔" زوبی نے کہا۔ "یہ سب کچھ ایک نامعقول آدمی کی دخل اندازی کی بناء پر ہوا تھا۔ ورنہ حملے کی کامیابی میں شبہ بھی نہ کیا جاسکتا۔"

"وہ آدمی تو آئندہ بھی روڑے اٹکاتا رہے گا۔" سوال کرنے والے نے کہا۔

"اُس کے لئے بھی کچھ سوچا جائے گا۔" زوبی نے جواب دیا۔

"مگر....!" ایک دوسرے آدمی نے کہا۔ "کیا وہ سازش سے پہلے ہی باخبر ہو گیا تھا۔"

"یہ ناممکن ہے۔" نصرت خان غرایا۔

"پھر کیا وہ.... کسی غیر انسانی قوت کا مالک ہے۔ یہ تو بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ خنجر پھینکے جانے کا منتظر ہی رہا ہو۔"

"محض اتفاق!" زوبی نے کہا۔

نصرت خان غصے میں بھن رہا تھا لیکن زوبی بار بار اُس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیتی تھی۔ وہ اپنی ناکامی کا تذکرہ نہیں سننا چاہتا تھا۔ زوبی چند لمحے خاموش رہی پھر اُس نے کہا۔

"دراصل ہم سے شروع ہی میں غلطی ہوئی۔ تجارتی پالیسی کے اعلان کو روکنے کا طریقہ ناقص تھا۔ ہمیں اس طرح کام کرنا چاہئے کہ ملک میں ہراس نہ پھیلے اس طرح ہم فریدی جیسے آدمیوں کی بھی نظر سے بچے رہیں گے۔"

اس جملے پر نصرت خان نے جھلا کر کچھ کہنا چاہا لیکن زوبی نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"اب میرے ذہن میں ایک دوسری اسکیم ہے۔" زوبی پھر بولی۔ "میرا دعویٰ ہے کہ اگر وہ کامیاب ہو جائے تو نئی تجارتی پالیسی کا مسودہ کسی ردی فروش کی دوکان ہی پر بک سکے گا اور ہم سے کسی کو منظر عام پر بھی آنے کی ضرورت نہ پیش آئے گی۔"

"پہلے ہی وہی اسکیم بنائی ہوتی۔" کسی نے زوبی سے کہا۔

"غلطیاں آدمی ہی کرتے ہیں۔" زوبی خشک لہجے میں بولی۔ لیکن اس کا موڈ جلد ہی ٹھیک ہو گیا۔ وہ چند لمحے کچھ سوچتی رہی پھر اس نے کہا۔ "اگر ہماری حکومت کے تعلقات ایک ملک سے خراب ہو جائیں تو نئی تجارتی پالیسی کو بے بسی کی موت مرنا پڑے گا۔"

ان میں سے ایک آدمی ہنسنے لگا۔

"میں آپ کی ہنسی کا مطلب نہیں سمجھی۔" زوبی نے کہا۔

"کچھ نہیں.... آپ بیان جاری رکھئے۔" اُس نے جواب دیا۔

زوبی نے اپنے شانوں کو لاپروائی کے اظہار میں جنبش دی اور بولی۔ "سوال پیدا ہوتا ہے کہ تعلقات کیسے خراب کرائے جائیں۔ طریقہ نہایت آسان ہے لیکن طریقہ صرف ان حضرات کو بتایا جاسکے گا جو اس کے لئے کچھ کام کر سکیں۔"

"طریقہ معلوم کئے بغیر ہم کام کرنے کا اندازہ کیسے کر سکتے ہیں۔" ایک آدمی بولا۔

"یہ میں جانتی ہوں کہ آپ میں سے کون اس کے لئے مناسب ہے۔ بہر حال جو لوگ مناسب ہیں انہیں کے سامنے اسکیم رکھی جاسکتی ہے۔"

"پھر ہم سب کو بلانے کی کیا ضرورت تھی۔" ایک نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"طاقت کا حکم۔" زوبی آہستہ سے بولی۔

پھر اس پر کسی کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکلا۔

زوبی نے کہنا شروع کیا۔ "سر جگدیش، پرنس جسپال سنگھ، سیٹھ گنگولی.... آپ تینوں حضرات اس کام کے لئے منتخب کئے گئے ہیں۔ کل ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے رات کو آپ برکلے ہاوز میں تشریف لائیں گے اور بقیہ حضرات اگر اسے بے اعتمادی تصور کریں تو یہ ان کی زیادتی ہوگی اگر یہ بے اعتمادی ہے تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ ہمارا سربراہ ہم میں سے کسی پر بھی اعتماد نہیں کرتا کیونکہ وہ آج تک ہمارے سامنے نہیں آیا۔"

"نہیں.... یہ بات نہیں.... ہم مطمئن ہیں۔" سب نے یک زبان ہو کر کہا۔

"کچھ دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ پھر مجلس برخاست ہو گئی۔ زوبی کے علاوہ سب چلے گئے۔"

ضرغام خاموش بیٹھا زوبی کو گھور رہا تھا۔

"تمہاری تیز مزاجی سے میں تنگ آگئی ہوں۔" زوبی اٹھلائی۔

"چپ رہو۔ پتہ نہیں کیوں میں تمہارا اتنا خیال کرتا ہوں۔" نصرت غرایا۔

"نہیں ضرغام ڈیئر! غصہ اچھی چیز نہیں۔"

"پرنس شمشاد کیوں نہیں آیا۔" ضرغام نے پوچھا۔

"میں نے اس کا نام فہرست سے خارج کر دیا ہے۔" زوبی ہنس پڑی۔ "احتیاطاً ایک فائر اور

کر دیا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ صبح اس کی اکڑی ہوئی لاش ملے گی۔"

"اسی لئے بڑھ بڑھ کر باتیں کر رہی ہو۔" نصرت خان نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

"نہیں ڈیئر! مجھے طاقت سے جو حکم ملا تھا اُس کے مطابق....!"

"طاقت...!" ضرغام تمسخر آمیز انداز میں ہنسا۔ "میرے سامنے یہ مضحکہ خیز نام نہ دہرایا کرو۔"

"ضرغام میں تمہیں بہت چاہتی ہوں۔ لیکن طاقت کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں سن سکتی۔"

"تم کیا کرو گی میرا....!" ضرغام غرایا۔

"میں تم سے درخواست کروں گی کہ طاقت کا احترام کرنا سیکھو۔"

"اب میں کتے کے پلے کا بھی احترام کرونگا کیونکہ اب میں خود اپنی نظروں میں ذلیل ہو گیا ہوں۔"

"کیوں....؟"

"میرا نشانہ خطا کرنے لگا ہے۔"

"فضول بک رہے ہو۔ اگر فریدی اسے دھکیل نہ دیتا تو تمہارا خنجر ٹھیک سینے ہی پر اترتا۔"

"فریدی....!" نصرت خان دانت پیس کر رہ گیا۔

"پرنس جسپال کا کہنا کسی حد تک صحیح معلوم ہوتا ہے۔ شائد فریدی ہماری راہ پر ہے۔ اُسے کسی طرح ہماری اسکیم کا علم ہو گیا تھا۔"

"اب میری راہ....! تم لوگوں سے الگ ہو گئی ہے۔" نصرت خان بولا۔ "تم تجارتی پالیسی کے چکر میں ہو.... اور میرا شکار.... میں اُسے ہر حال میں مار ڈالوں گا۔"

"کسے.... فریدی کو۔"

"ہاں.... میں اسے....!"

"ٹھہرو! ضرغام میری بات سنو۔ اگر اس سے بھڑے بغیر ہی ہمارا کام چل جائے تو ہمیں اس سے بھڑنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اس طرح ہو سکتا ہے کہ ہمارے کام میں رکاوٹ پڑے۔ فریدی کے ایک نہیں ہزاروں دشمن ہیں لیکن آج تک اسے کوئی بھی ٹھکانے نہیں لگا سکا۔ جو اس سے بھڑا خود فنا ہو گیا۔ شہر کے بُرے آدمی اُسے "ہزار آنکھوں" والے کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ تم اس سلسلے میں طاقت سے مشورہ کئے بغیر کوئی قدم نہ اٹھانا۔"

"میں تمہارے طاقت کی طرح چوہا نہیں ہوں۔"

"ضرغام.... اپنی زبان بند کرو۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں میری محبت....!"

"خاموش رہو۔ کیا تم مجھے بھی پرنس شمشاد سمجھتی ہو۔"

"میں طاقت کے لئے توہین آمیز الفاظ نہیں سن سکتی۔"

دوسرے لمحے میں زوبی کے داہنے گال پر ایک زوردار تھپڑ پڑا اور وہ کرسی سے لڑھک گئی۔

نصرت خان اسے بالوں سے پکڑ کر دوبارہ اٹھاتا ہوا بولا۔ "میں بد تمیز محبوباؤں سے اسی طرح پیش آتا ہوں۔"

"ہاں.... ہاں.... مارو....!" زوبی ہانپتی ہوئی بولی۔ "رک کیوں گئے۔ اُس وقت تک مارتے رہو جب تک میں مر نہ جاؤں لیکن طاقت....!"

"طاقت....!" اس کے گال پر دوسرا تھپڑ پڑا۔

❋

گیارہ بجے زوبی اپنی کوٹھی میں واپس آئی۔ اُس کا موڈ بہت زیادہ خراب تھا۔ اُسے اپنے گالوں پر اتنا پوڈر اور روژ تھوپنا پڑا تھا کہ اپنی شکل سے خود ہی گھن آنے لگی۔ لیکن یہ نہ کرتی تو نصرت خان کی انگلیوں کے نشانات کس طرح چھپتے۔

جیسے ہی اُس نے راہداری میں قدم رکھا اُسے عجیب قسم کا شور سنائی دیا۔ یہ اس کے لئے ایک ہی نئی بات تھی۔ اُس کے قدم آواز کی طرف اٹھنے لگے۔

اور پھر ہال میں اُس نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ وسط میں دو مینڈھے ایک دوسرے کو ٹکر مار رہے تھے۔ ایک سرے پر سرفیروز کھڑا تھا اور دوسرے سرے پر ایک نوجوان جسے زوبی نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ سرفیروز کی تینوں بھتیجیاں، عالیہ، شہزاد اور نوشابہ بھی وہاں موجود تھیں۔

"پکڑیئے۔" دفعتاً نوجوان نے للکار کر کہا۔ "پکڑیئے... جناب آپکا مینڈھا فاؤل کر رہا ہے۔"

"ارے جاؤ جاؤ۔" سرفیروز ہاتھ ہلا کر بولا۔ "تمہارا خود فاؤل کرتا ہوگا۔"

لڑکیاں زوبی کے نزدیک آ گئیں۔

"یہ کیا ہو رہا ہے۔" زوبی نے پوچھا۔

"مینڈھے لڑ رہے ہیں۔" نوشابہ بولی۔

"یہ تو میں بھی دیکھ رہی ہوں۔ مگر یہ بالکل نئی حرکت ہے۔ یہ آدمی کون ہے۔"

"چچا کا نیا سیکریٹری....!" شہزاد نے کہا۔ "پہلے سیکریٹری بھاگتے تھے مگر اب شاید اس سیکریٹری کی وجہ سے ہم سب کو گھر چھوڑ کر بھاگنا پڑے گا۔"

"دیکھئے آپ کا مینڈھا زیادتی کر رہا ہے۔" سیکریٹری جھلا کر بولا۔

"کون سا....؟" سرفیروز نے پوچھا۔

"وہ.... چتکبرا....!" سیکریٹری نے جواب دیا۔

"ارے.... بکو نہیں.... وہ تمہارا ہے۔"

"ہرگز نہیں آپ کا ہے۔"

"پھر وہی بکواس۔ میں کہتا ہوں وہ تمہارا ہے۔"

"اچھا ثابت کیجئے کہ وہ میرا ہے۔"

"ثابت ہو گیا.... چلو ٹھیک ہے۔"

"آپ ٹھیک سمجھتے ہیں تو ٹھیک ہی ہوگا۔" سیکریٹری نے بے بسی سے کہا۔

اس دوران میں شہزاد زوبی کو عالیہ کے حلق میں تھروٹ پینٹ لگنے کا لطیفہ سناتی رہی۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ نئے سیکریٹری نے سرفیروز کو مشورہ دیا ہے کہ کوٹھی کا کوئی گوشہ مٹی کے کھلونوں سے خالی نہ رہے۔ چنانچہ کل سے اس پر عملدرآمد شروع ہو جائے گا۔

"یہ آخر ہے کون.... کہاں سے آیا ہے؟" زوبی بڑبڑائی۔

"مجھے تو کوئی کالج اسٹوڈنٹ معلوم ہوتا ہے، جو تفریح اور وقت گذاری کے لئے یہاں آگھسا ہے۔" عالیہ نے کہا۔

زوبی تشویش آمیز نظروں سے سیکریٹری کو دیکھتی رہی۔

"زوبی....!" دفعتاً سرفیروز نے اُسے آواز دی۔

"فرمایئے۔" زوبی کا لہجہ تنفر آمیز تھا۔

"میں نے تمہارے لئے بھی ایک مینڈھا منگوایا ہے۔"

زوبی کچھ کہے بغیر ہال سے چلی گئی۔ وہ سیکریٹری کی وجہ سے الجھن میں پڑ گئی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ نچلے طبقے کے لوگ بڑے آدمیوں کے کتوں سے بھی بے تکلف ہونے کی ہمت نہیں رکھتے۔ آخر یہ ہے کون۔ ویسے سرفیروز کی طرح وہ بھی اسے دیوانہ ہی معلوم ہوا تھا مگر اس کی

آنکھوں میں کوئی ایسی بات نہیں دکھائی دی تھی جو اُس کے دماغی خلل کی طرف اشارہ کرتی۔ وہ سوچنے لگی۔ ممکن ہے عالیہ ہی کا خیال درست ہو۔

وہ بڑی دیر تک اپنی خواب گاہ میں ٹہلتی رہی۔ کوٹھی پر سکوت مسلط ہو چکا تھا۔ مینڈھوں کی لڑائی شاید ختم ہو چکی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ زبردستی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر نیند سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی۔ ساتھ ہی بار بار گھڑی کی طرف بھی دیکھتی جا رہی تھی۔

پھر ٹھیک ڈیڑھ بجے اٹھ کر ایک بڑا سا صندوق کھولا۔ اس میں سے ایک عجیب وضع کی مشین نکالی اور اس کا پلگ سوئچ بورڈ پر نصب کر دیا۔ مشین سے ایک ریسیور بھی منسلک تھا۔ پلگ لگاتے ہی مشین چل پڑی تھی۔

"ہیلو....!" زوبی نے ماؤتھ پیس میں کہا اور مشین میں تیزی سے گردش کرنے والی ایک چرخی روشن ہو گئی۔

"زوبی....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "کیا خبر ہے۔"

"سب ٹھیک ہے جناب۔ کل میں نے اُن تین آدمیوں کو برکلے ہاؤز میں طلب کیا ہے جن کے متعلق آپ نے ہدایت دی تھی۔"

"ٹھیک ہے.... اور کوئی خاص بات۔"

"گیارہ بڑوں میں سے ایک کم ہو گیا ہے۔ وہ آپ کے متعلق شبہات میں مبتلا تھا اس لئے میں نے اُس ختم کر دیا۔"

"غالباً تم پرنس شمشاد کی بات کر رہی ہو۔"

"جی ہاں.... وہی تھا۔"

"لیکن وہ زندہ ہے۔ بہت چالاک آدمی ہے۔ خیر میں اسے دیکھوں گا۔ تمہاری ایک بھی گولی اس کے نہیں لگی۔ تم پرواہ مت کرو۔ اس کا خیال ہی ترک کر دو۔ وہ تنظیم کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ ثبوت کہاں سے مہیا کرے گا اور یہ اچھا ہی ہوا کہ وہ بچ گیا۔ میں فی الحال کشت و خون نہیں چاہتا۔ تجارتی پالیسی سے نپٹنے کے بعد دیکھا جائے گا۔ لیکن ضرغام پر کڑی نظر رکھنا.... سمجھیں.... اچھا بس.... شب بخیر....!"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔

سکہ ساز

کرنل فریدی نے کاغذات ایک طرف رکھ دیئے اور پھر اٹھنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ میز پر رکھے ہوئے فون کا بزر بول اٹھا۔ اس نے ریسیور اٹھالیا۔ آئی جی کے آفس سے طلبی ہوئی تھی۔ فریدی نے ریسیور رکھ کر سگار کو ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے جماہی لی اور سر پر ہاتھ پھیرتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

آئی جی کے اردلی نے اس کے لئے دروازے کی چق اٹھائی اور وہ اندر چلا گیا۔

آئی جی تنہا تھا اور اچھے موڈ میں معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ فریدی کو دیکھتے ہی اس نے مسکرا کر اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی تھی۔

فریدی اس کا اشارہ پا کر بیٹھ گیا۔

"کیا تم مجھے نہیں بتاؤ گے کہ تمہیں سازش کا علم کیونکر ہوا تھا۔" آئی جی نے مسکرا کر پوچھا۔

"آپ یقین کیجئے کہ مجھے صرف شبہہ تھا۔"

"شبہے کی بھی آخر کوئی وجہ ہوتی ہے۔"

فریدی نے شبہے کی وجہ دہرادی جس کا تذکرہ وہ حمید سے بھی کر چکا تھا۔

ڈی۔ آئی۔ جی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "اگر شبہے کی وجہ صرف اتنی سی ہے تو مجھے کہنے دو کہ کوئی غیبی قوت تمہاری مدد کرتی ہے۔"

"غیبی قوت تو سب کی مدد کرتی ہے لیکن.... کیا شبہے کی وجہ جاندار نہیں ہے۔"

"نہیں! میرا خیال ہے کہ نہیں۔ بھلا وزیر تجارت کی موت سے تجارتی پالیسی پر کیا اثر پڑ سکتا ہے۔ اس کا اعلان تو بہر حال ہو جائے گا۔"

"اس کا اعلان غیر سرکاری طور پر تو ہو ہی چکا ہے۔ آخر سرکاری اعلان سے پہلے وہ منظر عام پر کیوں اور کس طرح آ گئی۔"

"ہاں یہ تو ہوا ہے اور اس کے سلسلے میں تحقیقات بھی ہو رہی ہیں۔"

"لیکن کیوں ہوا.... کس طرح ہوا۔"

"آپس کے اختلافات....!"

"تو آپ کو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ وزیر تجارت کی مخالفت کرنے والے مضبوط نہیں ہیں ورنہ وہ تجارتی پالیسی مرتب ہی نہ ہو پاتی۔"

"یہ بھی درست ہے۔"

"اب یہ بات ماننی پڑے گی کہ کچھ لوگ اس پالیسی کے حق میں نہیں ہیں ورنہ قبل از وقت وہ منظر عام پر کیوں آجاتی۔"

"یہ بھی مانتا ہوں لیکن وزیر تجارت کی موت کی بناء پر تجارتی پالیسی کا اعلان کیسے رک جاتا اس پر روشنی ڈالو۔"

"آپ انسان کے ذاتی اثر کے تو قائل ہوں گے ہی۔"

"قطعی ہوں۔"

"وزیرِ تجارت کی پارٹی بہت مضبوط ہے اور اس استحکام کی وجہ خود وزیر تجارت کا ذاتی اثر ہے۔ اگر وہ ختم ہو جائیں تو پارٹی میں پھوٹ پڑ جائے گی اور پھوٹ پڑ جانے کے بعد تجارتی پالیسی کا جو حشر ہو گا.... ظاہر ہے۔"

"بات اب سمجھ میں آگئی۔ اصلیت یہ ہے کہ مجھے سیاست سے کوئی دلچسپی نہیں۔ اسی لئے میں ان معاملات پر غور بھی نہیں کرتا۔" ڈی آئی جی نے کہا.... پھر ہنس کر بولا۔ "جہاں تم جیسا کام کرنے والا موجود ہو وہاں لامحالہ بقیہ لوگ ذہنی طور پر مفلوج ہو کر رہ جائیں گے۔"

"قطعی نہیں جناب! ماتحتوں کو آفیسروں ہی سے روشنی ملتی ہے۔"

کچھ دیر تک فریدی خاموش رہا.... پھر بولا۔ "اور یہ بھی عرض کر دوں کہ یہ ایک خفیہ تنظیم کی حرکت معلوم ہوتی ہے۔"

"خفیہ تنظیم....!" آئی جی نے حیرت سے دہرایا اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"جی ہاں....! کچھ دنوں قبل میں نے ایک سگریٹ فروش کو تمباکو کی بلیک مارکیٹنگ کے سلسلے میں گرفتار کیا تھا۔"

"ہاں میں نے سنا تھا اور مجھے اس پر حیرت بھی ہوئی تھی کہ تم....!"

"وہ کیس بالکل فرضی تھا۔"

"کیا مطلب....!" آئی جی اُسے تیکھی نظروں سے گھورنے لگا۔

"جی ہاں! ضرورتاً ایسا کیا گیا تھا۔" فریدی نے کہا اور پھر اسے پوری روئیداد دہرانی پڑی۔ اس نے ان طلائی سکوں کا بھی تذکرہ کیا اور یہ بھی بتایا کہ نیاگرا ہوٹل کی بالائی گیلری میں بھی ایک پرس ملا تھا اور اُس سے ویسے ہی طلائی سکے برآمد ہوئے تھے۔

"کیا سکے تمہارے پاس ہیں۔" آئی جی نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

"جی ہاں....!" فریدی نے کہا اور تین چار سکے جیب سے نکال کر آئی جی کے سامنے ڈال دیئے۔

وہ کافی دیر تک ان کا جائزہ لیتا رہا پھر سر ہلا کر بولا۔ "عجیب بات ہے اور ایک سکے کے عیوض دو ہزار روپے۔"

"جی ہاں! اب تک کا مشاہدہ تو یہی ہے۔ اُس لڑکی کو بھی دو ہزار ملے تھے اور حمید نے بھی دو ہی ہزار پائے۔"

"جلدی کر گیا۔" آئی جی نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

"اس وقت میں نے بھی یہی سوچا تھا کہ حمید نے جلدی میں کام بگاڑ دیا مگر اب سوچتا ہوں کہ اگر حمید سے یہ حرکت سرزد نہ ہوتی تب بھی ہم تنظیم کے نچلے طبقے کے لوگوں کے ذریعہ سرغنہ تک نہ پہنچ سکتے۔"

"ارے تو تم نے اس تنظیم میں طبقات کا بھی تعین کر لیا ہے۔"

"ہاں جناب انداز تو کچھ ایسے ہی ہیں۔"

آئی جی پھر کسی سوچ میں پڑ گیا اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ "تو اس کا یہ مطلب ہے کہ ہم عنقریب کسی بڑی الجھن میں مبتلا ہونے والے ہیں۔"

"حالات ایسے ہی ہیں.... اور.... میں اَب ایک دوسرے خطرے کے امکانات پر بھی غور کر رہا ہوں۔"

"کیسا خطرہ۔"

"مجھے یقین ہے کہ وزیر تجارت پر کسی ذاتی مناقشے کی بناء پر حملہ نہیں ہوا تھا۔ اگر ہم فساد کی

جڑ تجارتی پالیسی کو تسلیم کرلیں تو کسی نئے خطرے کا امکان بدستور قائم رہتا ہے۔ کچھ نامعلوم افراد یہ چاہتے ہیں کہ پالیسی کا اعلان نہ ہو سکے اب اس کیلئے وہ کوئی دوسرا طریقہ بھی استعمال کر سکتے ہیں۔"

"ہاں ہو سکتا ہے۔"

"میں اُسی دوسرے طریقے کے متعلق غور کر رہا ہوں۔"

"لیکن طریقے کے متعلق غور کرنے سے تو کام نہیں چلے گا۔ یہ بات بھی تم سے پوشیدہ نہیں ہے کہ وزیرِ تجارت پر حملے کی وجہ سے ملک میں ہراس پھیل گیا ہے۔ اخبارات حملہ آور کی تلاش کے لئے چیخ رہے ہیں۔ فی الحال مقدم چیز ہے بھی یہی.... سب سے پہلے تمہیں حملہ آوروں کو بے نقاب کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔"

"کوشش آپ جانتے ہیں کہ میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتا۔ لیکن اس مقصد کو سامنے رکھ کر کوشش کرنا پانی سے مکھن نکالنے کے مترادف ہوگا۔"

"کیوں....؟"

"حملہ آور کو پکڑ بھی لیا تب بھی سازشی اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے اور اس سے ملک کو جو نقصان پہنچے گا اس کی تلافی ناممکن ہوگی۔"

"پھر تم کیا کرنا چاہتے ہو۔"

"تجارتی پالیسی کے خلاف سازش کو ناکام بنانا۔ ہو سکتا ہے اس کوشش میں مجرم بھی ہاتھ آجائیں۔"

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر آئی۔جی نے کہا۔"یوں تو.... سارا محکمہ ہی اس سلسلے میں کام کر رہا ہے۔ لیکن مجھے تمہارے علاوہ اور کسی پر اعتماد نہیں۔"

"یہ آپ کی عنایت ہے۔ خدا نے چاہا تو آپ کے اعتماد کو ٹھیس نہیں لگے گی۔"

"مجھے براہِ راست حالات سے آگاہ کرتے رہنا۔"

"ایسا ہی ہوگا۔ آپ مطمئن رہیں۔ یہ معاملہ ہی ایسا ہے کہ اس میں اس کی تمام تر ذمہ داری خود پر نہیں لے سکتا۔"

"کیا مطلب....!"

"یہی کہ میں ہر معاملے میں آپ کے مشورے کا پابند رہوں گا۔"

"ٹھیک.... میں یہی چاہتا ہوں۔"

فریدی وہاں سے پھر اپنے آفس میں واپس آگیا۔ چند لمحے سگار سے شغل کرتا رہا پھر فون سے ریسیور اٹھا کر کسی کے نمبر ڈائیل کرنے لگا۔

"ہیلو.... اوہ.... میں کرائم رپورٹر انور سے ملنا چاہتا ہوں۔ شکریہ.... ہیلو.... انور میں فریدی بول رہا ہوں۔ کیا تم نے حالات پر اچھی طرح غور کرلیا.... ہوں.... ہوں.... اچھا.... آج سات بجے ہائی سرکل نائٹ کلب میں ملو.... ہاں.... ہاں.... ٹھیک ہے۔"

ریسیور رکھ کر اس نے بجھا ہوا سگار سلگایا اور سرجنٹ رمیش کی طرف دیکھنے لگا جو اپنی ڈسک پر بیٹھا کچھ لکھ رہا تھا۔ انداز سے ایسا معلوم ہوا جیسے وہ اُس سے کچھ کہنا چاہتا ہو۔ لیکن اُس نے اُسے مخاطب نہیں کیا۔

کلاک نے چار بجائے اور فریدی نے میز پر پھیلے ہوئے کاغذات کو سمیٹ کر دراز میں رکھ دیا۔

"کیا تم ابھی بیٹھو گے رمیش....!" اُس نے رمیش سے پوچھا۔

"جی ہاں.... مجھے کچھ کاغذات مکمل کرنے ہیں۔"

"اچھا.... اگر اس دوران میں میرا کوئی فون آئے تو پیغام نوٹ کرلینا۔"

تھوڑی دیر بعد وہ کیڈیلاک میں بیٹھا ہوا بندرگاہ کی طرف جارہا تھا۔ اُس کے ذہن میں بے شمار الجھاوے تھے جن کی جھلک اُس کے چہرے پر بھی نظر آرہی تھی۔ لیکن بندرگاہ کے علاقے میں داخل ہوتے ہی اسکا چہرہ اس طرح پُر سکون نظر آنے لگا جیسے یک بیک پانی سے بھرے ہوئے بادلوں کے پھٹ جانے کے بعد آسمان پہلے سے بھی زیادہ نکھرا، ستھرا اور نیلا نظر آنے لگتا ہے۔

اس نے ایک ایسی سڑک پر کیڈی روک دی جہاں کئی چھوٹے چھوٹے شراب خانے اور ہوٹل تھے۔ کار جس شراب خانے کے سامنے رکی تھی اس پر "ایور گرین بار" کا بورڈ لگا ہوا تھا۔ فریدی کیڈی سے اتر کر سیدھا بار میں گھستا چلا گیا۔ کاؤنٹر کے پیچھے ایک مریل سا اینگلو انڈین بارٹنڈر موجود تھا۔

"میں ہارڈی سے ملنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے اس سے کہا۔

"آپ کہاں سے آئے ہیں۔"

"جہنم سے۔" فریدی غرایا۔ "تمہیں اس سے کیا غرض۔"

"وہ آج کل کسی سے نہیں ملتا۔"

"تم بتاتے ہو یا میں تمہاری گردن مروڑ دوں۔"

"دیکھئے جناب! شاید آپ اس علاقے سے واقف نہیں ہیں۔" بار ٹنڈر اپنے سرخ سرخ نتھنے پھلا کر بولا۔

"میں جانتا ہوں کہ یہ علاقہ لفنگوں اور بدمعاشوں سے بھرا پڑا ہے لو یہ رہا میرا کارڈ.... اب بتاؤ۔" فریدی نے اپنا تعارفی کارڈ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

بار ٹنڈر نے کارڈ پر نظر ڈالی اور اس کے نتھنے پھولنے اور پچکنے لگے۔

"کرنل صاحب.... بات دراصل یہ ہے۔" وہ ہانپتا ہوا بولا۔"ہارڈی.... اگر میں آپ کو اس کا پتہ بتادوں تو وہ مجھے مارتے مارتے ادھ مرا کر دے گا۔ آج کل اس کا ہاتھ بہت کھلا ہوا ہے۔ جب ادھار لیتا تھا تب تو کچھ مروت بھی کر جاتا تھا۔"

"اچھا.... تو کیا آج کل وہ ادھار نہیں لیتا۔"

"نہیں جناب.... آج کل تو وہ بات بات پر بڑے نوٹ نکالتا ہے۔"

"خیر.... ہوگا.... ہاں تو وہ اس وقت کہاں ہے۔"

"دیکھئے کرنل صاحب.... حضور والا.... میرا نام نہ بتایئے گا۔"

"تم میرا وقت برباد کر رہے ہو۔"

بوڑھا کھانس کر کراہا اور پھر اپنے نتھنے مسل کر کہنے لگا۔"وہ کئی جگہ مل سکتا ہے۔ جناب.... کارمن کے قمار خانے میں.... سنگ سنگ بار میں.... کیفے مارکونی میں۔"

"میں اُس کے گھر کا پتہ پوچھ رہا ہوں.... ڈفر....!"

"گھر.... آہ....!" وہ پھر کراہا اور اس طرح کمر ٹٹولنے لگا جیسے سچ مچ کسی نے اُس پر گھونسوں کی بارش کر دی ہو۔

"کیا تم نہیں بتاؤ گے۔" فریدی نے اس کا گریبان پکڑنے کے لئے ہاتھ بڑھایا اور وہ گھبرا کر پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔"بتاتا ہوں.... وہ سنگ سنگ بار کے اوپر والے فلیٹ میں رہتا ہے۔"

فریدی بار سے نکل کر سڑک پر آ گیا۔ سنگ سنگ بار وہاں سے غالبًا ایک فرلانگ کے فاصلے پر رہا ہوگا جس عمارت میں بار تھا وہ تین منزلہ تھی۔ پہلی منزل پر بار تھا اور اوپر کی دونوں منزلوں پر رہائشی فلیٹ تھے اور ٹھیک بار کے اوپر والے فلیٹ میں ہارڈی رہتا تھا۔

فریدی زینے طے کر کے ہارڈی کے فلیٹ کے سامنے پہنچ گیا۔ دروازہ بند تھا لیکن اندر سے قہقہوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔

فریدی نے ٹھوکر مار کر دروازہ کھول دیا اور اس طرح اچانک کمرے میں داخل ہوا کہ جو جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ کمرے میں چار آدمی تھے میز پر وہسکی کی دو بوتلیں اور چار گلاس موجود تھے۔ سوڈے کی نصف درجن بوتلیں فرش پر ان کے پیروں کے پاس رکھی ہوئی تھیں۔ چاروں آدمیوں کے منہ حیرت سے کھلے اور پھر بند ہو گئے۔

"تم میں سے کوئی.... اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرے گا۔" فریدی غرایا۔ "اپنے ہاتھ میز پر رکھ لو۔"

انہوں نے مشینوں کی طرح اپنے ہاتھ میز پر رکھ دیئے۔

فریدی کے دونوں ہاتھ کوٹ کی جیبوں میں تھے۔

"میں اس کا مطلب نہیں سمجھا کرنل صاحب۔" ہارڈی نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔ یہ ایک خاصے تن و توش کا آدمی تھا۔ عمر چالیس سے اوپر تھی اور سر کا درمیانی حصہ انڈے کے چھلکے کی طرح شفاف تھا۔ جسم پر سیاہ پتلون اور براؤن چمڑے کی جیکٹ تھی۔

"میں تم سے علیحدگی میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

ہارڈی نے اپنے تین ساتھیوں کی طرف دیکھ کر کچھ کہنا ہی چاہا تھا کہ فریدی بولا۔ "نہیں تم میرے ساتھ چلو گے۔"

"اور اگر میں انکار کر دوں تو....!"

دفعتاً فریدی کا رویہ بالکل بدل گیا۔ اُس نے مسکرا کر کہا۔ "مجھے اس بات پر افسوس ہو گا ہارڈی۔" اُس کے موڈ کی تبدیلی پر ہارڈی کے چہرے سے الجھن کے آثار ظاہر ہونے لگے۔

"ہم قطعی دوستانہ فضا میں گفتگو کریں گے۔"

"یہاں بھی آپ کو کافی دوستانہ ماحول ملے گا۔" ہارڈی نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"نہیں.... میرے کہنے پر عمل کرو۔"

"میں کسی کا پابند نہیں ہوں اور پھر آپ مجھ پر کون سا الزام رکھ کر دھونس جما رہے ہیں۔"

"تم نہیں سنو گے۔" فریدی کا موڈ پھر خراب ہو گیا۔

دیکھئے....!اس علاقے میں....!"

قبل اس کے کہ وہ جملہ پورا کرتا۔ فریدی نے آگے بڑھ کر اس کی کرسی میں ٹھوکر مار دی۔ وہ غالباً اس کے لئے تیار نہیں تھا۔ بے خیالی میں توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ ادھر وہ کرسی سمیت فرش پر گرا اور اُدھر اس کے بقیہ ساتھی اچھل کر کھڑے ہوگئے۔ ہارڈی سنبھلنے نہیں پایا تھا کہ فریدی کا مکا اُس کے ایک ساتھی کے جبڑے پر پڑا اور جھونک میں اپنے ساتھ دوسرے کو بھی رگید تا چلا گیا۔ تیسرے کی پنڈلی پر ٹھوکر پڑی اور وہ چیخ کر بیٹھ گیا۔ دوسری ٹھوکر ہارڈی کے پیٹ پر پڑی جو اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

فریدی نے بڑی میز الٹ دی۔

"چلو.... تم تینوں کمرے میں جاؤ۔" فریدی نے ریوالور کی نال سے دوسرے کمرے کے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

"جاؤ....!" وہ پھر غرایا اور وہ چپ چاپ کمرے میں چلے گئے۔ فریدی نے جھپٹ کر اس کا دروازہ باہر سے بند کر دیا اور پھر وہ اگر برق کی سی سرعت سے ایک طرف نہ ہٹ گیا ہوتا تو سوڈے کی ایک بوتل اس کے سر پر پھٹی ہوتی دوسری بوتل بھی اس نے خالی دی۔ تیسری کے لئے ہارڈی جھکا ہی تھا کہ فریدی نے اس پر چھلانگ لگائی۔ دس ہی منٹ میں اس نے ہارڈی کو ادھ مرا کر کے رکھ دیا اور اس میں اتنی طاقت بھی نہ رہ گئی کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو سکتا۔

فریدی نے اُسے ایک کرسی میں دھکیلتے ہوئے کہا۔ "ہاں اب بتاؤ کہ میں اس علاقے میں کیا نہیں کر سکتا۔"

ہارڈی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا اور اُس کے ہونٹوں سے خون کی بوندیں ٹپک ٹپک کر چمڑے کی جیکٹ پر پھیل رہی تھیں۔

"گیارہ نومبر کی رات کو تم گٹاری کے جنگل میں کیا کر رہے تھے۔" فریدی نے اسے تیز نظروں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"گٹاری....!" ہارڈی کے منہ سے ہلکی سی آواز نکلی اور پھر خاموش ہوگیا۔

"تمہیں بتانا پڑے گا۔"

"میں وہاں زبردستی لے جایا گیا تھا۔"

"اور پھر وہاں سے یک بیک غائب کیسے ہو گئے تھے۔"

"میں کچھ نہیں جانتا۔ میری آنکھوں پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔"

"ہوں! لے کون گیا تھا۔"

"دیکھئے! میں بتاتا ہوں۔ کیا آپ مجھے اتنی اجازت دیں گے کہ میں منہ دھو سکوں۔"

"اجازت ہے اور اپنے آدمیوں سے کہو کہ شور نہ مچائیں ورنہ میں بہت بُری طرح پیش آؤں گا۔"

"ہارڈی نے اٹھ کر اپنے آدمیوں کو شور مچانے سے منع کیا اور غسل خانے کی طرف بڑھ گیا۔ فریدی اس کے ساتھ تھا۔ منہ صاف کرنے کے بعد وہ ہونٹ بھینچ بھینچ کر تھوکتا ہوا پھر اسی کمرے میں واپس آگیا۔

"میں آپ کی یہ زبردستی یاد رکھوں گا۔ ہارڈی الماری کھول کر شراب کی بوتل نکالتا ہوا بولا۔ اس نے ایک گلاس میں تین انگل خالص وہسکی لی اور ایک ہی گھونٹ میں چڑھا گیا۔ ہونٹوں کے زخموں میں سوزش ہونے لگی اور وہ منہ بنا کر بولا۔

"آپ بعض اوقات اپنے اختیارات سے غلط فائدہ اٹھاتے ہیں۔"

"اگر میں اس وقت ذرا سا بھی چوکتا تو میری یہی حالت ہوتی جو تمہاری ہے یا شاید تم لوگ مجھے ختم ہی کر دیتے۔"

ہارڈی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ "میں نہیں جانتا کہ وہ گٹاری کا جنگل ہی تھا کیونکہ میری آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ البتہ تاریخ ضرور یاد ہے۔ وہی تاریخ جس کا آپ نے ابھی حوالہ دیا ہے۔"

"میں پوچھتا ہوں تم وہاں کیا کر رہے تھے۔"

"میں نے کوئی غیر قانونی کام نہیں کیا تھا۔ اگر کیا تھا تو بتائیے۔" یک بیک ہارڈی جوش میں آگیا۔

"میں ابھی تھکا نہیں ہوں سمجھے۔" فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔

"اگر میں نے وہاں کوئی غیر قانونی کام کیا تھا تو میرے ہتھکڑیاں لگا دیجئے۔"

"تم وہاں جعلی سکے بنا رہے تھے۔" فریدی نے کہا۔ "میرے پاس ثبوت بھی موجود ہے۔"

"میں کہہ تو رہا ہوں کہ میرے خلاف قانونی کاروائی کیجئے۔"

"قانونی کاروائی تو میں اس وقت کرتا ہوں جب میرے ہاتھ شل ہو جاتے ہیں۔"

"اچھا تو ماریئے مجھے۔ اُس وقت تک مارتے رہئے جب تک کہ میں مر نہ جاؤں۔"

"تمہیں وہاں لے جانے والے کون تھے۔"

"میں نہیں جانتا.... اگر جانتا بھی ہوتا تو کبھی نہ بتاتا۔"

"آج صبح تم کیفے نبراسکا میں کیوں گئے تھے۔" اچانک فریدی نے پوچھا اور ہارڈی کے چہرے پر زردی پھیل گئی۔

"بولو.... تم وہاں کیوں گئے تھے۔"

"کیا آپ یہی سوال ہر اس آدمی سے کریں گے جو آج کیفے نبراسکا گیا ہو۔"

"نہیں یہ سوال صرف تمہارے لئے مخصوص ہے۔ ہر آدمی نے آدھے تولہ سونے کے دو ہزار نہ وصول کئے ہوں گے۔"

ہارڈی کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں اور اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکلا۔

"میرا اندازہ غلط نہیں تھا کہ طاقت کے سکے ڈھالنے میں تمہارے علاوہ اور کسی کا ہاتھ نہیں ہو سکتا۔ تم ایک ماہر سکہ ساز ہو اور سکہ سازی کے جرم میں چھ بار کے سزایافتہ.... میں غلط تو نہیں کہہ رہا ہوں.... اور ہاں یہ بھی بتادوں کہ تم ناجائز سکوں سے بھی غلط فائدہ اٹھا رہے ہو۔ مجھے یقین ہے کہ تمہیں ان سکوں کا مصرف نہ بتایا گیا ہوگا۔ یہ تمہاری اپنی دریافت ہے... بولو.... جواب دو۔"

"اب میں کیا بولوں....!" ہارڈی نے بے بسی سے کہا۔

"اور اگر ان لوگوں کو کسی طرح یہ معلوم ہو گیا کہ تم ان سکوں کے مصرف سے واقف ہو گئے ہو تو وہ تمہیں زندہ نہ چھوڑیں گے۔"

ہارڈی کچھ نہ بولا۔ فریدی چند لمحے اسے گھورتا رہا۔ پھر بولا۔ "تمہیں ان لوگوں کے نا بتانے ہی پڑیں گے۔"

ہارڈی نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ "کرنل صاحب یقین کیجئے میں ان میں سے ایک کی بھی شکل نہیں دیکھ سکا تھا وہ مجھے ایک ہفتے تک روزانہ وہاں لے جاتے رہے ہیں۔"

"جب پٹی کھلتی تھی تو میں خود کو ایک تہہ خانے میں پاتا۔ طاقت کے سکے میں نے بلاشبہ ڈھالے ہیں۔"

"اور پھر ایک دن تم اتفاقاً ان سکوں کے استعمال سے واقف ہوگئے اور تم نے ویسے ہی سکے اپنے لئے بھی ڈھال لئے جب ضرورت ہوتی ہے ایک سکے کے عیوض دو ہزار وصول کر لیتے ہو۔"

"مجھے اس کا اعتراف ہے۔"

"کم از کم اُس آدمی کے متعلق تو بتا ہی سکو گے جس نے تمہیں اس کام پر آمادہ کیا ہوگا۔"

"اوہو! وہ بھی تو کبھی کھل کر سامنے نہیں آیا۔ مجھے ایک خط لکھ کر ایک جگہ بلایا گیا۔ پھر وہاں ایک ایسے آدمی سے ملاقات ہوئی جو اپنا چہرہ سیاہ نقاب میں چھپائے ہوئے تھا پہلے دن مجھے یہ کہہ کر لے جایا گیا کہ مجھے جعلی سکوں کو پرکھنا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ میں ایک پرانا مشاق ہوں۔ میں نے سوچا ممکن ہے کہ وہ لوگ اپنے بنائے ہوئے سکوں کے نقائص معلوم کرنا چاہتے ہوں۔ بہر حال صرف اتنے سے کام کے لئے انہوں نے مجھے دو ہزار کا آفر دیا۔ رقم معقول سے بھی کچھ زیادہ تھی لہٰذا میں ان کے ساتھ چلا گیا۔ جب انہوں نے آنکھوں پر پٹی باندھنے کی تجویز پیش کی تو مجھے حالات کی سنگینی پر یقین آگیا۔ پھر تہہ خانے میں پہنچ کر انہوں نے اپنی صحیح اسکیم پیش کی۔ لیکن مجھ سے کہا گیا کہ وہ سونے کے اسمگلر ہیں اور سونے کو اس مخصوص شکل میں لا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجتے ہیں۔ مجھے یقین کر لینا پڑا۔ کیونکہ بہتیری تجارتی فرمیں اپنا سونا کسی مخصوص شکل میں فروخت کرتی ہیں اور چونکہ ان لوگوں نے خود کو اسمگلر ظاہر کیا تھا اس لئے مجھے اپنے اس طرح لائے جانے پر بھی تعجب نہ ہوا۔ بہر حال میں ان کے سونے کو ایک مخصوص شکل میں ڈھالتا رہا اور وہ مجھے اس کی معقول اجرت دیتے رہے یہی ایک رات کے دو ہزار روپے۔"

ہارڈی خاموش ہو گیا۔ فریدی کی نظر اُس کے چہرے پر تھی۔ اُس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔ "وہ آدمی کون تھا جس کے ذریعے تم اس سکے کے مصرف سے واقف ہوئے۔"

"آپ نے خواہ مخواہ میرے ساتھ زیادتی کی ہے۔ اگر پہلے ہی پوچھتے تو میں سب کچھ بتا دیتا۔"

"خیر پرواہ نہیں۔" فریدی مسکرایا۔ "اب بھی اتنی رعایت کر سکتا ہوں کہ تمہارے خلاف باقاعدہ طور پر کوئی کاروائی نہ کروں۔ ویسے تمہاری اطلاع کے لئے اتنا ضرور کہوں گا کہ تم اب تک ایک خطرناک گروہ کے لئے کام کرتے رہے ہو اور اگر تم اپنی پہلی فرصت میں اس شہر سے کھسک ہی نہ گئے تو مرنے کے بعد تمہیں افسوس کرنے کا موقع بھی نہ ملے گا۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"مطلب.... میں سمجھادوں گا۔ پہلے تم مطلب کی بات کرو۔"

"میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میں چند نقاب پوشوں کی نگرانی میں کام کرتا رہا ہوں۔ میں نے ان کی شکلیں تو نہیں دیکھیں لیکن ان میں سے کسی کی آواز جہاں بھی سنوں گا پہچان لوں گا چنانچہ غالباً پندرہ دن قبل کی بات ہے کہ ان میں سے ایک آواز میرے کانوں میں پڑی اور میں متحیر رہ گیا کیونکہ وہ ایک بہت بڑا آدمی تھا۔ مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔ یہ کیفے نبراسکا کی بات ہے۔ میں نشے میں تھا اور چونکہ مجھے اپنے ایک دشمن کی نظر سے بچنا بھی تھا جو اُس وقت کیفے نبراسکا ہی میں تھا اس لئے میں نے اپنے اوور کوٹ کے کالر اوپر اٹھا رکھے تھے میں دراصل اپنے اس دشمن کے پیچھے تھا لیکن دوسرے آدمی کی آواز سن کر مجھے اس کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔ میں پہلے ہی سے اُن پر اسرار آدمیوں کی طرف سے مشکوک تھا جنہوں نے مجھ سے سونا ڈھلوایا تھا۔ اس لئے مجھے اس آدمی کی آواز سن کر کھوج پڑگئی اور پھر آدمی بھی کون....!"

"وہ کون تھا....!"

"پولو کا مشہور کھلاڑی پرنس جسپال....!"

"آہا....!" فریدی کے چہرے پر تحیر کے آثار ابھرے اور پھر فوراً ہی غائب ہو گئے۔

"مجھے اُن لوگوں کی اس بات پر یقین نہیں آیا تھا کہ وہ سونے کے اسمگلر ہیں اور اپنے سونے کو ایک مخصوص شکل میں ڈھال کر اسمگل آؤٹ کرتے ہیں۔"

"کیوں! تمہیں یقین کیوں نہیں آیا تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"آپ نے مجھ پر بہت ظلم کیا ہے.... میں پہلے ہی....!"

"نہیں....!" فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "پہلے تم ہرگز نہ بتاتے۔ اسی لئے میں نے تمہیں الگ لے جانا چاہا تھا، جو کچھ بھی ہوا ہے اس کے ذمہ دار تم خود ہو۔ اب میرا وقت برباد نہ کرو۔"

ہارڈی نے پھر گلاس میں تین چار انگل خالص وہسکی لی اور چڑھا گیا۔

"آپ نے کیا پوچھا تھا۔ ذرا ایک سگار مجھے بھی دیجئے۔"

فریدی سے سگار لے کر اُس نے سلگاتے ہوئے کہا۔ "ہاں آپ نے شبہے کی وجہ دریافت کی تھی۔ آپ خود فرمایئے۔ اگر آپ نے اُن سکوں کو دیکھا ہے تو آپ خود ہی شبہے کی وجہ معلوم کر سکتے ہیں۔"

"پھر بھی....!"

"ان سکوں پر سرکاری کرنسی کی مہر ہے۔ آپ خود سوچئے۔ اسمگلنگ ویسے ہی ایک غیر قانونی حرکت ہے۔ اگر اتفاق سے وہ سکہ آپکے ہاتھ لگ جائے تو کیا اس کی مہر آپ کو اپنی طرف متوجہ نہ کرلے گی۔ ضرور کرلے گی۔ پھر بھلا چوروں میں اتنی ہمت کہاں کہ وہ کوئی ایسی چیز استعمال کرسکیں جن سے ان کی چوری کا سراغ ملنے میں آسانی ہو۔ میں اسمگلروں کو چور ہی سمجھتا ہوں۔"

"ختم کرو.... تم نے سکے کا مصرف کیسے معلوم کیا۔"

"پرنس جسپال نے تین سکے کیفے نبراسکا میں کیش کرائے تھے۔"

"براہِ راست منیجر سے یا وہ اور کوئی تھا۔"

"جی نہیں! منیجر سے اور سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ منیجر سے کچھ کہنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ آپ نے ایک سکہ دیا اور دو ہزار کے نوٹ ملے۔ چپ چاپ لئے واپس آگئے۔ میں اب تک صرف دس ہزار بنا سکا ہوں۔"

"میرا مشورہ ہے کہ اب یہ سلسلہ ختم کردو اور کچھ دنوں کے لئے یہاں سے تمہارا چلا جانا بہتر ہے۔"

"آخر اب آپ اتنی ہمدردی سے کیوں پیش آرہے ہیں۔" ہارڈی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا اور دوبارہ گلاس میں شراب انڈیلنے لگا۔

"ہاں! ہمدردی کی وجہ بھی ہے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ "بعض اوقات زبان کھلوانے کے لئے مجھے اپنے ہاتھ بھی استعمال کرنے پڑتے ہیں اور اکثر مجھے اس پر افسوس بھی ہوتا ہے۔"

فریدی نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد کیڈی چکنی سڑک پر دوڑ رہی تھی اور فریدی کا ذہن اس سڑک سے بھی زیادہ سپاٹ ہو چکا تھا۔ پرنس جسپال ایک بڑا آدمی تھا پولو میں بین الاقوامی شہرت کا مالک تھا اور ملک کی سربرآوردہ ہستیوں میں شمار کیا جاتا تھا اس سازش کی ابتداء اور انتہا کم از کم اس کے فہم وادراک سے تو بالاتر تھی ہی۔ فی الحال اپنا پروگرام تبدیل کردینے کے باوجود بھی ہائی سرکل نائٹ کلب کی طرف جارہا تھا۔ جہاں اُسے کرائم رپورٹر انور سے ملنا تھا۔

جلاوطن شہزادہ

سرفیروز کی کوٹھی میں بھونچال سا آ گیا تھا۔ چھوٹے سے لے کر بڑے تک نئے سیکریٹری کو بُرا بھلا کہہ رہے تھے۔ لیکن نیا سیکریٹری سرفیروز کی آنکھوں کا تارا تھا۔

پہلے سرفیروز کے مٹی کے کھلونے صرف انکے اپنے کمرے ہی تک محدود تھے لیکن سیکریٹری نے انہیں پوری کوٹھی میں پھیلانے کی اسکیم بنا ڈالی۔ کوٹھی کے سارے نوکر مزید کھلونوں کی خرید پر لگا دیئے اور سرفیروز کی بھتیجیوں کو نہ صرف ناشتہ بلکہ دوپہر کا کھانا بھی تیار کرنا پڑتا۔

کھلونے جمع کرنا سرفیروز کی ہوبی نہیں تھی۔ اسے خبط بھی نہیں کہا جا سکتا تھا۔ کیونکہ اس کے پس منظر میں ایک بہت ہی کلاسیکل قسم کے عشق کی داستان تھی حقیقت خدا جانے لیکن کہا یہی جاتا تھا کہ سرفیروز کو جوانی میں ایک کمہار کی لڑکی سے عشق ہو گیا تھا۔ وہ سڑک کے کنارے مٹی کے کھلونے بیچا کرتی تھی۔

کلاسیکل قسم کے عشق کا مطلب ہی یہی ہوتا ہے کہ اس کا اختتام شادی جیسی غیر رومانی حرکت پر نہ ہو۔ لڑکی کا سراغ یہیں تک مل سکا تھا کہ وہ شہر کے کسی فٹ پاتھ پر کھلونوں کی دوکان لگایا کرتی تھی۔ البتہ سرفیروز کی شروع سے اب تک کی ہسٹری لوگوں کو ازبر تھی۔ وہ پہلے عشق کی ناکامی کے بعد شادیوں پر شادیاں کرتے رہے اور بیویوں پر بیویاں مرتی رہیں۔ آخر بڑھاپے میں زوبی آ ٹکرائی لیکن اس نے کم از کم سرفیروز کی زندگی میں مرنے سے صاف انکار کر دیا تھا اور تقریباً آٹھ سال سے اپنے انکار پر قائم تھی۔

بہر حال جب سرفیروز نے یہ دیکھا کہ وہ مرنے کا نام ہی نہیں لیتی تو اس کا لاشعور شعور پر حاوی ہو گیا اور کمہاری کی لڑکی والا سلسلہ پھر جاری ہو گیا۔ یہ عام آدمیوں کی نہیں بلکہ ماہرین نفسیات کی رائے تھی ورنہ شعور و لاشعور کی بات عام آدمی کیا جانیں اور سچی بات تو یہ ہے کہ کمہار کی لڑکی کا قصہ بھی اُسی وقت ظاہر ہوا تھا جب سرفیروز نے کھلونوں میں دلچسپی لینی شروع کی تھی۔ حقیقت کیا تھی.... خدا جانے۔

اس کا دماغ ہی قریب قریب الٹ گیا تھا لیکن ڈاکٹروں کی رائے کے مطابق پاگل پن خطرناک قسم کا نہیں تھا۔ بعض اوقات تو وہ پاگل بالکل نہیں معلوم ہوتا تھا۔ البتہ پاگل پن کا دورہ

شروع ہونے سے اب تک اس کا کوئی پرائیویٹ سیکریٹری ایک ہفتے سے زیادہ اُس کی ملازمت میں نہیں رہ سکا تھا۔ ان کے بھاگ نکلنے کی وجوہات میں سے ایک یہ بھی تھی کہ جب سر فیروز پر کھلونے بیچنے کا دورہ پڑتا تو نہ صرف وہ خود "دو دو آنے.... چار چار آنے" کی ہانک لگاتا بلکہ سیکریٹریوں کو بھی اس پر مجبور کرتا۔ انہیں بھی اُسی کے ساتھ ہی ساتھ "دو دو آنے.... چار چار آنے کی گردان کرنی پڑتی تھی۔ سنجیدہ لوگ تو اسے برداشت کرنے سے رہے۔ نتیجے کے طور پر انہیں بھاگنا ہی پڑتا تھا.... مگر یہ نیا سیکریٹری جب سے آیا تھا نقشہ ہی بدل گیا تھا۔ اُس نے سر فیروز کو پٹی پڑھائی کہ اسکی تینوں بھتیجیوں کو بھی کھلونے فروخت کرنے میں اسکی مدد کرنی چاہیئے۔

لڑکیوں نے سنا تو انہیں بہت تاؤ آیا مگر کر ہی کیا سکتی تھیں۔ ویسے انہوں نے اس کے خلاف ہاتھ پاؤں تو بہت مارے مگر کامیابی نہ ہوئی۔ پچھلی رات انہیں بھی کافی دیر تک سر فیروز اور اُس کے سیکریٹری کے ساتھ چیخنا پڑا تھا۔

آج صبح ہی سے سر فیروز اور اس کا سیکریٹری بہت زیادہ مشغول تھے۔ دو نوکر مٹی کے کھلونوں سے بھرے ہوئے ٹوکرے اٹھائے ان کے ساتھ تھے اور وہ کوٹھی کی خالی جگہوں کو کھلونوں سے پُر کرتے پھر رہے تھے۔ لڑکیوں میں تو اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اس کی مخالفت کرتیں البتہ انہیں یقین تھا کہ جب یہ طوفان بدتمیزی زوبی کی خواب گاہ کی طرف جائے گا تو دلچسپی کا خاصا سامان مہیا ہو جائیگا۔

زوبی شائد ابھی سو ہی رہی تھی۔ خواب گاہ کا دروازہ اندر سے بند تھا۔

ایک گھنٹے کے اندر ہی اندر زوبی کی خواب گاہ کے علاوہ کوٹھی کے ہر حصے میں مٹی کے کھلونے نظر آنے لگے۔

"اب صرف لیڈی صاحبہ کی خواب گاہ رہ گئی ہے۔" سیکریٹری بڑبڑایا۔

"وہاں بھی رکھیں گے۔" سر فیروز سر ہلا کر بولا اور دونوں نوکر ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرائے۔

بہر حال یہ قافلہ لیڈی زوبی کی خواب گاہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

سر فیروز نے آگے بڑھ کر دستک دی لیکن جواب نہیں ملا۔

سر فیروز پر آہستہ آہستہ جھلاہٹ کا دورہ پڑتا گیا اور اب وہ پوری قوت سے دروازہ پیٹ رہا تھا۔

"کون ہے.... کیا ہے۔" دفعتاً زوبی کی چیخ سنائی دی۔

"دروازہ کھولو....!" سرفیروز نے بھی اکھڑے ہوئے لہجے میں کہا۔

پھر شائد پانچ منٹ بعد دروازہ کھلا زوبی نارنجی رنگ کے لبادے میں ملبوس دروازے میں کھڑی انہیں گھور رہی تھی۔ آنکھیں خمار آلود تھیں اور چہرے پر بڑی دلآویز قسم کی سرخی تھی، سنہرے بال پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے۔

سیکریٹری اپنے ہونٹ مسلنے لگا۔

"کیا ہے....؟" زوبی نے جھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"تم ہٹو تو....!" سرفیروز اسے ایک طرف ہٹاتا ہوا بولا اور کمرے میں چلا گیا۔ زوبی ایک طرف ہٹ کر اسے حیرت سے دیکھنے لگی۔ اس کے انداز سے ایسا مترشح ہو رہا تھا جیسے سرفیروز سے کوئی انہونی حرکت سرزد ہوئی ہو۔

"لاؤ....!" سرفیروز نے ہاتھ ہلا کر نوکروں سے کہا۔

"کیا....؟" زوبی جھلا کر نوکروں کی طرف مڑی۔ "خبردار.... اگر اس کمرے میں کوئی داخل ہوا تو کھال گرادوں گی۔"

"ارے واہ....!" سرفیروز ہاتھ نچا کر بولا۔ "بڑی آئیں کھال گرانے والی۔ سیکریٹری ان گدھوں کی گردن پکڑ کر اندر لاؤ۔"

سیکریٹری آگے بڑھا ہی تھا کہ زوبی نوکروں پر ٹوٹ پڑی۔ کھلونوں کے ٹوکرے فرش پر گرے اور نوکر اچھل کر پیچھے ہٹ گئے۔

"زوبی" سرفیروز چیخا۔ "کیا کر رہی ہو۔"

زوبی پھر کمرے میں گھسی اور چمڑے کا ایک بڑا سا چابک اٹھا کر شائیں شائیں دو تین ہاتھ نوکروں پر جھاڑ دیئے۔ پھر نوکر کہاں ٹھہرنے والے تھے۔ وہ تو بھاگ ہی نکلے لیکن سیکریٹری وہیں کھڑا رہا۔

"مجبوری ہے.... سیکریٹری....!" سرفیروز نے جھینپی ہوئی سی ہنسی کے ساتھ کہا۔

"ہمت نہ ہارنی چاہئے جناب۔" سیکریٹری نے کہا اور اچھل کر پیچھے ہٹ گیا کیونکہ اس کے اس جملے پر زوبی کا ہاتھ اس کی طرف گھوم گیا تھا۔

سیکریٹری نے وار خالی دیا لیکن وہاں سے بھاگا نہیں۔

زوبی نے پھر اس پر حملہ کیا لیکن اس بار پھر اُسے مایوسی ہوئی کیونکہ سیکریٹری بندروں کی طرح پھرتیلا تھا۔

پھر زوبی پر جیسے دورہ سا پڑ گیا۔ وہ بے تحاشا چابک گھمانے لگی۔ لیکن ایک بار بھی چابک سیکریٹری کے جسم پر نہیں پڑا۔ سر فیروز پہلے تو چپ چاپ پلکیں جھپکاتا رہا پھر وہاں سے کھسک گیا۔

ادھر زوبی نے جھلا کر چابک پھینک مارا لیکن سیکریٹری.... وہ اس سے بھی بچ گیا لیکن وہاں سے ہٹا نہیں۔

"چلے جاؤ یہاں سے.... نکلو....!" زوبی ہانپتی ہوئی چیخی۔

"میرا قصور.... لیڈی صاحبہ۔" سیکریٹری نے انتہائی مسکین چہرہ بنا کر کہا۔

"کیا بیہودگی پھیلائی ہے تم نے۔"

"پرائیویٹ سیکریٹری کا اور کیا مصرف ہو سکتا ہے لیڈی صاحبہ۔"

"لیکن تم لوگ کوٹھی کو کباڑ خانہ نہیں بنا سکتے۔"

"میں نے کیا کیا۔ میں تو صرف ہاں میں ہاں ملاتا ہوں۔ تجویز صاحب ہی کی تھی۔ میں نے اُس کی تائید کر دی تھی۔"

"اور پچھلی رات مینڈھے.... اس سے پہلے تو کبھی شاید انہوں نے مینڈھوں کی شکل ہی نہ دیکھی ہو۔"

"مجھے تسلیم ہے! لیکن قصور اس میں بھی میرا نہیں ہے۔ مجھے یاد نہیں کہ کس طرح منہ سے مینڈھا نکلا تھا کہ سر ہو گئے۔ کہنے لگے۔ مینڈھا کیا ہوتا ہے۔ میں نے بتایا تو مصرف پوچھا۔ میں نے کہا لڑائے جاتے ہیں۔ بولے ہم بھی لڑائیں گے بس اتنی بات تھی۔"

"تم کون ہو؟"

"تفضّل حسین....!" سیکریٹری کا جواب تھا۔

"اس سے پہلے کیا کرتے تھے۔"

"فخر کیا کرتا تھا کہ میں نبراسکا یونیورسٹی کا ڈاکٹر ہوں۔"

"تمہیں بات کرنے کی بھی تمیز نہیں۔ تم لیڈی زوبی سے گفتگو کر رہے ہو۔"

"لوگ مجھے عموماً معاف کر دیتے ہیں کیونکہ میں کریک ہوں۔"

"تمہیں احساس ہے کہ تم کریک ہو۔"

"نہیں لوگ کہتے ہیں اور میں انہیں گدھا سمجھتا ہوں۔ میں بالکل کریک نہیں ہوں۔ ہاں ایک مرض مجھ پر ضرور ہے وہ یہ کہ میں بعض اوقات سب کچھ بھول جاتا ہوں۔"

"تمہیں یہاں کس نے بھیجا تھا۔"

"کسی غیبی قوت نے! میں یہی محسوس کرتا ہوں۔ ویسے میں نے اشتہار ضرور پڑھا تھا۔"

"اچھا میرے سامنے سے دفع ہو جاؤ۔"

سیکریٹری نے سلام کے لئے ہاتھ اٹھایا اور وہاں سے چل پڑا۔ راہداری کے موڑ ہی پر سر فیروز سے ملاقات ہو گئی۔ وہ شائد بہت دیر سے وہیں کھڑا ان کی گفتگو سننے کی کوشش کر رہا تھا۔

"کیا کہہ رہی تھیں۔" اس نے پلکیں جھپکائے ہوئے آہستہ سے پوچھا۔

"کہتیں کیا.... میں کوئی ڈرپوک ہوں۔ آخر آپ اتنا ڈرتے کیوں ہیں۔"

"میں ڈرتا نہیں ہوں۔" سر فیروز اپنے کمرے کی طرف جاتا ہوا بولا۔ سیکریٹری بھی اُسی کے ساتھ چلنے لگا۔ "جھگڑا نہیں کرنا چاہتا۔ تم نے دیکھا وہ کتنی بدمزاج ہے۔"

"جی ہاں.... مجھ سے کہنے لگیں کہ تمہیں یہاں سے جانا پڑے گا۔"

"ہرگز نہیں.... میں تمہیں کسی قیمت پر نہیں چھوڑ سکتا۔ تم نہیں جاسکتے۔ اگر تم چلے گئے تو میں مر جاؤں گا۔"

"بھلا میرے رہنے سے آپ کو کیا فائدہ ہے۔"

"نہیں لڑکے.... میں استدعا کرتا ہوں۔ آؤ میرے ساتھ آؤ.... میں پاگل نہیں ہوں۔"

سیکریٹری یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔ وہ کنکھیوں سے سر فیروز کے چہرے کیطرف دیکھ رہا تھا۔ سر فیروز نے اپنے کمرے میں داخل ہو کر سیکریٹری کے بھی اندر پہنچ جانیکے بعد دروازہ مقفل کر دیا۔

اچانک سیکریٹری چونک کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

"یہ آواز کیسی تھی۔" اس نے سر فیروز کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کیسی آواز....!"

سیکریٹری نے ایک بار پھر ہلکی سی کھر کھراہٹ سنی۔

"یہ.... سنا آپ نے....!"

"اماں چھوڑو.... چوہے ہوں گے۔" سر فیروز نے سر ہلا کر کہا۔

لیکن سیکریٹری بدستور اس ریک کی طرف دیکھ رہا تھا جس پر مٹی کے کھلونے کے ڈھیر کے ڈھیر نظر آرہے تھے۔ آواز ان ڈھیروں ہی سے آئی تھی اور وہ آواز قطعی ایسی نہیں تھی جسے چوہوں کی نقل و حرکت کا نتیجہ قرار دیا جاسکتا۔

"ہوگا کچھ.... ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ تم بہت پھرتیلے معلوم ہوتے ہو۔ اس کا ایک چابک بھی تم پر نہیں پڑا۔ کیا تمہیں زوبی سے خوف نہیں معلوم ہوتا۔"

"مجھے اپنے علاوہ اور کسی سے خوف نہیں معلوم ہوتا۔" سیکریٹری بدستور کھلونوں کے ڈھیر کی طرف متوجہ رہا۔

سر فیروز کہہ رہا تھا۔ "وہ ایک خطرناک.... آہم.... دودو آنے.... چار چر آنے.... دودو آنے.... چار چار آنے.... سیکریٹری شروع ہو جاؤ۔"

قبل اس کے کہ سیکریٹری شروعات کرتا۔ کسی نے دروازے پر دستک دی۔

"کون ہے....!" سر فیروز دہاڑا۔

"دروازہ کھولو....!" آواز زوبی کی تھی۔

سر فیروز کا چہرہ سفید پڑگیا۔ سیکریٹری بغور اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ سر فیروز اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی اسے زبردستی دروازے کی جانب دھکیلے لئے جارہا ہو۔

دروازے کے قریب پہنچ کر اس نے بڑی بے بسی سے سیکریٹری کی طرف دیکھا اور پھر جیب سے کنجی نکال کر دروازہ کھول دیا۔

زوبی طوفان کی طرح کمرے میں داخل ہوئی اور سیدھی سیکریٹری کے سر پر پہنچ کر رکی۔

"تم ابھی اور اسی وقت کوٹھی سے چلے جاؤ گے۔" اُس نے کہا۔

"کسی نے بے پر کی اڑائی ہے۔" سیکریٹری لاپروائی سے بولا۔

"گٹ آؤٹ....!" زوبی حلق پھاڑ کر چیخی۔

"پھر کسی وقت غور کروں گا۔"

"سن رہے ہیں آپ۔" وہ سر فیروز پر چڑھ دوڑی۔ "یہ میری توہین کر رہا ہے۔"

"کیوں؟ تم توہین کر رہے ہو۔" سر فیروز نے احمقانہ انداز میں سیکریٹری سے پوچھا۔

"پتہ نہیں....!" سیکریٹری یک بیک چونک کر بولا۔ پھر اپنی آنکھیں مل کر چاروں طرف حیران نظروں سے دیکھنے لگا۔

"میں کہاں ہوں۔" اس کے حلق سے گھٹی گھٹی سی آواز نکلی۔

سچ مچ ایسا معلوم ہونے لگا تھا جیسے وہ ابھی سوتے سوتے جاگا ہو۔

زوبی نے کچھ کہنا چاہا لیکن پھر رک گئی۔ اسکے چہرے پر حیرت کے آثار نظر آنے لگے تھے۔

"میں کہاں ہوں۔" سیکریٹری آہستہ آہستہ بڑبڑاتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ "میں ابھی آرلکچنو میں تھا۔ شیلا کہاں گئی.... شیلا....!"

اس نے کسی شیلا کو آواز دی۔

"نہ جانے کہاں گئی۔ آپ لوگ کون ہیں۔" وہ یکے بعد دیگرے زوبی اور سر فیروز کو گھورنے لگا۔

"اب بیوقوف بناؤ گے۔" زوبی مسکرا پڑی۔

"میں نہیں سمجھا۔" سیکریٹری نے حیرت کا اظہار کیا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ "شیلا آپ کی کون ہے۔ وہ مجھے یہاں کیوں لائی ہے۔ ابھی ہم آرلکچنو میں ناشتہ کر رہے تھے۔"

اس نے پھر شیلا کو آواز دی۔

"تم میرے سیکریٹری ہو.... کیا نام.... تفضّل حسین....!"

"کیا بکواس ہے! میں داراب ہوں۔ شہزادہ داراب.... اوہ یہ تو کھلونوں کی دوکان معلوم ہوتی ہے۔"

"تم کہاں کے شہزادے ہو۔"

"بخارا کا جلاوطن شہزادہ.... داراب....!"

"کیا اب تم ہمیں اُلو بناؤ گے۔" زوبی تحقیر آمیز انداز میں مسکرائی۔

"زوبی.... جاؤ.... یہاں سے.... خدا کے لئے جاؤ۔" سر فیروز نے کہا۔ وہ کچھ خوفزدہ سا نظر آنے لگا تھا۔

"خاموش رہو۔" زوبی نے اُسے ڈانٹ دیا۔ "یہ کوئی بدمعاش معلوم ہوتا ہے۔ اسے پولیس کے حوالے کروں گی۔"

"کیا کہا تم نے۔" سیکریٹری مٹھیاں بھینچ کر بولا۔ اس کی پلکیں تک نہیں جھپک رہی تھیں اور وہ زوبی کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ زوبی اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔

"تم لوگ مجھ سے کوئی ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتے ہو۔" سیکریٹری کی چبھتی ہوئی سی آواز کمرے کے سناٹے میں گونجی۔ "اسی لئے تم مجھے یہاں لائے ہو۔ اس سے پہلے بھی ایک بار ایک آدمی نے مجھے شراب پلا کر مجھ سے دس ہزار کے چیک پر دستخط لئے تھے۔ لیکن اس وقت میری چیک بک میری جیب میں نہیں ہے۔"

وہ اپنی جیبیں ٹٹولنے لگا۔

"زوبی جاؤ.... خدا کے لئے جاؤ۔" سر فیروز زوبی کو شانوں سے پکڑ کر دروازے کی طرف دھکیلنے لگا۔ وہ اب خاموش ہو گئی تھی اس کے ہونٹوں سے احتجاجاً کچھ جملے نکلے لیکن کسی کی سمجھ میں نہیں آسکا کہ اس نے کیا کہا تھا۔

سیکریٹری اب بھی پتھر کے بت کی طرح وہیں کھڑا تھا۔

"کیا بات ہے! تم کون ہو۔"

"شہزادہ داراب....!"

"مذاق چھوڑو۔ تم بڑے عمدہ آدمی معلوم ہوتے ہو۔ تم نے اسے سچ مچ ڈرا دیا۔ ورنہ وہ شیطان سے بھی نہیں ڈرتی۔"

"وہ کون ہے، جو مجھ سے اتنی بدتمیزی سے پیش آئی تھی۔ میں ایک جلاوطن شہزادہ ضرور ہوں، لیکن میرے پاس اتنی دولت ضرور ہے کہ میں آدھا شہر خرید سکتا ہوں۔"

"وہ.... مم.... میری.... بیوی ہے.... تم میرے سیکریٹری ہو۔ ہاں شروع ہو جا، دو دو آنے.... چار چار آنے.... دو دو آنے چار چار آنے۔" لیکن سیکریٹری بدستور خاموش کھڑا رہا۔

سر فیروز جھنجھلا گیا۔ "ختم کرو یار.... اب وہ نہیں آئے گی۔"

"تم بھی بدتمیزی سے پیش آرہے ہو۔" سیکریٹری نے تلخ لہجے میں کہا۔ "میں اسے نہیں برداشت کر سکتا۔ دروازہ کھولو۔ میں باہر جاؤں گا۔ مجھے جانے دو۔"

سیکریٹری آگے بڑھا۔ لیکن دفعتاً اس کے قدم لڑکھڑا گئے۔ اس طرح لڑکھڑائے کہ اُسے رکنا پڑا۔ اس کا جسم بڑی شدت سے کانپنے لگا تھا۔ جسم کا کوئی حصہ ایسا نہیں تھا جس پر رعشہ طاری

نہ ہو۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ دھڑام سے فرش پر گرااور بیہوش ہو گیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد بیہوش سیکریٹری کے گرد خاصی بھیڑ اکٹھا ہو گئی۔ زوبی.... سر فیروز کی بھتیجیاں! کوٹھی کے سارے ملازمین۔

"کیا خیال ہے؟" زوبی سر فیروز کے چہرے کے قریب ہاتھ نچا کر بولی... "سب مکاری ہے۔"

"خدا سے ڈرو....!" سر فیروز نے کہا۔

"فضول باتیں نہ کیجئے۔ میں اسے دیکھ لوں گی۔ قبر تک جو پیچھا نہ چھوڑوں۔"

"کیا کرو گی تم....!" سر فیروز غصے میں کانپنے لگا۔

"میں اسے اسی حال میں کسی ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں گی۔"

بیچارے سیکریٹری کی روح فنا ہو گئی۔ وہ سوچنے لگا کہ اب پول کھلنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔

"کسی ماہر کے پاس لے جاؤں گی۔" زوبی پھر بولی۔ "ڈاکٹر شوکت سے بہتر کون ہو گا۔ وہ میرا ملاقاتی بھی ہے۔"

ڈاکٹر شوکت کا نام سن کر سیکریٹری کی جان میں جان آئی۔ ورنہ وہ تو سوچ چکا تھا کہ اب اُسے یہ ڈھونگ ختم کر دینا چاہئے۔ ڈاکٹر شوکت کے نام پر وہ مطمئن ہو گیا۔ وہ جانتا تھا کہ ڈاکٹر شوکت اپنے مریضوں کا معائنہ تنہائی میں کرتا ہے اور اس وقت کوئی نرس بھی مخل نہیں ہو سکتی۔

"تم خواہ مخواہ....!" سر فیروز بڑبڑا کر رہ گیا۔

"میں کچھ نہیں سننا چاہتی۔" زوبی نے سخت لہجے میں کہا۔ پھر نوکروں کی طرف دیکھ کر بولی۔ "ایک اسٹریچر لاؤ۔"

دو نوکر کمرے سے چلے گئے۔ زوبی بڑبڑاتی رہی۔ "مجھے یقین ہے کہ یہ سب مکاری ہے۔ اگر ڈاکٹر شوکت نے بھی یہی رائے ظاہر کی تو میں اسے پولیس کے حوالے کر کے ہی واپس آؤں گی۔"

سر فیروز کے احتجاج کے باوجود بھی وہ اسے اسٹریچر پر لدوا کر لے گئی۔ اسٹریچر ایک بڑی سی وین میں رکھ دیا گیا۔ دو نوکر اسٹریچر کے قریب بیٹھ گئے اور زوبی خود ہی وین کو ڈرائیو کرتی ہوئی ڈاکٹر شوکت کے ہسپتال تک لے گئی۔

یہ ذہنی امراض کے ماہر ڈاکٹر شوکت کا ذاتی ہسپتال تھا۔

ڈاکٹر شوکت نے مریض کے حالات سنے اور ایک نرس کے ساتھ اُسے اسٹریچر سمیت

آپریشن تھیٹر میں بھجوادیا۔

"ڈاکٹر....!" زوبی نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ وہ بیہوش نہیں ہے۔"

"پھر....!"

"بنا ہوا ہے۔"

"خیر میں ابھی معلوم کئے لیتا ہوں۔ پندرہ منٹ بعد آپ کو اسکے متعلق بہت کچھ بتا سکوں گا۔"

ڈاکٹر شوکت اسے انتظار کرنے والوں کے کمرے میں چھوڑ کر آپریشن تھیٹر کی طرف چلا گیا۔ مریض میز پر چت پڑا تھا اور نرس اُسے گھور رہی تھی۔ ڈاکٹر کے آتے ہی وہ باہر چلی گئی۔ دروازہ جو اسپرنگ پر تھا خود بخود بند ہو گیا۔

ڈاکٹر شوکت نے مریض کی نبض پر انگلیاں رکھی ہی تھیں کہ اس نے آنکھیں کھول دیں اور ساتھ ہی ہونٹوں پر انگلی رکھ کر ڈاکٹر کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

ڈاکٹر حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"میں حمید ہوں.... کیپٹن حمید۔" مریض نے آہستہ سے کہا۔

"ارے.... حمید.... کیوں....؟" ڈاکٹر شوکت متحیرانہ انداز میں بولا۔

"یہ سب کچھ ایک کیس کی تحقیقات کے سلسلے میں ہے۔ تم فریدی صاحب کو فون کر کے اپنا اطمینان کر سکتے ہو۔ لیڈی زوبی کو یقین دلادو کہ میں واقعی بیہوش ہوں۔"

"مگر میں اسے مرض کیا بتاؤں گا۔"

'ڈوال پرسنالٹی.... دوہری شخصیت.... اس میں آسانی یہ ہو گی کہ میں خود بخود ہی ہوش میں آؤں گا۔"

"اوہو! تم اس مرض کے متعلق جانتے ہو۔" ڈاکٹر شوکت مسکرایا۔

"ہاں.... آں.... ہم لوگوں کو سب کچھ جاننا پڑتا ہے.... اچھا.... تو ٹھیک ہے نا۔"

"اگر تم سچ بول رہے ہو اور لیڈی زوبی پر اس طرح ڈورے ڈالنے کا ارادہ نہیں ہے تو....!"

"یقین کرو دوست.... اگر فریدی صاحب اس سے انکار کر دیں تو تم بعد میں بھی اُسے مطلع کر سکتے ہو۔ ویسے بھی شادی شدہ عورتوں سے عشق کرنا میرے اصول کے خلاف ہے۔"

"اچھا...." ڈاکٹر شوکت اسے دوبارہ لٹاتا ہوا بولا۔

پندرہ منٹ بعد اس نے زوبی کو مطلع کیا کہ مریض سچ مچ بیہوش ہے۔

"مرض کی نوعیت کیا ہے۔" زوبی نے پوچھا۔

"دوہری شخصیت۔"

"یہ کیا بلا ہے۔"

"ایک ذہنی مرض! آدمی سوتے سوتے بیدار ہو کر اپنی پچھلی شخصیت کے بارے میں سب کچھ بھول جاتا ہے اور وہ اُس وقت ایک بالکل ہی الگ شخصیت کا مالک ہوتا ہے۔ اکثر یہ کیفیت کئی کئی گھنٹوں تک قائم رہتی ہے اور پھر دوسری بار کی نیند اسے پھر اسکی پرانی ذہنی حالت میں واپس لے آتی ہے اور وہ اس نیند سے بیدار ہونے پر اپنی دوسری شخصیت کے بارے میں سب کچھ بھول جاتا ہے۔"

"مگر اُس نے تو جاگتے ہی جاگتے خود کو شہزادہ کہنا شروع کر دیا تھا۔"

"ایسا بھی ممکن ہے کہ کسی قسم کے ذہنی انتشار کے عالم میں بھی اس قسم کا دورہ پڑ سکتا ہے۔ مگر ایسا بہت کم ہوتا ہے اگر جاگتے ہی میں دورہ پڑا تھا تو یہ کیس میرے لئے بہت زیادہ دلچسپ ثابت ہوگا۔ آپ انہیں ہوش کی حالت میں بھی کسی دن میرے یہاں ضرور لائیے گا.... اور ہاں دیکھئے۔ یہ بیہوشی بالکل نیند ہی کی طرح ختم ہوگی۔ طبی تدابیر سے ہوش میں لانے کی کوشش نہ کیجئے گا ورنہ مریض کی زندگی بھی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔"

روشن دان

ہائی سرکل نائٹ کلب میں کرائم رپورٹر انور کرنل فریدی کا منتظر تھا۔ انور ایک جوان سال اور ذہین آدمی تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جن کے متعلق یہ کہنا دشوار ہوتا ہے کہ کب کیا کر گزریں گے۔ بظاہر وہ ایک مقامی اخبار کا کرائم رپورٹر تھا لیکن روزی کا انحصار محض اسی پیشے پر نہیں تھا۔ ورنہ وہ رئیسانہ ٹھاٹھ سے زندگی کیسے بسر کر سکتا۔ دراصل اس کی آمدن کا ذریعہ راشی قسم کے پولیس آفیسرز تھے۔ انور ان کی کمزوریوں سے واقف تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اس کا بھی "حصہ" نکالنے پر مجبور تھے۔ ویسے وہ ہمیشہ اس تاک میں رہتے تھے کہ کسی طرح انور سے بدلہ لیں۔ لیکن ابھی تک تو انہیں موقع نہیں مل سکا تھا۔ دشواری تو یہ تھی کہ وہ اسے کسی کیس میں پھانس کر عدالت میں

بھی نہیں پیش کر سکتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ایسا کرنے پر الٹا وہ خود ہی نقصان اٹھا جائیں گے۔ انور ان کے خلاف ایسے ایسے رازوں کا انکشاف کرتا کہ انہیں جان چھڑانا مشکل ہو جاتا۔

صرف فریدی ہی ایسا تھا جس کے آگے وہ سر نہیں اٹھا سکتا تھا اور صحیح معنوں میں اس کی عزت کرتا تھا۔ لیکن اس لئے کہ فریدی ایک ذمہ دار آفیسر تھا۔ بلکہ یہاں بھی اس کی خود سری آڑے آتی تھی اور وہ اس طرح اپنے دل کو سمجھا دیا کرتا تھا کہ فریدی ایک ذہین ترین آدمی اور پختہ کردار کا مالک ہے اسی لئے وہ اس کی عزت کرتا ہے۔

فریدی انور کی صلاحیتوں سے بخوبی واقف تھا اور وہ ایک نہیں درجنوں بار اس سے بہت اہم قسم کے کام لے چکا تھا۔ بعض حالات میں اپنے ماتحتوں سے زیادہ انور پر اعتماد کرتا تھا۔

فریدی نے اُسے موجودہ کیس کی تفاصیل سے آگاہ رکھا تھا اور وہ اس میں بھی انور سے کام لینا چاہتا تھا۔ فریدی دیئے ہوئے وقت سے پندرہ منٹ بعد نائٹ کلب پہنچا۔

"تمہیں انتظار کرنا پڑا۔"

"کوئی بات نہیں۔" انور مسکرایا۔

"حالات سنگین ہوتے جا رہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ بہت بڑے بڑے لوگ اس تنظیم سے تعلق رکھتے ہیں۔ کنور جسپال سے تو تم واقف ہی ہو گے۔"

"جی ہاں! اچھی طرح۔"

"وہ بھی ہے۔"

"تب تو....!"

"ہاں ہاں! میں سمجھتا ہوں۔" فریدی سگار سلگاتا ہوا بولا۔ "ابھی تک صرف دو کا سراغ مل سکا ہے۔ لیڈی زوبی اور کنور جسپال....!"

"زوبی....!" انور بڑبڑایا۔ "ہاں.... ہو سکتا ہے.... حمید تو شائد وہیں ہے۔"

"میں نہیں جانتا کہ وہ کیا کرے گا۔ آج سہ پہر کو ڈاکٹر شوکت کا فون آیا تھا.... زوبی حمید کو بیہوشی کی حالت میں ہسپتال لے گئی تھی۔"

"بیہوشی کی حالت میں۔"

"ہاں.... غالباً کوئی پلاٹ....!" فریدی مسکرایا۔ "دوہری شخصیت والا ڈرامہ۔ اس نے

ڈاکٹر شوکت کو تنہائی میں بتایا کہ وہ دوہری شخصیت کا مظاہرہ کرنا چاہتا ہے۔"

"اس کی ضرورت ہی کیوں پیش آئی۔"

"پتہ نہیں! حمید احمق نہیں ہے لیکن بے صبرا ضرور ہے۔ جلد بازی میں اکثر بنے بنائے کام بگاڑ دیتا ہے۔"

"میری رائے ہے کہ اسے وہاں سے ہٹا دیجئے۔"

"کیوں....!"

"اب یہ بھی بتاؤں۔" انور مسکرایا۔ "لیڈی زوبی عورت ہے۔ کم عمر ہے اور حسین بھی۔"

"چھوڑو....!" فریدی بُرا سا منہ بنا کر بولا۔ "تم حمید کو غلط سمجھے ہو۔ وہ ان لوگوں میں سے ہے جو خواہ مخواہ اپنی بے راہ روی کا پروپیگنڈہ کیا کرتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت اس کی آدھی بھی نہیں ہوتی۔ خیر اس کی بحث چھوڑ دو۔ میں کنور جسپال کے متعلق بہت کچھ سوچ رہا ہوں۔ کیا تم بتا سکو گے کہ وہ اس وقت کہاں ملے گا۔"

"اس حد تک اس سے واقفیت نہیں رکھتا۔" انور بولا۔

"اچھا تو آؤ۔" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "کیا موٹر سائیکل پر آئے ہو۔"

"جی ہاں....!"

"اسے یہیں چھوڑ دو.... واپسی پر لے لینا۔"

وہ دونوں کیڈی میں بیٹھ کر کلب کی کمپاؤنڈ سے باہر آئے۔ پھر کچھ دیر چلنے کے بعد فریدی نے کیڈی ایک پبلک فون بوتھ کے قریب روک دی۔

دونوں اتر کر بوتھ میں داخل ہوئے۔ فریدی نے مشین میں سکہ ڈال کر کسی کے نمبر ڈائیل کئے۔

"ہیلو....!" وہ ماؤتھ پیس میں بولا۔ "کیا کنور صاحب موجود ہیں.... اوہ.... کیا اس وقت ملنا پسند کریں گے.... اوہ.... اچھا.... کل کسی وقت.... خیر.... کیا وقت دیں گے.... گیارہ بجے...اوہ...اچھا...دیکھئے سیکریٹری صاحب میرا نام نوٹ کر لیجئے.... کیپٹن اجیت کمار.... نہیں کنور صاحب...مجھ سے واقف نہیں ہیں...میں خود ان سے ملنا چاہتا ہوں...اچھا شکریہ۔"

فریدی نے ریسیور ہک میں لگا دیا۔ وہ باہر آ گئے۔

"صرف پندرہ منٹ....!" فریدی کیڈی کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ "وہ پندرہ منٹ بعد کہیں

جائے گا.... آؤ....!"

کیڈی پھر چل پڑی۔ اب اس کا رخ کنور جسپال کی اقامت گاہ سمر گھاٹ پیلس کی طرف تھا۔ کنور جسپال ریاست سمر گھاٹ کا حکمران تھا لیکن آئینی تبدیلی کے بعد ریاست تو کسی ضلعے میں ضم ہو گئی تھی اور وہ خود زیادہ تر شہر ہی میں رہنے لگا تھا لیکن اس کی سوشل پوزیشن میں اب بھی کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ دولت اتنی تھی کہ پشت ہاپشت اطمینان کی زندگی بسر ہو سکتی تھی۔

فریدی نے اپنی کار سمر گھاٹ پیلس سے ایک فرلانگ ادھر ہی روک دی۔ کیڈی سڑک پر تھی اور سمر گھاٹ پیلس کا صرف پھاٹک نظر آرہا تھا۔ کیونکہ پھاٹک پر ایک کافی قوت والا بلب روشن تھا۔

انہیں وہاں پہنچے مشکل سے آدھا منٹ گذرا ہو گا کہ پھاٹک سے ایک کار نکل کر داہنی جانب والی سڑک پر مڑ گئی۔

کیڈی بھی آگے بڑھی۔ سنسان سڑک پر دو کاریں آگے پیچھے دوڑ رہی تھیں۔

"کیا یہ ضروری ہے کہ اس کار میں جسپال ہی ہو۔" انور بڑبڑایا۔

"اگر اس کے معمولات میں فرق نہیں آیا تو وہ جسپال ہی ہو سکتا ہے گاڑی رولس روئیس ہے اور اس گاڑی کو ہمیشہ وہ خود ہی ڈرائیو کرتا ہے۔"

انور پھر کچھ نہیں بولا۔

تقریباً بیس منٹ بعد اگلی کار ایک جگہ رک گئی۔ کیڈی بھی رکی اور اب دونوں کاروں میں اتنا ہی فاصلہ تھا جتنا کہ تعاقب کے دوران میں رہا تھا۔

"ارے.... برکلے ہاؤز....!" دفعتاً فریدی بڑبڑایا۔ "وہ برکلے ہاؤز میں گیا ہے مگر کل تک تو یہ عمارت خالی تھی۔"

وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا پھر آہستہ سے بولا۔ "مگر شائد یہ عمارت سر فیروز ہی کی ہے جسے وہ کرائے پر دیتا رہتا ہے۔"

"آپ کو کیسے علم ہے کہ یہ عمارت کل تک خالی تھی۔" انور نے پوچھا۔

"کیا تم ڈاکٹر ہڈسن والا[1] کیس بھول گئے۔ وہ اسی عمارت میں مقیم تھا اور پھر اُس کی گرفتاری کے بعد سے مقدمے کے اختتام تک یہ عمارت سرکاری تحویل میں رہی ہے اور میرا خیال ہے کہ

---

[1] اس کیس کے لئے "لاشوں کا سوداگر" جلد نمبر 15 ملاحظہ کیجئے۔

پرسوں تک اس پر سرکاری قبضہ رہا ہے۔"

"پھر.....!"

"پھر کیا.... بعض اوقات تم بھی حمید ہی کی طرح گدھے ہو جاتے ہو۔ یہ عمارت سر فیروز کی ہے اور زوبی اس کی بیوی ہے۔ زوبی پہلے ہی سے مشتبہ ہے اور اب جسپال روشنی میں آیا ہے۔ چلو اترو۔ ہمیں کسی نہ کسی طرح عمارت میں داخل ہی ہونا پڑے گا۔ وہاں کمپاؤنڈ میں روشنی بھی نظر آ رہی ہے۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ جسپال وہاں چوری چھپے نہیں داخل ہوا۔"

وہ دونوں کیڈی سے اتر کر سڑک پر کھڑے ہو گئے۔ فریدی کچھ سوچ رہا تھا۔ اچانک وہ ایک پتلی سی سڑک پر مڑ گیا۔

لیکن وہ دونوں اس بات سے بے خبر تھے کہ ایک تیسرا آدمی بھی ان کے پیچھے چل رہا ہے۔ یہ پتلی سی سڑک دو عمارتوں کے درمیان زیادہ روشن نہیں تھی اور چلنے والا بھی اسی ڈھنگ سے چل رہا تھا کہ تعاقب کا گمان تو ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

فریدی اور انور برکلے ہاؤز کی پشت پر پہنچ گئے۔

"تم یہیں ٹھہرو۔" فریدی آہستہ سے بولا۔ "میں اوپر جاؤں گا۔"

عمارت کی پشت کی دیوار پر گرمیوں میں پھیلنے والی جنگلی بیلوں کی خشک اور موٹی جٹائیں جھول رہی تھیں۔ فریدی نے ان میں سے ایک پر زور لگا کر اس کی مضبوطی کا اندازہ کیا اور پھر بے تکان اسی کے سہارے اوپر چڑھتا چلا گیا۔ انور کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اس نے جوتے بھی نہیں اتارے تھے۔ وہ ایک پل کیلئے اوپر تاروں بھرے آسمان کے پیش منظر میں دکھائی دیا اور پھر غائب ہو گیا۔

انور کی پشت دیوار سے لگی ہوئی تھی اور وہ سیدھا کھڑا اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ رہا تھا۔ بہت دور کہیں کہیں روشنی کے دھبے سے نظر آ رہے تھے اور جھینگروں کی مسلسل جھائیں جھائیں کان پھاڑ رہی تھی۔

وہ آدمی جو فریدی اور انور کا تعاقب کرتا ہوا یہاں تک پہنچا تھا اُس سے تھوڑے ہی فاصلے پر زمین پر سینے کے بل رینگ رہا تھا۔

❁

برکلے ہاؤز کے ایک کمرے میں پرنس جسپال، سیٹھ گنگولی اور سر جگدیش بیٹھے ہوئے تھے اور

زوبی جو پہلے سے کہیں زیادہ حسین نظر آ رہی تھی میز پر دونوں ہاتھ ٹیکے آگے کی طرف جھکی ہوئی اُن کے چہروں کو بغور دیکھ رہی تھی۔

"کیا اس اسکیم میں کوئی خامی ہے۔" اُس نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"نہیں خامی تو نہیں ہے.... مگر....!" سیٹھ گنگولی کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"نہیں اگر آپ کو اس سے اختلاف ہے تو بے دھڑک اظہار خیال کیجئے۔" زوبی نے کہا۔

"اختلاف تو نہیں ہے مگر میں سوچتا ہوں کہ اس کا اثر تجارتی پالیسی پر کیا پڑے گا۔"

"ٹھیک تو ہے گنگولی صاحب۔" کنور جسپال بولا۔ "اگر دونوں ملکوں کے تعلقات خراب ہو جائیں تو تجارتی پالیسی کا اعلان ہر گز نہ ہو سکے گا کیونکہ اس کا انحصار سراسر اُسی ملک پر ہے۔"

"آہا.... اب میں سمجھ گیا۔"

"مگر لیڈی زوبی آپ نے جو کام میرے سپرد کیا ہے۔" کنول جسپال جملہ ادھورا ہی چھوڑ کر کچھ سوچنے لگا پھر آہستہ سے بولا۔ "اچھا خیر.... اسے بہر حال ہونا ہی ہے، خواہ کوئی صورت ہو۔ میری طرف سے مطمئن رہئے۔"

"اور میں بھی یقین دلاتا ہوں۔" سر جگدیش بولا۔

البتہ سیٹھ گنگولی کے چہرے پر اب بھی تشویش کے آثار تھے۔ زوبی نے اس پر اچٹتی سی نظر ڈال کر کہا۔ "کیا آپ کچھ ہچکچاہٹ محسوس کر رہے ہیں۔"

"ہاں....! میں محسوس کر رہا ہوں کہ اُسے دھوکہ دینا آسان نہیں۔"

"دھوکا....!" زوبی مسکرائی۔ "ارے وہ اسے دھوکا ہر گز نہ سمجھے گا جس ملک کی مخالفت آپ کرانا چاہیں گے، اُس سے تو اجیروں کی یونین پہلے ہی بد ظن ہیں۔ یقین کیجئے کہ سیکریٹری آپ کو اُس دن سے دیوتا سمجھنے لگے گا جب آپ اس کے سامنے یہ اسکیم رکھیں گے تو کچھ تعجب نہیں کہ وہ آپ کو پوجنے ہی لگے.... اور یہ بھی سن لیجئے کہ اگر وہ پکڑا گیا تو کبھی یہ نہ کہے گا کہ وہ آپ کا ورغلایا ہوا تھا۔"

زوبی خاموش ہوگئی۔ کنور جسپال اور سر جگدیش بھی گنگولی کو سمجھانے لگے۔ اور اس نے کافی دیر بعد آمادگی ظاہر کی۔

"اب ایک دوسری بات۔" زوبی نے کہا۔ "یہ آپ لوگوں کی اطلاع کے لئے ہے۔ کنور

شمشاد کو اب تنظیم سے الگ ہی سمجھئے گا۔"

"کیوں....!" سب نے بیک وقت حیرت ظاہر کی۔

"وہ تنظیم سے بد ظن ہو گیا ہے۔"

"تب پھر اُسے زندہ رکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔" جسپال بولا۔

"طاقت کا حکم اسکے برعکس ہے۔ طاقت کا کہنا ہے کہ اب اُس سے کوئی سروکار ہی نہ رکھا جائے۔"

"یہ حکم الجھن میں ڈالنے والا ہے۔" سر جگدیش نے کہا۔

"کیوں! نہیں میرا خیال ہے یہ طاقت کی ایک بہترین تجویز ہے۔ وہ اس طرح تنظیم کو استحکام بخشنا چاہتا ہے۔ یہ چیز تو تنظیم کے استحکام کی طرف اشارہ کرتی ہے اگر ہم اس کے کسی مخالف کو اس کے حال پر چھوڑ دیں۔ خود آپ ہی سوچئے کیا وہ ہمارے خلاف کوئی ثبوت مہیا کر سکے گا۔"

"نہیں! ہمارا خیال ہے کہ وہ ایسا نہیں کر سکے گا۔"

"پھر.... ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ہم اُس کے خون سے ہاتھ رنگیں۔ بس اس کی بے بسی کا تماشہ دیکھتے رہیے۔ یہ تنظیم کے لئے ایک قسم کا امتحان بھی ہے۔ ہمیں خوشی ہو گی اگر وہ تنظیم کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح ہمیں اپنے وہ رخنے بھی بند کرنے کا موقع ملے گا جن پر ہماری نظر بھی نہیں پڑی ہے۔"

"طاقت اس صدی کا بہترین دماغ ہے۔" کنور جسپال نے تحسین آمیز انداز میں کہا۔

"اور لیڈی زوبی کے متعلق کیا خیال ہے۔" سر جگدیش مسکرا کر بولا۔

"یہ ایک ایسی طاقت ہیں کہ دل بے اختیار کھنچے چلے جاتے ہیں۔" کنور جسپال نے کہا اور سیٹھ گنگولی بے ڈھنگے پن سے ہنسنے لگا۔

❁

فریدی نے روشن دان میں خفیف سا درہ کر رکھا تھا اور اس دوران میں اُس نے ان کی گفتگو کا ایک ایک لفظ سنا تھا۔

کبھی کبھی وہ مڑ کر پیچھے کی طرف بھی دیکھ لیتا تھا۔ لیکن اس وقت تو اس کی تمام تر توجہ کمرے ہی کی طرف تھی۔ جس وقت ایک طویل القامت سایہ اس پر جھپٹا تھا فریدی نے اپنے داہنے بازو میں ایک ٹھنڈی سی تکلیف محسوس کی وہ بڑی پھرتی سے مڑا لیکن حملہ آور اپنا کام کر چکا تھا۔ خنجر

اس کے بازو سے نکل کر چھت پر گرا۔ حملہ آور کی گردن اُس کے بائیں بازو میں بھنچی ہوئی تھی لیکن حملہ آور بھی کمزور نہیں معلوم ہوتا تھا۔ اس نے فریدی کی گرفت سے نکلنا چاہا لیکن دوسرے ہی لمحے میں فریدی نے داہنے ہاتھ سے اس کی ناک پکڑ کر اینٹھ دی۔ ساتھ ہی اُس کا سر روشن دان میں ٹھونسنے لگا۔ وہ تو اتفاقاً اس کا ہاتھ اس کی ناک پر جا پڑا تھا۔ ورنہ حملہ آور کو بے بس کرنا اتنا آسان کام نہ ہوتا۔ فریدی نے اسے سینے تک روشندان میں ٹھونس دیا اور پھر اچھل کر بڑی تیزی سے چھت کے اُس سرے کی طرف پہنچا جدھر سے اوپر آیا تھا۔

نیچے اترتے ہی اندھیرے میں کسی چیز سے ٹھوکر لگی اور وہ بوکھلا کر اس پر جھک پڑا۔ کیا وہ انور کی لاش تھی؟ فریدی کے سر میں سیٹیاں سی بجنے لگیں۔ اُس نے انجام کی پرواہ کئے بغیر جیب سے ٹارچ نکالی۔

انور زمین پر اوندھا پڑا گہری گہری سانسیں لے رہا تھا اور اس کے سر کی پشت پر ایک بڑا سا زخم تھا جس سے خون نکل کر چاروں طرف جم گیا تھا۔

فریدی نے ٹارچ بجھا کر جیب میں ڈالی اور انور کو کاندھے پر ڈال کر دوڑنے لگا۔ وہ اپنے بازو کا زخم بھول گیا تھا نہ جانے کس طرح وہ اپنی کار تک پہنچا۔

وہ سب اچھل کر کھڑے ہوگئے۔ انہیں اوپر روشن دان میں ایک آدمی دکھائی دیا جو ان کے خیال کے مطابق ان پر کودنا چاہتا تھا کیونکہ اس کا آدھا دھڑ کمرے میں داخل ہو چکا تھا اور وہ اس طرح اپنے دونوں ہاتھ ہلا رہا تھا جیسے بقیہ جسم کو روشن دان سے نکال کر نیچے آنا چاہتا ہو۔

"ہائیں....!" لیڈی زوبی حیرت سے بولی۔ "یہ تو ضرغام معلوم ہوتا ہے۔"

"ہاں ہے تو وہی....!" کنور جسپال نے آہستہ سے کہا۔ پھر اس نے اسے آواز دی۔ "ضرغام"

اس بڑے کمرے کی چھت عمارت کی دوسری چھتوں سے زیادہ اونچی تھی۔

"ضرغام کے بچو! اوپر آؤ۔" ضرغام چنگھاڑا۔

"اس حرکت کا کیا مطلب۔" سر جگدیش نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "یہ آدمی بہت بدتمیز ہے۔ میں اسے قطعی پسند نہیں کرتا۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ روشندان میں پھنس گیا ہے۔" زوبی نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔

"ویسے وہ اتنا بیوقوف بھی نہیں ہے کہ اس روشندان سے نیچے آنے کی کوشش کرے اور پھر اونچائی کتنی زیادہ ہے۔ شائد کوئی پاگل ہی اوپر سے کودنے کی کوشش کرے۔ کوئی گڑبڑ ضرور ہے سر جگدیش....!"

"کیا تم اوپر نہیں آؤ گے۔" ضرغام پھر غرایا۔

"ہم آرہے ہیں۔" زوبی نے چیخ کر جواب دیا اور ساتھیوں سے بولی۔ "اس کی ناک بھی زخمی معلوم ہوتی ہے.... یہ دیکھئے.... فرش پر خون کی بوندیں۔"

وہ بڑی سراسیمگی کے عالم میں چھت پر پہنچے۔ ضرغام داہنے پیر کا گھٹنا ٹیک کر روشندان سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن بایاں پیر ہلتا بھی نہیں تھا۔ دوسرے پیر کو استعمال کرتا تو کبھی کا اس مصیبت سے نجات پا گیا ہوتا۔

اُن لوگوں نے اُسے کسی نہ کسی طرح روشندان سے نکالا۔

"میرا بایاں ٹخنہ اکھڑ گیا ہے سمجھے!۔ ورنہ میں تمہیں تکلیف نہ دیتا۔" ضرغام نے جھلائے ہوئے لہجے میں "یہاں فریدی تھا۔"

"فریدی....!" سب کی زبان سے بیک وقت نکلا اور پھر وہ اس طرح خاموش ہو گئے جیسے سانپ سونگھ گیا ہو.... وہ ضرغام کو نیچے لائے۔

ضرغام بُری طرح برس رہا تھا۔ "مجھے یقین ہے کہ اس نے تمہاری گفتگو کا ایک ایک لفظ سنا ہوگا کیونکہ وہ آدھے گھنٹے تک اوپر رہا ہے۔"

"لیکن تم ادھر کیسے آنکلے تھے۔" زوبی نے مضمحل آواز میں پوچھا۔

"میں نے قسم کھائی ہے کہ میں اسے مار ڈالوں گا۔ اس وقت ہائی سرکل کلب سے اس کا تعاقب کرتا ہوا یہاں تک پہنچا تھا۔ میں اسے مار ڈالوں گا۔ خدا کی قسم....!"

"فریدی....!" سیٹھ گنگولی کپکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔ "یہ تو بہت بُرا ہوا۔"

"پرواہ نہ کیجئے۔" لیڈی زوبی نے سخت لہجے میں کہا۔ "اگر وہ ہمارا کچھ کر سکتا ہوتا تو بھاگ کیوں جاتا۔ وہ ہمارا کچھ نہیں کر سکتا۔ اس کی بکواس کون سنے گا۔ ہمارے خلاف وہ جو کچھ بھی کہے گا بکواس ہی سمجھی جائے گی۔ ہاں یہ ضرور ہوا ہے کہ اب ہمیں کوئی دوسری اسکیم سوچنی پڑے گی۔

موجودہ اسکیم تو اب کامیاب نہیں ہو سکتی۔"

کمرے میں سناٹا طاری ہو گیا۔

اظہارِ عشق

حمید اپنے کمرے میں بیہوش پڑا تھا۔ اب بھی بیہوش رہنے کی وجہ یہ تھی کہ سر فیروز کسی ایسی بیوہ عورت کی طرح اس کے سر پر مسلط تھا جس کا اکلوتا لڑکا مر گیا ہو۔ حمید کئی بار دل ہی دل میں اسے بے نقطہ سنا چکا تھا۔

تقریباً چار گھنٹے سے اس نے پائپ نہیں پیا تھا اور اب اسکی روح کو بھی جمائیاں آنے لگی تھیں۔

"ابے اب کھسکو بھی اُلو کے پٹھے۔" اس نے ایک بار پھر دل ہی دل میں کہا۔ لیکن سر فیروز کوئی نوجوان لڑکی تو تھا نہیں کہ دل کی زبان سمجھ لیتا۔ وہ بدستور اس کے سرہانے جما رہا۔

آخر تنگ آکر اس نے فیصلہ کیا کہ اب اسے ہوش میں آجانا چاہئے۔ کم از کم چار پانچ گھنٹے تو گذر ہی گئے تھے۔

بہر حال وہ ہوش میں آگیا۔ اس انداز میں آیا جیسے وہ کمرے میں تنہا ہو۔

"شکر ہے.... شکر ہے۔" سر فیروز جلدی سے بولا اور حمید اچھل پڑا۔

"اوہو.... آپ....!" حمید بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا۔ "آپ یہاں....!"

"کچھ نہیں۔ سب ٹھیک ہے۔ تم میرے سیکریٹری ہی ہو نا۔"

"جناب والا....!"

"گڈ.... تو اس کا مطلب یہ کہ اب تم دورے کی حالت میں نہیں ہو۔"

"کیسا دورہ....!" حمید پلکیں جھپکاتا ہوا بولا۔

"سب ٹھیک ہے.... گڈ.... تم شہزادے تو نہیں ہو۔"

"شہزادہ.... میں نہیں سمجھا۔"

"مطلب یہ کہ.... کچھ نہیں سب ٹھیک ہے۔ شروع ہو جاؤ۔ دو دو آنے چار چار آنے۔"

"دو دو آنے.... چار چار آنے۔" حمید نے دہرایا۔

"ویری گڈ.....!" سرفیروز اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ "سب ٹھیک ہے۔"

"میں کچھ بھی نہیں سمجھ سکا جناب۔"

"تم سچ مچ بیہوش ہو گئے تھے یا زوبی کو اُلو بنا رہے تھے۔" اس نے رازدارانہ لہجے میں پوچھا۔

"میں بیہوش! یہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔ ویسے مجھے اپنی اس حرکت پر ندامت ہے کہ آج ناوقت سو گیا۔ امید ہے کہ آپ معاف فرمادیں گے۔"

سرفیروز کے چہرے پر مایوسی کے آثار نظر آنے لگے۔ لیکن یہ کیفیت جلد ہی رفع ہو گئی۔

"اچھا اب تم آرام کرو۔ آج ہم رات بھر مینڈھے لڑائیں گے۔" اس نے کہا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

"رات بھر مینڈھے لڑاؤ گے۔" حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔ "ضرور بیٹے خاں۔ آج کی رات میری ہے۔"

اس نے پائپ میں تمباکو بھری اور اسے سلگا کر آرام کرسی پر دراز ہو گیا۔ اس کا ذہن کچھ نئے پلاٹ مرتب کر رہا تھا مگر دشواری یہ تھی کہ فریدی کا مشورہ لئے بغیر کوئی نیا اقدام ناممکن تھا.... رہ گئی بیہوشی والی حرکت تو وہ ایک ضمنی سی چیز تھی۔

رات کے کھانے کی میز پر سرفیروز سے ملاقات نہیں ہوئی اس نے کھانے سے انکار کر دیا۔ اس کی بھتیجیاں عالیہ، شہرزاد اور نوشابہ موجود تھیں۔ کھانے کے دوران وہ کنکھیوں سے حمید کی طرف دیکھتی رہی تھیں لیکن کوئی کچھ بولی نہیں تھی۔

کھانے کے بعد کافی پیتے وقت عالیہ جو خود کو سب سے زیادہ شریر ثابت کرنے کی کوشش کرتی تھی بولی۔

"بعض لوگ واقعی بہت چالاک ہوتے ہیں۔"

دونوں لڑکیاں چند لمحے اُسے شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ دیکھتی رہیں۔ پھر بولیں۔

"جملے کی وضاحت کرو۔"

"مثلاً.... آپ....!" عالیہ نے حمید کی طرف اشارہ کیا۔

"مثلاً میں...." حمید نے کافی کی پیالی میز پر رکھتے ہوئے بُرا سا منہ بنایا۔ "کیا چالاکی دیکھی ہے آپ لوگوں نے۔"

"کیا دوپہر کی بیہوشی ڈھونگ نہیں تھی۔" عالیہ نے کہا۔

"سرفیروز بھی میری بیہوشی کا حوالہ دے چکے ہیں۔" حمید تشویش آمیز لہجے میں بولا "لیکن ان کی بات کا کیا اعتبار۔ کیا میں حقیقتاً بیہوش ہو گیا تھا۔"

لڑکیاں ہنس پڑیں۔

"دیکھئے.... میں آپ لوگوں سے زیادہ ہنس سکتا ہوں۔ اگر مجھے غصہ آگیا تو آپ ہنستے ہنستے مر جائیں گی.... سمجھیں۔"

"تم خود مرو گے اور بہت جلد مرو گے۔ چچی کا چمڑے کا چابک... ملک الموت سے کم نہیں۔"

"چچی، چمڑا، چابک!" حمید نے قہقہہ لگایا۔ "اور چ سے کیا ہوتا ہے۔ چھچھوندر.... چغد... چمگادڑ.... چور.... چمار.... ہاہا...!"

"اچھا! تم یہ سب کچھ چچی کو کہہ رہے ہو.... اچھا اچھا....!" شہزاد بولی۔

"آپ کا نام بھی چ سے چہرزاد ہونا چاہئے تھا۔"

"نہیں چھچھوندر....!" عالیہ نے دبی زبان سے کہا اور شہزاد اسے دونوں ہاتھوں سے پیٹنے لگی۔

یہ تینوں مختلف والدین سے تھیں اور سرفیروز لاولد ہونے کی بناء پر اپنے بھائیوں کی اولادوں میں سے کسی نہ کسی کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا تھا۔

"ہاں.... ہاں.... ارے.... ارے۔" حمید بیچ بچاؤ کرانے کے لئے کھڑا ہو گیا۔ "حالانکہ لفظ چھچھوندر بہت بُرا ہے لیکن پھر بھی آپ سے استدعا کروں گا کہ محترمہ عالیہ کو معاف کر دیجئے۔"

شہزاد کو سچ مچ غصہ آگیا تھا۔

حمید اس کا اسکریو کستا رہا۔ "اپنی طرف تو دشمنوں کو بھی چھچھوندر نہیں کہتے کیونکہ اس سے ماں کی عزت پر حرف آتا ہے۔ چھچھوندر ہماری طرف اس لڑکی کو کہتے ہیں جس کی ماں کو آوارگی کا طعنہ دینا ہوتا ہے۔"

عالیہ برابر ہنستی رہی تھی۔ حمید کے اس جملے پر اس نے دوبارہ شہزاد کو چھچھوندر کہہ دیا اور شہزاد کا بھرپور ہاتھ اس کے گال پر پڑا۔ بس پھر دونوں لپٹ پڑیں۔ عالیہ نے اس کے بال پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالے۔

نوشابہ انہیں الگ کرنے کی پوری پوری کوشش کر رہی تھی لیکن ان دونوں پر تو جیسے بھوت سوار ہو گیا تھا۔ وہ کسی طرح بھی ایک دوسری کو نہیں چھوڑ رہی تھیں۔

حمید دور ہی کھڑا ہائیں ہائیں کرتا رہا۔

نوشابہ نے بڑی دشواری سے انہیں الگ کیا اور شہزاد کو دھکیلتی ہوئی اس کے کمرے کی طرف لے جانے لگی۔ عالیہ پھر اس کی طرف جھپٹ رہی تھی۔ حمید درمیان میں آگیا۔

"تم ہٹ جاؤ۔" عالیہ اسے دھکیلتی ہوئی بولی۔

"آپ میری لاش ہی پر سے گذر کر محترمہ شہزاد کی طرف جاسکیں گی۔"

"محترمہ....!" عالیہ نے دانت پیس کر سخت لہجے میں کہا۔

"چلئے.... چلئے....!" حمید اس کا بازو پکڑ کر کھینچتا ہوا بولا۔ "دل تو نہیں چاہتا کہ آپ کو آپ کے کمرے تک پہنچاؤں مگر آپ خطرناک ہو گئی ہیں۔"

وہ اسے اس کے کمرے تک پہنچا کر پھر ڈرائینگ روم میں واپس آگیا کیونکہ ابھی اسے کافی کا کپ اور پینا تھا۔ عالیہ اپنے کمرے کی طرف جاتے وقت واپسی کے لئے مچل تو ضرور رہی تھی لیکن اس کے اس رویے میں جان نہیں معلوم ہوتی تھی۔ کیونکہ وہ جسمانی طاقت کے اعتبار سے شہزاد سے کمزور تھی۔

نوشابہ بھی ڈرائینگ روم میں واپس آکر اپنے لئے کافی کا دوسرا کپ تیار کرنے لگی۔ وہ حمید کو عجیب نظروں سے گھور رہی تھی۔

"تم آخر کرنا کیا چاہتے ہو۔" اس نے اس سے پوچھا۔

"میں یہاں رہنا چاہتا ہوں۔" حمید نے بڑی معصومیت سے جواب دیا۔ "دوسرے سیکریٹریوں کی طرح بھاگوں گا نہیں۔"

"وہ تو میں دیکھ رہی ہوں۔ تم نہیں بھاگو گے خواہ کوٹھی ہی ویران ہو جائے۔"

"یہاں میرا دل لگ گیا ہے۔"

"لگنا بھی چاہئے۔ لیکن تم چچا جان سے کوئی رقم نہ وصول کر سکو گے۔ حساب کتاب سب چچی جان کے ہاتھ میں رہتا ہے۔"

"ہائیں تو کیا میں بے تنخواہ کام کر رہا ہوں۔"

"نہیں.... تنخواہ تو ملے ہی گی۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ تم اوپر سے کچھ نہ اینٹھ سکو گے۔"

"کیا آپ مجھے کوئی فراڈ سمجھتی ہیں۔"

"تم نے ان دونوں کو کیوں لڑا دیا۔"

"آہ.... یہ نہ پوچھئے۔" حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"کیوں....!"

"جب میں....!" وہ رک رک کر بولا۔ "آپ کی .... طرف دیکھتا ہوں.... تو وہ دونوں.... مجھے گھورنے لگتی ہیں۔"

"کیا مطلب....!"

"اب.... مطلب.... کچھ نہیں.... شائد میں پاگل ہو گیا ہوں۔ اگر نہیں ہوا تو ہو جاؤں گا.... یقیناً مجھے بھاگنا پڑے گا۔"

"میں پوچھ رہی ہوں کہ تم نے ان دونوں میں جھگڑا کیوں کرا دیا۔"

"کیا آپ مجھے کافی نہ دیں گی۔ میں دنیا کا مظلوم ترین انسان ہوں۔"

"تم.... نہ جانے کیا ہو۔ اگر اس وقت بیہوش نہ ہو جاتے تو چچی....!"

"ہاں کیا.... پھر وہی بیہوشی۔ کیا میں حقیقتاً کبھی بیہوش ہوا تھا۔"

"پتہ نہیں.... میرے دماغ میں اتنی قوت نہیں ہے کہ تم سے گفتگو کر سکوں۔" اس نے کافی بنا کر حمید کی طرف کپ کھسکا دیا۔

"شکریہ.... لیکن.... آپ بار بار چچی کی دھمکی کیوں دیتی ہیں۔"

"اگر وہ چاہیں تو تم یہاں نہیں رہ سکتے۔"

"اور آپ کیا چاہیں گی۔"

"میں.... کیوں! میرے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔"

"کیا سیکریٹری کی عدم موجودگی میں آپ لوگوں کو بور نہیں ہونا پڑتا۔"

نوشابہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تھوڑی دیر خاموشی سے کافی کے گھونٹ لیتی رہی پھر بولی۔

"عالیہ چچی کی ناک کا بال ہے۔ وہ ان سے ضرور کہے گی کہ تم نے اسے شہزاد سے لڑوا دیا۔"

مجھے آپ کی چچی کی ذرہ برابر پرواہ نہیں ہے۔ میں آپ کے چچا کا سیکریٹری ہوں۔"

نوشابہ کے ہونٹوں پر ایک تلخ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"آپ اس طرح مسکرا رہی ہیں جیسے میں نے کوئی حماقت آمیز بات کہہ دی ہو۔"

"قطعی حماقت آمیز۔ کیونکہ ہوگا وہی جو چچی چاہیں گی۔ کیا تم نے محسوس نہیں کیا کہ چچا جان اُن سے کتنے خوفزدہ رہتے ہیں۔"

"خوفزدہ کیوں رہتے ہیں۔"

"کیا اب تم نجی معاملات میں بھی دخیل ہونا چاہتے ہو۔"

"آپ بالکل غلط سمجھیں ہیں۔ میں صرف اپنی ملازمت بر قرار رکھنا چاہتا ہوں۔"

"ملازمت.....!" وہ پھر تلخ انداز میں مسکرائی۔

"کیوں! بھئی آپ کی مسکراہٹ.....!"

"تم ملازمت کے لئے یہاں ہو یا تفریح کے لئے۔"

"یہ کیا بات ہوئی اسے جملہ سمجھوں یا کسی معمے کا اشارہ نمبر چار سو بیس...دائیں سے بائیں۔"

"تمہیں ملازمت کی ضرورت تو نہیں۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

حمید اس جملے پر بوکھلا گیا۔ لیکن چہرے سے کیا ظاہر ہوتا؟ کیونکہ چہرے پر تو پلاسٹک میک اپ تھا البتہ اس نے آنکھیں ضرور بند کرلیں اور زبردستی مسکرانے کی کوشش کرنے لگا۔

"تم کوئی کالج اسٹوڈنٹ ہو اور تفریح کے لئے یہاں آگھسے ہو۔" نوشابہ بولی اور حمید نے اطمینان کا سانس لیا۔

"نہیں آپ غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ میں اسٹوڈنٹ ضرور تھا مگر اب نہیں ہوں۔ بعض مجبوریوں کی بناء پر مجھے ایم۔اے کا دوسرا سال چھوڑنا پڑا۔ یہ ملازمت میں نے اس لئے پسند کی ہے کہ مجھے پڑھنے کا وقت بھی ملتا رہے گا.... مگر میں.... میں بالکل اُلو ہوں۔ جہاں آپ موجود ہیں وہاں شاعری کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔" حمید کی آواز دردناک ہوگئی۔ "میں صرف آپ کی وجہ سے یہاں نہیں رہ سکتا۔"

"کیوں میری وجہ سے کیوں! میں نے کیا کیا ہے۔"

"آپ نے کچھ نہیں کیا۔ قصور میرا ہی ہے۔"

"کیا بک رہے ہو۔ میں کچھ نہیں سمجھی۔"

"میں نے آپ کو کیوں اپنے ذہن میں گھسنے دیا۔" حمید نے مغموم آواز میں کہا اور اس کے گالوں پر دو آنسو ڈھلک آئے۔

"اوہ.... گدھے کہیں کے۔" نوشابہ جھینپے ہوئے لہجے میں بولی اور ڈرائینگ روم سے چلی گئی۔

حمید چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر اٹھ کر عالیہ کے کمرے کے دروازے پر آیا جو اندر سے بند تھا۔ اس نے آہستہ سے دستک دی۔

"میں ہوں۔" حمید نے گھٹی گھٹی سی آواز میں کہا۔

"تم کیوں ہو۔" اندر سے عالیہ بولی۔ پھر قدموں کی آہٹ سنائی دی اور دروازہ کھل گیا۔

"مجھے افسوس ہے۔" حمید نے گلوگیر آواز میں کہا۔

"ہاں یہ حرکت تمہاری ہی تو تھی۔"

"بہرحال میں محترمہ شہرزاد کو اتنا بدتمیز اور بداخلاق نہیں سمجھتا تھا۔"

"ارے.... وہ پکی کمینی ہے۔ ذلیل کہیں کی۔"

"جی ہاں.... ورنہ مذاق ہی مذاق میں کیا نہیں ہو جاتا۔ ویسے شائد.... میں آج رات بھر نہ سو سکوں۔ مجھے دلی اذیت پہنچی ہے۔"

"اچھا اب جاؤ مجھے بور نہ کرو۔"

"آپ نے مجھ پر جادو کر دیا ہے۔"

"کیا....؟"

"جادو.... میں مر جاؤں گا۔"

"ڈفر! تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔ کیا سچ مچ چچی کا چابک بھول گئے۔"

"یاد کرنیکی کوئی بات بھی ہوتی۔ ایک بھی میرے جسم پر نہیں پڑا۔ میں آپ سے... محبت...!"

"محبت.... محبت! میں سمجھی۔" اس نے جھپٹ کر حمید کا کان پکڑ لیا پھر اس کے چہرے کو دوسری طرف موڑتی ہوئی بولی۔ "جاؤ.... سو جاؤ صبح محبت کا جواب دوں گی۔"

دروازہ حمید کی کھوپڑی سے ٹکرایا کیونکہ وہ بند ہو چکا تھا۔

حمید چند لمحے وہیں کھڑا اپنی کھوپڑی سہلاتا رہا پھر شہرزاد کے کمرے کی طرف چل پڑا۔ اس نے دروازے پر دستک دی۔

"کیا ہے....!" اندر سے جھلائی ہوئی آواز آئی۔

"میں ہوں محترمہ شہزاد....!" حمید نے رو دینے والی آواز میں کہا۔

دروازہ کھلنے میں دیر نہیں لگی۔ شہزاد بڑے پھولوں والے سلیپنگ گاؤن میں تھی۔

"فرمایئے محترم....!" اس نے اپنے چڑچڑے پن کا مظاہرہ کیا۔

"آخر آپ مجھ سے کیوں خفا ہیں۔"

"شروعات تو آپ ہی نے فرمائی تھی۔"

"میرا ہرگز یہ مقصد نہیں تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ محترمہ عالیہ اس طرح آپ کی توہین کریں گی۔ آہ مجھے بہت دکھ ہوا ہے۔ غالباً کل وہ اس معاملے کو چچی کے سامنے پیش کریں۔"

"میں اُس سور کی بچی زوبی سے بالکل نہیں ڈرتی۔"

حمید نے دل میں کہا۔ "وہ مارا....کام بن گیا۔"

"آپ ڈریں ہی کیوں۔" وہ کمرے میں داخل ہوتا ہوا بولا۔ "میرا خیال ہے کہ سارا معاملہ خود سر فیروز ہی کا بگاڑا ہوا ہے۔ آخر وہ ان سے اتنے خائف کیوں رہتے ہیں۔"

"انکی حیثیت ایک غلام سے زیادہ نہیں ہے۔" شہزاد دروازہ بند کرتی ہوئی بولی۔ "بیٹھ جاؤ۔"

حمید ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ شہزاد کہہ رہی تھی۔ "سب کچھ زوبی کے قبضے میں ہے وہ ان سے سادے چیکوں پر دستخط لے کر بہت بڑی بڑی رقمیں بینک سے نکالتی ہے اور ان رقموں کا کیا بنتا ہے.... خدا جانے۔"

"اوہ.... یہ تو بہت بُرا ہے۔" حمید بڑبڑایا۔

"بُرے سے بھی بُرا اور چچا جان اس سے اس طرح ڈرتے ہیں جیسے اُن کا رزق اسی کے ہاتھ میں ہو۔"

"چچ چچ....!" حمید نے افسوس ظاہر کیا۔

"تم یہ نہ جان سکو گے کہ زوبی ہی کسی سیکریٹری کو نہیں ٹکنے دیتی۔ نہ جانے کیوں وہ اس گھر میں کسی باہری آدمی کا وجود نہیں دیکھ سکتی۔ اس کے برخلاف چچا جان ہمیشہ ایک ایسے آدمی کے لئے کوشاں رہتے ہیں جو ہر وقت ان کے ساتھ رہے۔"

"میرا خیال ہے کہ تفکرات ہی کی بناء پر ان کا دماغ ماؤف ہو گیا ہے۔" حمید نے کہا۔

"مجھے شبہ ہے۔"

"کس بات میں۔" حمید کی دلچسپی بڑھ رہی تھی۔

"اسی میں کہ اُن کا دماغ خراب ہے۔"

"ارے.... وہ تو صاف ظاہر ہے۔ محترمہ شہرزاد! ورنہ اتنا بڑا آدمی اور اس طرح کھلونوں کی دوکان سجاتا پھرے۔"

"خیر.... اگر تم یہاں کچھ دن رہ گئے تو خود ہی دیکھ لو گے۔"

"کیا دیکھ لوں گا۔"

"میرا سر....!" شہرزاد جھلا گئی۔

"وہ تو دیکھ ہی رہا ہوں۔ آہ آپ کا سر....! آپ کی گھونگھریالی زلفیں.... یہ پیشانی جیسے آدھا چاند بادلوں سے جھانک رہا ہو۔ محترمہ شہرزاد میں پاگل ہونے سے پہلے ہی مر جاؤں گا۔"

"تم ہوش میں ہو یا نہیں۔"

"ہوش میں ہوتا تو یہ کیوں کہتا کہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔"

"یہاں سے چلے جاؤ۔"

"آہا! کل تو مجھے کوٹھی ہی سے نکلنا پڑے گا۔ لیڈی زوبی....!"

"کیا تم بھی اُس سے ڈرنے لگے ہو۔"

"آج دیکھا آپ نے۔ اگر ایک چابک بھی میرے جسم پر پڑ جاتا تو مجھے خودکشی ہی کرنی پڑتی۔"

"میں نے دیکھا تھا تم بہت پھرتیلے ہو۔ بہت زیادہ اور اسی لئے میں تمہیں ڈرپوک بھی نہیں سمجھتی۔ تم اس وقت بھی اس سے بڑی بے پروائی سے گفتگو کر رہے تھے جب وہ چابک ہلاتے ہلاتے جھک گئی تھی۔"

"کیا آپ چاہتی ہیں کہ میں یہاں سے نہ جاؤں۔"

"ہاں میں یہی چاہتی ہوں۔"

"میں وجہ ضرور پوچھوں گا محترمہ شہرزاد....!"

"میں سوچتی ہوں کہ تم پر اعتماد نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ ہم سب کا خیال ہے کہ تم کوئی اسٹوڈنٹ ہو اور محض ایڈونچر کی خاطر یہاں آگھسے ہو۔ کیونکہ چچا جان کی جھک سارے شہر میں

مشہور ہے۔"

"آہم....! آپ بھی یہی سمجھتی ہیں۔ اچھا پھر....!"

"ایڈونچر کی خاطر میں تمہارے لئے ایک اچھا موقع فراہم کر سکتی ہوں۔"

"میں تیار ہوں۔"

"ہم زوبی کے کمرے کی تلاشی لیں گے۔"

"آہم.... کس لئے محترمہ شہر زاد۔"

"بس یونہی.... میں وجہ نہیں جانتی۔ بس دل چاہتا ہے۔ چچا جان اس سے بہت خوفزدہ رہتے ہیں۔ لیکن انداز زن مرید شوہروں کا سا نہیں ہے۔ میں نے بہتیرے مرد دیکھے ہیں جو اپنی بیویوں سے ڈرتے ہیں لیکن تم خود سوچو! کیا ایسے شوہر اپنے بیویوں کے سادہ چیکوں پر دستخط بھی کرتے ہوں گے۔ آخر چچا جان ایسا کیوں کرتے ہیں۔"

"آپ بہت ذہین ہیں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "کسی اور کی اس پر نظر نہ پڑی ہوگی۔"

"اس معاملے میں تم مجھ سے متفق ہونا۔"

"میں متفق ہوں۔ لیکن آپ تلاشی کیوں لینا چاہتی ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ زوبی چچا جان کو بلیک میل کر رہی ہے۔"

"آپ واقعی بہت ذہین ہیں۔ ہو سکتا ہے.... مگر تلاشی۔"

"پوری بات سنو۔" شہر زاد جھلا گئی۔ حمید خاموش ہو گیا اور بولی۔ "ہو سکتا ہے اس کے قبضے میں کچھ ایسا مواد ہو۔ میرا مطلب بلیک میلنگ اسٹف....!"

"میں سمجھ گیا۔ اچھا میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کی مدد کروں گا۔"

"شائد آج رات زوبی واپس نہ آئے گی۔ مگر کمرے کا قفل....!"

"آپ قفل کی پرواہ نہ کیجئے۔" حمید نے کہا اور اپنے پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔

خوفناک دھماکہ

فریدی نے بیہوش انور کو صوفے پر ڈال دیا۔ وہ اپنی کوٹھی میں پہنچ چکا تھا۔

ڈاکٹر کے آنے میں دیر نہیں لگی۔ ڈاکٹر انور کا زخم دیکھنے لگا اور فریدی نے اپنے بازو کا زخم خود ہی دیکھنا شروع کر دیا۔ زخم زیادہ گہرا نہیں تھا اس نے خود ہی اسے صاف کر کے بائیں ہاتھ سے بینڈ تیج کر لی۔ ڈاکٹر کی موجودگی ہی میں انور کو ہوش آ گیا تھا لیکن وہ خاموش پڑا رہا۔ ڈاکٹر کے جاتے ہی بڑبڑانے لگا۔

"میں بالکل گدھا ہوں۔ اچھا خاصا دیوار سے لگا کھڑا تھا۔ قریب ہی آہٹ محسوس ہوئی اور میں کچھ ایسا خالی الذہن ہو رہا تھا کہ خواہ مخواہ آگے بڑھ گیا اور پھر ظاہر ہے۔ بے خبری میں سبھی کا یہی حشر ہوتا ہے۔"

"فکر مت کرو۔" فریدی اپنی آستین الٹ کر بینڈ تیج کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔ "ادھر بھی حماقت سے خالی نہیں ہیں۔"

"کیا ہوا۔"

"خنجر.... اتفاقاً نظر اٹھ گئی۔ ورنہ یہ زندگی کی آخری رات ہوتی۔ خیر کچھ بھی ہو۔ یہ تو معلوم ہی ہو گیا کہ وہ بے خبر نہیں ہیں اور لسٹ میں ایک نئے نام کا اضافہ ہوا پرنس شمشاد....!"

"پرنس شمشاد....!" انور نے حیرت سے دہرایا۔

"ہم پرنس جسپال کا تعاقب کرتے ہوئے وہاں پہنچے تھے۔ قریب قریب سبھی چوٹی کے لوگ ہیں۔ سر جگدیش، سیٹھ گنگولی، زوبی تو موجود تھی ہی۔ وہ بھی تنظیم میں کسی بڑی حیثیت کی مالک معلوم ہوتی ہے۔ پرنس شمشاد موجود نہیں تھا اور اس کے متعلق کہا گیا تھا کہ وہ تنظیم سے برگشتہ ہو گیا ہے۔ یہ آدمی اپنے کام کا معلوم ہوتا ہے اور سنو.... اب یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ وہ تجارتی پالیسی کو ناکام بنانے کے لئے آئندہ کون سا طریقہ اختیار کریں گے۔"

"کیا....!"

"کچھ نہیں.... اب شائد ہی وہ اسے بروئے کار لائیں۔ اس لئے اس کا تذکرہ ہی فضول ہے۔ یہ بھی عجیب معاملہ ہے۔ مجرم سامنے ہیں لیکن میں انہیں گرفت میں نہیں لے سکتا۔"

"کیوں....؟ کیا دشواری ہے۔"

"ثبوت.... ثبوت کہاں سے مہیا کروں گا اور ثبوت مہیا کئے بغیر ان میں سے کسی کو پکڑنا دردسری ہی ثابت ہو گا۔ نہیں ان پر ہاتھ ڈالنا ویسے بھی فضول ہی ہو گا۔ اس طرح ہم اس اصل

مجرم تک نہ پہنچ سکیں گے جس نے تنظیم کی داغ بیل ڈالی ہے۔"

انور کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اچانک فون کی گھنٹی بجی۔ فریدی نے ریسیور اٹھالیا۔

"ہیلو.... اوہ.... تم کیوں؟ واقعی.... شاباش.... اچھا فرزند.... میں اُسے ہر قیمت پر اسی وقت حاصل کرنا چاہوں گا۔ تم کسی نہ کسی طرح اُسے لے کر عقبی پارک میں پہنچ جاؤ۔ میں آرہا ہوں۔ تم نے ایک بہترین کارنامہ سرانجام دیا ہے۔"

فریدی نے ریسیور رکھ دیا۔ اس کے چہرے پر دبے ہوئے جوش کے آثار نظر آرہے تھے۔ اس نے انور کی طرف دیکھ کر کہا۔ "چلو ایک مشین تو ہاتھ لگی۔"

"کیسی مشین.... کون تھا....؟" انور نے پوچھا۔

"حمید نے ویسی ہی ایک مشین زوبی کی خواب گاہ سے برآمد کرلی ہے جیسی اس نے جیمس اینڈ مارٹن تمباکو فروش کی دوکان میں دیکھی تھی۔ اچھا انور اب تم آرام کرو۔ میں اس سے اسی وقت ملونگا۔"

"میں بھی چلوں۔"

"نہیں.... ضرورت نہیں۔"

پندرہ منٹ کے اندر ہی اندر فریدی وہاں سے روانہ ہوگیا۔ اس کا زخمی بازو اب بہت زیادہ تکلیف دہ ہوگیا تھا اور اسٹیئرنگ کرنے میں کافی دشواری محسوس ہورہی تھی لیکن اُسے شاید اپنے پیشے سے انس ہی نہیں بلکہ عشق تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد کیڈی منزل مقصود پر پہنچ گئی۔ سرفیروز کی کوٹھی کا عقبی پارک سنسان پڑا تھا۔ اس کا رقبہ چار فرلانگ سے کسی طرح کم نہ رہا ہوگا اور اندھیری رات میں یہاں کسی کو تلاش کرلینا آسان کام نہیں تھا۔ یہاں پہنچ کر فریدی کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اب وہ سوچ رہا تھا کہ کہاں بھٹکتا پھرے۔ معلوم نہیں حمید کس حصے میں ہوگا۔

اُس نے اپنے زخمی بازو پر ہاتھ رکھ کر سسکی سی لی اور چاروں طرف اندھیرے میں آنکھیں پھاڑنے لگا۔

اچانک اسے تھوڑے ہی فاصلے پر کئی قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ وہ ایک درخت کے تنے سے لپٹ کر کھڑا ہوگیا۔

آنے والے اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر رک گئے۔ پانچ آدمیوں کے دھندلے مجسمے۔

"تم لوگ یہیں ٹھہرو۔" یہ کسی عورت کی آواز تھی۔ فریدی نے صاف پہچان لیا۔ بولنے والی زوبی کے علاوہ اور کوئی نہیں تھی۔

"اب کیاارادہ ہے۔ لیڈی زوبی۔"

"نیا سیکریٹری.... اب مجھے یقین آگیا ہے کہ وہ فریدی ہی کا کوئی جاسوس ہے۔ میں اسے یہاں لاؤں گی اور تم لوگ اسے اٹھا کر وہیں لے جاؤ گے۔"

فریدی کے ہونٹ بھینچ گئے۔ پانچ سایوں میں سے ایک عمارت کی طرف بڑھ رہا تھا۔

❁

حمید کے لئے کوٹھی سے نکلنا مشکل نہیں تھا کیونکہ کوٹھی میں کتے نہیں تھے۔ مشین اس نے حاصل کرلی تھی البتہ شہزاد کو اپنی کوششوں میں ناکامی ہوئی تھی۔ وہ کوئی ایسی چیز نہ حاصل کر سکی جو اس کے خیال کی تائید کرتی۔

کوٹھی میں ہر طرف سناٹا تھا۔ کلاک نے ڈیڑھ بجائے اور حمید عقبی پارک کی طرف روانہ ہوگیا۔ پارک میں پہنچ کر اسے بہر حال خود کو چھپانا تھا کیونکہ زوبی باہر تھی حالانکہ عقبی پارک کی طرف سے اسکی واپسی کا امکان نہیں تھا پھر بھی حمید احتیاطاً درختوں کے جھنڈ کی طرف بڑھ گیا۔

ہر طرف اندھیرے کی حکمرانی تھی۔ سناٹے میں جھینگروں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ اچانک کسی اُلو کی تیز آواز سناٹے میں دوتک لہراتی چلی گئی۔ اسی قسم کی دوسری آواز پر حمید کو چونکنا پڑا.... تیسری.... چوتھی.... اور پانچویں.... آوازوں نے تو اسے اچھی طرح ہوشیار کردیا۔

اور وہ قریب کی جھاڑیوں میں گھستا چلا گیا۔

آواز ایک بار پھر سناٹے میں لہرائی اور یک بیک حمید بھی اُلو ہوگیا۔ اس کے حلق سے بھی اسی قسم کی چند آوازیں نکل کر فضا میں منتشر ہوگئیں جن کا جواب فوراً ہی ملا اور پھر سناٹا چھا گیا۔

اُسے یقین تھا کہ اس نے غلطی نہیں کی۔ اُلو کی سی آوازیں نکالنے والا فریدی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ یہ ایک مخصوص اشارہ تھا اور فریدی کی اپنی ایجاد.... وہ مختلف قسم کے پرندوں اور جانوروں کی آوازیں نکالنے پر قادر تھا اور اکثر انہیں محض اشاروں کے طور پر استعمال کرتا تھا۔ اُلو کی آواز کا یہ مطلب تھا کہ "خطرہ ہے چھپ جاؤ۔"

اس نے پھر وہی آواز سنی۔ اس بار آواز بہت قریب سے آئی تھی شاید فریدی اس کی آواز پر

ہی اس تلاش میں چل پڑا تھا۔ حمید کو بھی پھر اُلو بننا پڑا۔ اُسے یہ حرکت انتہائی مضحکہ خیز معلوم ہو رہی تھی۔ لیکن یہ طریقہ پہلے بھی کئی بار کار آمد ثابت ہو چکا تھا۔ اس لئے اس کی افادیت سے تو انکار کیا ہی نہیں جا سکتا تھا۔ اُسے وہ واقعہ بھی یاد آ گیا جب ایک بار فریدی کو اندھیرے میں کتوں کی طرح بھونکنا پڑا تھا اور اس حرکت کی بناء پر ایک بہت بڑی کامیابی اس کے حصے میں آئی تھی۔

جھاڑیوں میں سرسراہٹ ہوئی اور کسی نے آہستہ سے کہا: ''حمید تم ہو۔''

''نہیں میں اس کی مادہ ہوں۔'' حمید لچک کر بولا۔

''ہاں.... مشین بھی ہے لیکن وہ میرے علاوہ اور کسی پر شبہ نہیں کرے گی۔''

''تم اب یہاں نہیں رہو گے۔'' فریدی بولا۔ ''جلدی کرو۔ کیڈی پارک کے باہر موجود ہے۔''

''مگر میں تو یہیں رہنا چاہتا ہوں۔ بڑی مشکل سے ایک کو راہ پر لایا ہوں، ارے واہ۔''

''بکواس مت کرو.... چلو....!''

''چلنا تو پڑے ہی گا۔'' حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''مگر خطرہ کیا تھا۔''

''چار آدمی تمہارے منتظر ہیں اور زوبی تمہیں یہاں سے لانے کے لئے اندر گئی ہیں۔''

''آہا.... تو کیا واقعی وہ مجھے پہچان گئی ہے۔''

''نہیں! لیکن تم بعد کے حالات سے واقف نہیں ہو.... چلو....!''

''ارے.... میں اپنے جوتے وہیں چھوڑ آیا ہوں۔'' حمید نے رو دینے والی آواز میں کہا۔

''کام خراب کرو گے۔'' فریدی جھنجھلا گیا۔ ''جاؤ.... چلو....!''

''میں کہاں جاؤں.... اور آپ....!''

''کیڈی زیادہ دور نہیں ہے۔'' وہ اس کی گردن ایک طرف گھماتا ہوا بولا۔ ''بس سیدھے چلے جاؤ۔ جھاڑیوں کا سلسلہ جہاں ختم ہوتا ہے وہاں سے دس یا بارہ گز کے فاصلے پر ایک گہری کھائی ہے۔ کیڈی تمہیں وہیں ملے گی۔ سیدھے گھر ہی جانا۔ مشین کی حفاظت ضروری ہے۔''

حمید کو وہیں چھوڑ کر فریدی پھر جھاڑیوں سے نکل گیا۔

کھائی کے قریب پہنچ کر وہ ایک لمحے کے لئے رکا اور جھک کر کھائی کی گہرائی کا اندازہ کرنے لگا۔ اوپر سے کیڈی کی تلاش فضول تھی کیونکہ کھائی کے اوپر درختوں کا سایہ تھا۔

وہ نیچے اترنے کے لئے کوئی اچھا سا راستہ تلاش کرنے لگا لیکن اس نے جو طریقہ اختیار کیا تھا

اسے احمقانہ ہی کہنا چاہئے۔ وہ زمین پر بیٹھ کر ہاتھ سے ٹٹول ٹٹول کر نیچے اترنا چاہتا تھا۔ مگر اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا کیونکہ درختوں کی گھنی شاخوں نے اس جگہ کو تاروں کی چھاؤں سے بھی محروم کر دیا تھا۔ اچانک اُسے نیچے ایک جگہ ایک ننھی سی چمکدار چیز دکھائی دی جو برابر حرکت کر رہی تھی لیکن اس کے دائرہ عمل میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ پھر کافی دیر بعد یہ بات اس کی سمجھ میں آئی کہ کوئی ایک ننھی سی ٹارچ روشن کر کے اسے نیچے آنے کا اشارہ کر رہا ہے۔ ایسی ایک ٹارچ فریدی کے جیب میں رہا کرتی تھی۔

حمید نیچے اترنے لگا۔ وہ روشنی ہی کی طرف دیکھتا ہوا راستہ طے کر رہا تھا۔ نیچے پہنچ کر اسے کیڈی دکھائی دی جو زیادہ دور نہیں تھی۔

"کدھر گئے جناب۔" حمید منمنایا لیکن دوسرے ہی لمحے میں ایک ٹھنڈی سی چیز اس کی داہنی کنپٹی سے آلگی۔

"اسے پچھلی سیٹ پر رکھ دو۔" کسی نے آہستہ سے نرم آواز میں کہا۔

"تم....!" حمید ہکلایا۔

"پرواہ نہ کرو.... میں بُرا آدمی نہیں ہوں۔ ویسے تمہاری کنپٹی پر فاؤنٹین پن نہیں رکھا ہے۔"

حمید نے داہنے ہاتھ سے پچھلی نشست کا دروازہ کھولا اور بائیں ہاتھ سے مشین اندر رکھ دی۔

"اب پیچھے ہٹ جاؤ۔ ٹھیک .... شکریہ۔" اُس نے کہا "اور زیادہ شکر گذار ہوں گا اگر تم میرے لئے کار ڈرائیو کرو۔"

اس کی آواز ابھی تک سرگوشیوں کی حد سے آگے نہیں بڑھی تھی۔ ورنہ ممکن تھا کہ حمید آواز سے اسے پہچاننے کی کوشش کرتا۔

وہ چپ چاپ اگلی سیٹ پر جا بیٹھا۔ ایسے آدمیوں کا اسے تجربہ تھا۔ جو حاوی ہو جانے کے باوجود بھی نرمی کا برتاؤ کرتے ہیں۔ اس لئے وہ بے چوں و چرا تعمیل کر رہا تھا۔ ایسے لوگ جو گال سہلاتے سہلاتے تھپڑ مار دیں اُسے بالکل پسند نہیں تھے اور وہ اس نامعلوم آدمی میں کسی ایسے ہی آدمی کی پرچھائیں دیکھ رہا تھا۔

"روشنی کئے بغیر چلتے رہو۔ یہاں کی سطح بالکل ہموار ہے۔ بے کھٹکے چل سکتے ہو۔ میں تم پر اعتماد کرتا ہوں اس لئے میں نے تمہاری جیبیں بھی نہیں ٹٹولیں۔ لیکن ریوالور بہر حال گردن سے

لگا رہے گا۔ کیونکہ تم زیادہ نیک نام نہیں ہو۔ ویسے پیارے بہت ہو۔"

حمید بھنا کر رہ گیا لیکن کچھ بولا نہیں۔ ظاہر ہے کہ اس وقت سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ اس سے کس طرح نپٹا جائے۔

کیڈی اندھیرے میں چلتی رہی۔ حمید اب بھی ریوالور کی نال اپنی گردن پر محسوس کر رہا تھا کچھ دور چلنے کے بعد وہ بڑبڑایا۔

"کب تک اندھیرے ہی میں چلنا پڑے گا۔ مجھے دشواری ہو رہی ہے۔ لیکن اسے اس کا کوئی جواب نہیں ملا۔"

"دیکھو دوست.... تم زیادتی کر رہے ہو۔" حمید نے پھر کہا لیکن اس بار بھی جواب نہ ملا۔

"میں نہیں جاؤں گا۔" حمید نے جھلا کر کیڈی روک دی لیکن اس پر بھی نامعلوم آدمی نے کچھ نہیں کہا البتہ ٹھنڈا لوہا اب بھی حمید کی گردن سے چپکا ہوا تھا۔

اُس نے آہستہ سے ہاتھ بڑھا کر دروازے کا ہینڈل گھمایا اور باہر چھلانگ لگا دی۔ کوئی ٹھوس چیز کیڈی میں گری اور ساتھ ہی ایک زبردست دھماکہ ہوا اور حمید منہ کے بل زمین پر گرا۔ پھر اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس پر شعلوں کی بارش ہو گئی ہو۔ وہ زخمی کتوں کی طرح چیخنے لگا۔

❀

فریدی کافی دیر سے زوبی کا منتظر تھا لیکن وہ ابھی تک واپس نہیں آئی تھی۔ اس کے ساتھی بھی اب تک وہیں کھڑے تھے جہاں وہ انہیں چھوڑ کر گئی تھی۔

اچانک ایک زوردار دھماکہ ہوا اور ایسا معلوم ہوا جیسے سارا پارک پل بھر کے لئے روشنی میں نہا گیا ہو۔ چاروں آدمی بھڑک کر ادھر اُدھر بھاگنے لگے۔ پھر فریدی نے متواتر چیخیں سنیں اور کانپ کر رہ گیا کیونکہ آواز حمید کی تھی۔

دوسرے لمحے میں وہ بے تحاشہ اس طرف بھاگ رہا تھا۔ جہاں اب بھی روشنی نظر آ رہی تھی۔

وہ کھائی میں کود پڑا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر کیڈی دھڑا دھڑ جل رہی تھی۔ حمید اس سے زیادہ دور نہیں تھا۔ وہ زمین پر پڑا تڑپ رہا تھا اور اب چیختے چیختے اس کا گلا بیٹھنے لگا تھا۔ فریدی نے جھپٹ کر اُسے بازوؤں میں اٹھایا اور مخالف سمت میں دوڑنے لگا۔ کیڈی کا ڈھانچہ جل رہا تھا۔ ابھی ٹنکی نہیں پھٹی تھی۔ ورنہ اس کے بھی پرخچے اڑ گئے ہوتے۔ فریدی کی بدحواسی کا سبب یہی خیال تھا۔

وہ جلد سے جلد خطرے کی حدود سے نکل جانا چاہتا تھا۔ حمید اس کے کاندھے پر پڑا چیخ رہا تھا اور وہ اس طرح دوڑ رہا تھا جیسے ملک الموت اس کے تعاقب میں ہو۔

ایک دل ہلا دینے والا دھماکہ پھر ہوا اور فریدی گرتے گرتے بچا بالکل ایسا معلوم ہوا جیسے زلزلہ آگیا ہو۔

حمید اس طرح چیخ رہا تھا جیسے وہ کوئی چیخنے کی مشین ہو۔ فریدی دوڑتا رہا اس کے زخمی بازو کی تکلیف نہ جانے لاشعور کے کس تاریک نہاں خانے میں جاسوئی تھی۔

حمید کی جان بچانے کے لئے وہ اپنی تکلیف بھول گیا تھا۔

زخمی بھیڑیا

آئی۔جی کی پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئیں تھیں وہ بہت زیادہ فکر مند نظر آرہا تھا۔ سامنے فریدی بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پر ذہنی اذیت کے آثار تھے۔

"تو آپ مجھے اجازت نہیں دیں گے۔" دفعتاً اس نے کہا۔

"دیکھو بھئی.... میں تمہیں کس طرح سمجھاؤں۔"

"حمید کی حالت نازک ہے.... اگر وہ مر گیا.... تو آپ جانتے ہیں کیا ہوگا۔" دفعتاً فریدی کا چہرہ سرخ ہو گیا اور آنکھیں آگ اگلنے لگیں۔ "یہ شہر جہنم بن جائے گا۔ میں جواب تک قانون کی حفاظت کرتا رہا ہوں۔ قانون شکن بن جاؤں گا۔"

"یہ تم مجھے سنا رہے ہو۔" آئی جی کو بھی غصہ آگیا۔

"آپ ایک سیٹھ گنگو کو بچا رہے ہیں، بچائیے... میں دیکھتا ہوں کہ آپ کس کس کو بچاتے ہیں۔"

"تم ہوش میں ہو یا نہیں کس سے بات کر رہے ہو۔"

"نہیں میں ہوش میں نہیں ہوں۔"

"تب تم جاسکتے ہو۔ پھر کسی وقت ملنا.... میں ایسا قدم اٹھانے کی اجازت ہرگز نہیں دے سکتا جس سے محکمے پر حرف آئے۔"

"شکریہ....!" فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ "میں دیکھوں گا کہ اپنی ذمہ داری پر کتنا کچھ کر سکتا ہوں۔"

"ٹھہرو....!" آئی جی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "اس کا خیال رکھنا کہ تمہارا مخصوص اجازت نامہ منسوخ ہو چکا ہے۔"

"میں جانتا ہوں لیکن وجہ نہیں پوچھوں گا۔"

"وجہ میں ضرور بتاؤں گا.... ٹھہرو.... فریدی.... ٹھہر جاؤ.... میں تم سے عمر میں بہت بڑا ہوں۔ میری بات سنو۔ ورنہ منہ پر تھپڑ مار دوں گا۔"

فریدی دروازے کے قریب پہنچ کر رک گیا لیکن آئی جی کی طرف نہیں مڑا۔ آئی جی کہتا رہا۔ "جب وزیر تجارت خود ہی زوبی کی حمایت کر رہے ہیں تو پھر ہم کیا کر سکتے ہیں۔ زوبی نے خاص طور پر تمہاری شکایت کی ہے اسی لئے مخصوص اجازت نامہ منسوخ کر دیا گیا ہے۔"

فریدی آئی جی کی طرف مڑا۔ اب اس کا چہرہ پُر سکون ہو چکا تھا اور آنکھوں میں پھر وہی پرانی خمار آلود کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔

"وزیر تجارت....!" اس نے تمسخر آمیز لہجے میں کہا۔ "عہدہ آدمی نہیں بناتا۔ عورت کے معاملے میں وہ بھی ایک معمولی مرد ہیں۔ لیکن یہ عہدہ کل کسی دوسرے آدمی کو بھی مل سکتا ہے۔ ہم اور آپ جہاں کے تہاں رہیں گے۔ قانون بنانے والے نہیں جانتے کہ قانون کی حفاظت کے سلسلے میں کونسی دشواریاں پیش آتی ہیں۔ بعض اوقات قانون کی حفاظت کے لئے غیر قانونی طریقے بھی اختیار کرنے پڑتے ہیں۔"

"ہمیں وہیں رہنا چاہئے جہاں ہم ہیں۔ بس میں اتنا ہی کہنا چاہتا ہوں۔"

"ملک کی تباہی میں نہیں دیکھ سکوں گا، خواہ میں اپنی جگہ رہوں یا نہ رہوں۔ میرا نیلگوں آسمان بے کرانہ....!"

فریدی آئی جی کے کمرے سے نکل گیا۔

❁

نصرت خان کسی زخمی درندے کی طرح جھلایا ہوا تھا۔ حالانکہ ڈاکٹر نے اسے مکمل طور پر آرام کرنے کو کہا تھا لیکن وہ اس کی پروانہ کر کے چھڑی ٹیکتا ہوا لنگڑاتا پھر رہا تھا اور اس کی حالت اس زخمی کتے کی سی تھی جو جھلاہٹ میں مکھیوں پر بھی بھونکنے لگتا ہے۔ صبح سے اب تک اس نے پوری عمارت کو کباڑ خانہ بنا کر رکھ دیا تھا جو چیز سامنے پڑ گئی اسی پر غصہ اتار کر رکھ دیا۔ سارے نوکر

اپنے اپنے کمروں میں بند ہو کر بیٹھ رہے تھے۔ کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اس کا سامنا کر سکتا۔ نتیجہ ظاہر ہے صبح سے نصرت خان کو ایک کپ چائے بھی نہیں نصیب ہوئی تھی۔ اس پر اُسے اور زیادہ تاؤ آرہا تھا۔ قریب تھا کہ وہ نوکروں کے کوارٹروں پر ہلہ بول دیتا کہ زوبی آگئی۔ نصرت خان جہاں تھا وہیں تھم گیا۔

زوبی نے متحیرانہ انداز میں کمرے کی حالت دیکھی۔ میز اور کرسیاں الٹی پڑی تھیں۔ دیوار سے لگی تصویروں کے فریم شیشوں سے محروم ہو چکے تھے۔ خوشنما گلدانوں کے ریزے فرش پر بکھرے ہوئے تھے۔

"یہ کیا ہوا....!" زوبی اسے گھورتی ہوئی بولی۔

نصرت خان نے کوئی جواب نہ دیا۔

"تم بولتے کیوں نہیں ڈیئر....!"

"ڈیئر کی بچی... میں صبح سے بھوکا ہوں اور تمہاری تہذیب پر لعنت بھیجنے کو دل چاہتا ہے۔"

"کیوں.... تم بھوکے کیوں ہو۔"

نصرت خان لنگڑاتا ہوا اسکی طرف بڑھتا رہا لیکن اس وقت اُسکے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

"او.... زوبیا.... تو بہت حسین ہے.... زوبیا.... تو میرے لئے چائے تیار کرے گی۔"

"نوکر کہاں گئے۔"

"جہنم میں۔" نصرت خان نے اس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ "تم میرے لئے چائے تیار کرو۔"

"میں نے ایسے کام کبھی نہیں کئے۔"

"تب تم عورت ہو یا کتیا۔ پھر تمہارا کیا مصرف ہے۔"

"کیا تم کبھی تمیز سے گفتگو نہیں کر سکتے۔"

جواب میں نصرت خان نے اس کے بازو پر اپنی گرفت اتنی سخت کر دی کہ اس کے منہ سے چیخیں نکلنے لگیں۔

نصرت خان اُسے کھینچتا ہوا کمرے سے باہر لے جانے لگا۔

"مجھے چھوڑو.... چھوڑو.... مجھے جانور....!"

نصرت خان اُسے گھسیٹتا رہا حتیٰ کہ وہ باورچی خانے میں پہنچ گئے۔

"جاؤ.... چائے تیار کرو....!" نصرت خان اسے دھکا دیتا ہوا بولا۔

وہ باورچی خانے کے فرش پر گری۔

"کیا میں تمہاری لونڈی ہوں۔" زوبی پاگلوں کی طرح چیخی۔

"چائے۔" نصرت دانت پیس کر بولا۔ "اگر تم نے چائے نہ بنائی تو مارتے مارتے کھال گرادونگا۔"

"نہیں بناؤں گی۔"

"اچھا....!" نصرت خان اس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ "دیکھتا ہوں۔"

اس نے جھپٹ کر بائیں ہاتھ سے اس کے بال جکڑ لئے اور ساتھ ہی داہنا ہاتھ گال پر پڑا۔ .وبی پاگل کتیا کی طرح چیخنے لگی۔

لیکن چائے تو اسے بنانی ہی پڑی۔ صرف چائے نہیں بلکہ پورا ناشتہ تیار کرنا پڑا۔ نصرت خان ملک الموت کی طرح سر پر سوار تھا۔

اتنی مار اگر کسی دوسری عورت پر پڑی ہوتی تو کم از کم اس کی آنکھوں پر ورم تو آہی گیا ہوتا لیکن زوبی کی آنکھیں.... وہ اب بھی پُرسکون تھیں ان میں ہلکی سی نمی بھی نہیں محسوس کی جاسکتی تھی۔ البتہ گال سرخ ہوگئے تھے اور کہیں کہیں وہ سرخی ہلکی سی نیلاہٹ میں بھی تبدیل ہوگئی تھی۔

زوبی نے ناشتہ باورچی خانے ہی کی میز پر لگادیا۔

اور پھر جب نصرت خان سلائیس کے لئے ہاتھ بڑھا رہا تھا زوبی نے تلخ لہجے میں کہا۔ "میں جسمانی طور پر تم سے بہت کمزور ہوں اس لئے تم مجھ پر ظلم کرتے ہو.... لیکن فریدی نے پچھلی رات تمہیں روشندان میں ٹھونس دیا تھا اور تم اس وقت لنگڑاتے پھر رہے ہو۔"

نصرت خان میز سے اٹھ گیا۔ چند لمحے زوبی کو خونخوار نظروں سے گھورتا رہا پھر ناشتے کی میز الٹ دی۔ اگر زوبی اچھل کر پیچھے نہ ہٹ گئی ہوتی تو اسے لنگڑانے کی بجائے شائد زندگی بھر گھسٹنا پڑتا کیونکہ میز بہت بڑی اور فولاد کی بنی ہوئی تھی۔ نصرت خان چپ چاپ باورچی خانے سے نکل گیا۔ لیکن اسکے اس رویئے پر نہ جانے کیوں زوبی کانپ کر رہ گئی۔ نہ جانے کیوں اسکی خاموشی اسکے غصے سے بھی زیادہ خوفناک معلوم ہوئی تھی۔ وہ بھی بڑی تیزی سے باورچی خانے سے نکلی.... نصرت آگے جارہا تھا۔ اس کی لنگڑاہٹ غائب ہوچکی اور وہ اچھے خاصے آدمی کی طرح چل رہا

تھا۔ زوبی بہت ذہین تھی۔ وہ اس کا مطلب سمجھتی تھی وہ جانتی تھی کہ ذہنی ہیجان کی بناء پر وہ اس بات کو بھول گیا ہے کہ اس کا پیر اکھڑ گیا ہے اُسے تکلیف کا احساس ہی نہیں رہ گیا۔ پھر زوبی نے اسے اس کمرے میں جاتے دیکھا جس میں پھینکے جانیوالے خاص قسم کے خنجروں کا اسٹاک رہتا تھا۔ زوبی پنجوں کے بل دوڑنے لگی۔ شاید وہ بھی پاگل ہو گئی تھی۔ اس نے بے تحاشہ دروازہ کھینچ کر بند کر دیا۔

"زوبی.... میں تجھے مار ڈالوں گا۔" نصرت خان اندر سے دھاڑا۔ "دروازہ کھول دے۔"

"نہیں.... دروازہ نہیں کھلے گا۔" زوبی ہسٹریائی انداز میں چیخی۔ "دروازہ نہیں کھلے گا۔ تم پاگل ہو گئے ہو۔"

نصرت خان دروازے پر ٹکریں مارنے لگا مگر زوبی کو یقین تھا کہ دروازہ کمزور نہیں ہے۔

اچانک دوسرے کمرے میں فون کی گھنٹی بجی اور متواتر بجتی ہی رہی۔ زوبی نصرت کو کمرے میں چیختا چھوڑ کر فون والے کمرے میں چلی گئی۔

"ہیلو ضرغام....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ضرغام سو رہے ہیں۔" زوبی نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ "آپ کون ہیں۔"

"اوہ.... کون زوبی.... تم یہاں ہو۔"

اور اب زوبی نے بھی اس کی آواز پہچان لی۔ وہ "طاقت" کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔

"آپ ہیں۔" زوبی نے مضطربانہ انداز میں کہا۔ "ضرغام پاگل ہو رہا ہے۔ میں نے اسے کمرے میں بند کر دیا ہے۔"

"اسے کیا ہوا۔"

"پچھلی رات....!"

"اوہ....! پچھلی رات کی باتیں مجھے معلوم ہیں۔ اس وقت کیا ہوا۔ مگر نہیں ٹھہرو۔ ہم فون پر گفتگو نہیں کریں گے۔ ضرغام کی خواب گاہ میں جاؤ۔ سمجھیں۔"

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا اور زوبی ریسیور رکھ کر ضرغام کی خواب گاہ کی طرف روانہ ہو گئی۔ یہاں ویسی ہی ایک مشین موجود تھی جیسی پچھلی رات زوبی کے کمرے سے چرائی گئی تھی۔ تھوڑی دیر میں اُس نے اس مشین پر "طاقت" سے رابطہ قائم کر لیا۔

"فریدی سے ہوشیار رہو۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔"میں نے تمام مشینیں شہر کے
سارے سٹیشنوں سے ہٹوالی ہیں اور اس گفتگو کے بعد تم یہ مشین بھی اس کمرے سے ہٹا دو گی۔
ڈرائنگ روم میں ایک تہہ خانہ ہے۔ تم تو جانتی ہی ہو اسے وہیں پہنچا دینا۔ پچھلی رات ضرغام کی
وجہ سے کام خراب ہو گیا۔ اگر اس نے فریدی کو چھیڑا تھا تو پھر زندہ نہ چھوڑنا چاہئے تھا۔ خیر غلطی
آدمی ہی سے ہوتی ہے۔ خود میں نے رات ایک زبردست غلطی کی۔ واقعہ سے تو تم واقف ہو۔
تفصیل یہ ہے کہ میں نے پچھلی رات حمید سے وہ مشین حاصل کی جسے وہ تمہارے کمرے سے چرا
لے جا رہا تھا اسی کے ساتھ اس کی کار میں بیٹھ کر اسے ڈرائیو کرنے پر مجبور کیا۔ ریوالور کی نال
اسکی گردن سے لگا کر ایک بم کے سیفٹی کیچ سے نکال دیا تھا اور ظاہر ہے کہ پھر میں مشین سمیت کار
سے اتر گیا ہوں گا۔ توقع یہ تھی کہ گردن کی خفیف سی جنبش بھی چھڑی کو پیچھے کھسکا دے گی اور بم
کا سیفٹی کیچ ہٹ جائے گا اسکیم کو کامیابی ہوئی لیکن حمید کے پرخچے نہ اڑ سکے وہ بچ گیا مجھے خود بھی
حیرت ہے کہ وہ کیسے بچ گیا۔ ویسے اسکی حالت خراب ہے۔ سارا جسم زخموں اور آبلوں سے بھرا پڑا ہے۔
جانتی ہو اب فریدی کیا کر رہا ہے۔ تم نے تو وزیر تجارت کی حمایت حاصل کر کے اپنی پوزیشن
محفوظ کر لی لیکن آج فریدی سیٹھ گنگولی کو زبردستی پکڑ کر اپنے مکان میں لے گیا اور اس کی اچھی
طرح مرمت کی۔ میرا خیال ہے کہ گنگولی نے کم از کم گیارہ بڑوں کے نام تو بتا ہی دیئے ہونگے۔"

"پکڑوا لے گیا۔" زوبی نے حیرت سے کہا۔"یہ کیونکر ممکن ہے۔ گنگولی کی حیثیت۔"

"گنگولی عیاش طبع آدمی ہے۔ ایک خوبصورت سی اینگلو انڈین لڑکی اُسے ایک غیر آباد مقام پر
لے گئی۔ جہاں فریدی کے آدمی پہلے ہی سے موجود تھے انہوں نے اسے بے بس کر کے ایک بند
گاڑی میں ڈالا اور لے اڑے۔ جانتی ہو اب وہ کہاں ہے۔"

"کہاں ہے۔"

"پاگل خانے میں۔ اُس کا سر مونڈ دیا گیا ہے اور چہرے پر کالک لگا دی گئی ہے۔ فریدی نے
اس کی بھنوئیں تک منڈوا دی ہیں اور اب تم خود سوچو کیا یہ واقعہ گنگولی کے لئے پاگل کر دینے والا
نہیں ہے۔ نفسیاتی اعتبار سے سوچنے کی کوشش کرو۔ اتنی بڑی شخصیت کا مالک۔ اسے اس طرح
بے بس کر کے پیٹا گیا۔ پھر علانیہ اسے پاگل خانے پہنچا دیا گیا۔ منہ پر کالک لگائی گئی۔ کھلی کار میں
پاگل خانے تک لے جایا گیا۔ کیا اس نے وہاں پہنچ کر پاگلوں کی طرح گلا نہ پھاڑا ہو گا کیا وہ جھلاہٹ

میں لوگوں کو مارنے نہ دوڑا ہوگا۔ دنیا کا ہر صاحب اختیار آدمی بے بسی کے عالم میں یہی سب کچھ کرتا ہے۔ پھر جب پاگل خانے والوں کو اس کے پاگل پن پر یقین آجائے گا تو پھر لاکھ وہ کہا کرے کہ وہ سیٹھ گنگولی ہے۔"

"یہ بہت بُرا ہوا.... بہت بُرا.... لیکن پاگل خانے میں رکھنے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔" زوبی نے کہا۔

"مقصد یہی ہے کہ ایک پولیس آفیسر کے غیر قانونی رویے کے خلاف احتجاج نہ کیا جاسکے جب تک وہ پاگل خانے میں رکھنا چاہے رکھ سکتا ہے۔"

"کیوں.... کیا کوئی اس کے خلاف کاروائی نہیں کر سکتا۔" زوبی نے پوچھا۔

"علم ہی کسے ہے جو کاروائی کرے گا۔"

"میں کروں گی۔"

"نہیں! میں فی الحال اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔ سارا کام بگڑ جائے گا۔ اُسے اس روشنی میں دیکھو کہ دنیا کی ہر تنظیم قربانیوں کے بعد ہی مستحکم ہوتی ہے ابھی ہمیں اسی قسم کے صدہا تجرباتی ادوار سے گذرنا پڑے گا۔ مجھے یقین ہے کہ گنگولی نے گیارہ بڑوں کے نام ضرور بتائے ہوں گے۔ اب دیکھنا ہے کہ فریدی کیا کرتا ہے۔ جانتی ہو اس نے صرف گنگولی ہی کو کیوں منتخب کیا؟ ویسے سر جگدیش اور کنور جسپال بھی اس کے سامنے ہی تھے۔ آخر اُن میں سے کیوں نہیں؟"

"گنگولی ڈرپوک آدمی ہے۔" زوبی نے کہا۔

"بالکل ٹھیک! یہی بات ہے کنور جسپال یا سر جگدیش جیسے آدمیوں پر وہ ہاتھ ڈالنے کی ہمت نہیں کر سکتا۔ گنگولی بڑا آدمی سہی مگر ہے فطرتاً بنیا۔ کیا خیال ہے۔"

"درست ہے۔"

"خیر اسے ہٹاؤ.... تمہاری نظر میں بھی اس کی کوئی اہمیت نہ ہونی چاہئے۔ میں نے تم سے ضرغام کے بارے میں کہا تھا کہ اسے کڑی نگرانی میں رکھنا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ فریدی سے نہ ٹکرانے پائے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ایسا کیوں ہوا۔ مقصد یہ ہے کہ آئندہ ایسا نہ ہونے پائے۔ اگر وہ ہاتھ سے گیا تو تنظیم کا داہنا بازو ٹوٹ جائے گا۔"

"ضرغام کی اہمیت آج تک میری سمجھ میں نہ آسکی۔" زوبی نے کہا۔ "بظاہر اُس نے ابھی

تک کوئی خاص کام بھی نہیں کیا۔ کیا یہ سب کچھ اس لئے کہ وہ ایک ماہر خنجر انداز ہے۔"

"نہیں زوبی! تم تنظیم کا ایک بہترین دماغ ہو اس لئے ضروری ہے کہ تم ہر معاملے سے باخبر رہو۔ میں سب سے زیادہ تم پر اعتماد رکھتا ہوں۔"

"یہ آپ کی مہربانی ہے۔"

"مہربانی نہیں زوبی۔ میں جانتا ہوں کہ کون کتنے پانی میں ہے۔ میں تمہاری صلاحیتوں سے بخوبی واقف ہوں۔ اچھا تو سنو میں تمہیں بتاؤں۔ ضرغام کا اصل نام نصرت خان ہے اور وہ خان مقلاق کا اکلوتا بیٹا ہے۔ یعنی ہونے والا خان مقلاق۔"

"اوہ....!" زوبی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

دوسری طرف سے آواز آئی۔ "میں جب چاہوں موجودہ خان مقلاق مر سکتا ہے اور نصرت خان مقلاق کا حکمران ہو سکتا ہے۔ غالباً اب تم اس کا مصرف سمجھ گئی ہو گی۔ موجودہ خان ایک طاقتور حکمران ہے اور نصرت خان بھی اس سے کم نہ ہو گا۔ میں دراصل قلعہ مقلاق کو تنظیم کا مرکز بنانا چاہتا ہوں۔ تم خود سوچو۔ کیا اس کے بعد گوبر شاہی "طاقت" سے ٹکرا سکے گی۔ میں کوہستانی باشندوں کو نئے آلات حرب سے مسلح کروں گا۔ اوہو.... تم گوبر شاہی پر ابھی تک ہنس رہی ہو۔ میں جمہوریت کو گوبر شاہی کہتا ہوں کیونکہ تیور اس کے بھی شاہانہ ہوتے ہیں لیکن چونکہ حکومت کرنے والے بہ آسانی بیچے اور خریدے جا سکتے ہیں اس لئے انہیں گوبر شاہی سے تشبیہہ دینا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے.... ہاں تو میں تمہیں ضرغام کے متعلق بتا رہا تھا۔ تم نے سنا ہو گا کہ خان مقلاق کا لڑکا، مقلاق کے قلعے سے بھاگ کر اس طرف آ گیا ہے، ایک زمانے میں پولیس بھی اُس کی تلاش میں تھی.... زوبی.... وہ خود سے نہیں بھاگا تھا بلکہ میں نے ہی ایسے حالات پیدا کرائے تھے جن کی بناء پر اُسے قلعہ مقلاق سے بھاگنا پڑا.... اور اب یہ بات میں بہت آسانی سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ تنظیم کے حلقے سے نہیں نکل سکتا۔"

"آپ کا خیال درست ہے۔" زوبی نے کہا۔ "مگر فی الحال اُسے کس طرح سنبھالا جائے۔"

اس کے بعد اُس نے پوری داستان دہرا دی۔

"میرا خیال ہے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "اب اسے یہاں سے ہٹا ہی دینا چاہئے۔ خیر تم فکر نہ کرو۔ اُسے اسی طرح کمرے میں بند رہنے دو اور اب تم اس مشین کو تہہ خانے میں پہنچا

کر یہاں سے چلی جاؤ۔ نوکروں کو سمجھا دینا کہ وہ اپنے کمروں سے باہر نہ نکلیں۔"

"لیکن مجھے اب کیا کرنا چاہئے۔" زوبی نے پوچھا۔

"آرام....!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "زوبی.... اب تم آرام کرو اور سارے معاملات مجھ پر چھوڑ دو۔"

کنور شمشاد

حمید کی حالت اب خطرے سے باہر تھی۔ لیکن پھر بھی وہ نقل و حرکت کے قابل نہیں تھا۔ سارے جسم پر بڑے بڑے آبلے تھے اور پنڈلیوں کا تو قیمہ بن گیا تھا۔

دوسری طرف انور کے سر کے زخم نے بھی تشویشناک صورت اختیار کر لی تھی۔ ڈاکٹروں کے اندیشے کے مطابق زہر پھیل جانے کا امکان تھا اور انہوں نے اسے چلنے پھرنے سے روک دیا تھا۔

بظاہر فریدی تنہا رہ گیا تھا لیکن حقیقتاً ایسا نہیں تھا۔ وہ ان لوگوں سے کام لے رہا تھا جو اُس کے محکمے سے متعلق نہ ہوتے ہوئے بھی اُس کے پابند تھے۔ یہ اس کی بلیک فورس کے لوگ تھے جن کا تذکرہ وہ اکثر حمید سے بھی کر چکا تھا لیکن حمید ان میں سے کسی کی بھی شخصیت سے واقف نہیں تھا۔ لیکن وہ اتنا ضرور جانتا تھا کہ فریدی کی بلیک فورس میں کچھ اینگلو انڈین لڑکیاں بھی ہیں یہ بات فریدی ہی نے اُسے بتائی تھی اور ایک بار تو خود اُسے تجربہ[1] بھی ہو چکا تھا۔

فریدی نے اپنی بلیک فورس کی مدد سے سیٹھ گنگولی پر ہاتھ ڈالا۔ کچھ پوچھنے سے قبل کافی دیر تک ہر ہر طرح سے اُس کی مرمت کرتا رہا۔ پھر معاملے کی طرف آیا۔ گنگولی نے اُن دس شخصیتوں کے نام ظاہر کر دیئے جن سے وہ واقف تھا۔ سربراہ کے متعلق وہ کچھ نہ بتا سکا۔ البتہ یہ ضرور تھا کہ میٹنگ میں عام طور پر ہر قسم کی تجاویز زوبی ہی پیش کیا کرتی ہے۔ وزیر تجارت پر حملہ کرنے والے کی شخصیت پر بھی وہ کوئی روشنی نہ ڈال سکا لیکن اس کا اعتراف کر لیا کہ قتل کی اسکیم زوبی ہی نے بنائی تھی۔ جب فریدی اس کا سر اور بھنویں منڈوانے لگا تو گنگولی نے بہت شدت سے احتجاج کیا اور پھر پاگل خانے والی اسکیم سن کر تو اُس کی جان ہی نکل گئی اور وہ سچ مچ پاگلوں کی سی

---

[1] اس سلسلے کے لئے جاسوسی دنیا کا ناول "سازش کا جال" جلد نمبر 14 ملاحظہ فرمایئے۔

حرکتیں کرنے لگا لیکن وہ بہر حال فریدی کی اسکیم تھی۔ فریدی.... جس کے متعلق اعلیٰ آفیسروں کا خیال تھا کہ کسی حد تک وہ خود بھی دیوانہ ہے۔

اس نے اسے پاگل خانے بھجوا ہی دیا۔ دس آدمیوں کے نام اُسے معلوم ہی ہو چکے تھے۔ ان میں سے کچھ ایسے تھے جو پہلے ہی روشنی میں آچکے تھے اور بقیہ کے متعلق وہ اس سے زیادہ نہ سوچ سکا کہ وہ عملی اعتبار سے تنظیم میں کوئی خاص مقام نہ رکھتے ہوں گے۔ زیادہ سے زیادہ مالی امداد کر دیتے ہوں گے.... اور بس!

گنگولی کو ٹھکانے لگا دینے کے بعد اُسے ایک خاص بات یاد آئی جسے وہ پوچھنا بھول گیا تھا۔ اُس نے پچھلی رات والے حملہ آور کے متعلق اس سے کچھ نہیں پوچھا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ بھی کوئی اہم ہی آدمی رہا ہو۔ بہر حال اب یہ بات کم از کم گنگولی سے تو نہیں معلوم کی جا سکتی تھی کیونکہ وہ پاگل خانے میں پہنچ چکا تھا اور پاگل خانہ کے منتظمین کو یہ نہیں معلوم ہو سکا تھا کہ اسے کس نے داخل کرایا ہے۔

فریدی بالکل خالی الذہن ہو رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب اس کا دوسرا اقدم کیا ہونا چاہئے۔ گنگولی کو اُس نے محض اس توقع پر پکڑوایا تھا کہ اس سے سرغنہ کے متعلق کچھ نہ کچھ ضرور معلوم ہو سکے گا لیکن وہ کچھ نہ بتا سکا۔

فریدی کافی دیر تک سوچتا رہا۔ اچانک اسے پرنس شمشاد کی حیثیت یاد آئی۔ ''وہ تنظیم سے برگشتہ ہو چکا ہے۔'' اس کے ذہن میں زوبی کے الفاظ گونجے۔

اگر وہ تنظیم سے برگشتہ ہو چکا ہے تو کافی کار آمد ثابت ہو سکتا ہے۔ فریدی سوچنے لگا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ سربراہ سے واقف ہو ورنہ برگشتگی کیا معنی رکھتی ہے۔ ایسے لوگوں سے برگشتگی کا انجام خود اُسے بھی معلوم ہوگا، جو سامنے نہ آتے ہوں جن کی شخصیتیں پردہ راز میں ہوں۔ ایسے لوگوں سے برگشتگی کے خیال سے بھی لوگ لرزتے ہیں کیونکہ معلوم نہیں وہ کب اور کہاں ہاتھ صاف کر دیں۔ یقیناً شمشاد کے لئے سربراہ کی حیثیت پردۂ راز میں نہ ہوگی اسی لئے اُس نے یہ جرأت مندانہ اقدام کیا ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے ارکان اس قسم کی حرکت نہیں کر سکتے۔ کیونکہ وہ سربراہ کی شخصیت سے واقف نہیں ہیں۔

اب فریدی سوچ رہا تھا کہ پرنس شمشاد سے کس طرح رابطہ قائم کرے۔ ویسے وہ اس کے

متعلق سب کچھ جانتا تھا۔ پرنس شمشاد بھی ریاستوں کے خاتمے سے قبل ایک چھوٹی سی ریاست کا مالک تھا۔ لیکن کیریئر کے اعتبار سے وہ ہمیشہ سے عجیب رہا تھا۔ اُس کا نام شہزور سنگھ تھا اور وہ شمشاد تخلص کرتا تھا.... اور شہزور سنگھ کے بجائے پرنس شمشاد ہی کہلانا زیادہ پسند کرتا تھا۔ شکار اور شاعری اس کے محبوب ترین مشاغل تھے۔ ریاست کے خاتمے کے بعد سے وہ گل و بلبل اور لب و رخسار کی شاعری چھوڑ کر انقلابی شاعری کرنے لگا تھا اور اکثر مجلسوں میں فخریہ کہا کرتا تھا کہ حکمرانی کے دور میں بھی اس کے خیالات انقلاب کے حق میں تھے۔ ثبوت میں وہ اپنے عشقیہ اشعار کو کھینچ تان کر انقلاب کے سر منڈھنے کی کوشش کرنے لگتا کبھی کہتا کہ گل سے مراد عوام ہیں اور گلچیں سے مراد پرانا نظام کبھی لب و رخسار کو اعلیٰ معیار حیات ثابت کر کے شاعر کو عوام کا نمائندہ بنادیتا اور لب و رخسار کے لئے اس کی بے چینی کو عوام کی بے چینی اور خواہش ثابت کرتا جو وہ اعلیٰ معیار حیات کے حصول کے لئے رکھتے ہیں۔

شہر کے درجنوں ناکارہ شاعر اس کے ٹکڑوں پر پلتے تھے۔ ان سے وہ اپنی انقلاب پسندی اور شاعرانہ صلاحیتوں کا پروپیگنڈہ کراتا تھا۔ اس کی یہ حرکت عموماً شاعروں میں ضرور انقلاب برپا کردیتی تھی۔ اس کے گرگے دوسرے شعراء پر چوٹ کرتے۔ تقدیم و تاخیر کا مسئلہ اٹھاتے اور مشاعرے میں روحِ انقلاب پر چوٹ کرتے۔ تقدیم و تاخیر کا مسئلہ شامیانے کی طنابیں کٹنے کی وجہ سے پرانا نظام سامعین، شعراء اور جناب صدر سمیت وہیں کا وہیں ڈھیر ہو کر رہ جاتا۔ بہر حال یہ تھا پرنس شمشاد۔

اس وقت فریدی کسی قسم کی احتیاط برتنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ اس نے سوچا کہ اُسے پرنس شمشاد سے براہِ راست گفتگو کرنی چاہئے۔

پرنس شمشاد نے اُسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ وہ ایک تندرست اور وجیہہ آدمی تھا۔ عمر پینتالیس سے زیادہ نہ رہی ہو گی۔ خدوخال تیکھے تھے اور آنکھیں بھوری تھیں۔

”فریدی صاحب میں نے آپ کا نام بہت سنا ہے مگر شاید آپ بہت محتاط ہیں۔ میرا مطلب ہے کہ آپ کا حلقہ احباب محدود ہے۔“ پرنس شمشاد نے کہا۔

”اس سلسلے میں محتاط سے زیادہ لفظ مصروف موزوں ہو گا۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔

”چلئے ایک آدھ بار شکار ہی کی رہے۔ میں نے سنا ہے کہ آپ شکار کا شوق رکھتے ہیں۔ میں

نے آپ کے کتوں کے متعلق بھی بہت کچھ سنا ہے۔"

"کنور شمشاد! میں اس وقت ایک ضرورت سے آیا ہوں۔"

"ہاں ہاں.... فرمائیے۔ میرے لائق کوئی خدمت۔"

"میں کنور جسپال، سرجگدیش، گنگولی یا بقیہ دوسرے سات آدمیوں میں سے بھی کسی سے مل سکتا تھا۔"

دفعتاً کنور شمشاد کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"میں نہیں سمجھا کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔" اس نے آہستہ سے کہا اور اس کی آنکھیں فریدی کے چہرے پر ہی رہیں۔

"میں جانتا ہوں کہ آپ تنظیم سے الگ کردیئے گئے ہیں۔"

"کیسی تنظیم کرنل فریدی۔"

"طاقت....!"

"میرے خدا....!" کنور شمشاد نے ایک طویل سانس لی۔

فریدی خاموشی سے اس کے چہرے کا جائزہ لیتا رہا۔

"کرنل فریدی!.... یہ ٹھیک ہے کہ اب میرا اس تنظیم سے کوئی تعلق نہیں۔"

"اور آپ تنظیم کے سربراہ کی شخصیت سے بھی واقف نہیں ہیں۔"

"یہ بھی درست ہے اور یہ حقیت ہے کہ تنظیم سے میری علیحدگی بھی اسی بناء پر ہوئی ہے۔ اصولی طور پر دیکھئے فریدی صاحب! وہ تنظیم کیسی ہوگی جس کے سربراہ کی شخصیت پردہ راز ہو۔ ظاہر ہے کہ اس کا مقصد نیک نہ ہوگا۔"

"میں آپ سے متفق ہوں۔"

"پہلے میں یہ سمجھتا تھا کہ یہ تنظیم حقیقتاً ملک و قوم کے لئے سود مند ثابت ہوگی مگر.... اور مجھے تو اب ہنسی آتی ہے۔ میں گیارہ بڑوں میں شامل تھا لیکن مجھے یقین ہے میں تنظیم کی اصلیت سے واقف نہ ہوں گا۔"

"لیکن آپ ان لوگوں تک پہنچے کس طرح تھے۔"

"زوبی....!" شمشاد ٹھنڈی سانس لیکر بولا۔ "لیڈی زوبی! اُسے تو آپ جانتے ہی ہوں گے۔"

”ہاں میں اُسے جانتا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔ ”گیارہ بڑوں میں وہ بھی شامل ہے۔“

”تب تو آپ بہت کچھ جانتے ہیں۔ مگر کیا فائدہ.... سر براہ تک پہنچنا آسان کام نہیں ہے۔“

”آپ ان لوگوں میں کس طرح پہنچے تھے۔ فی الحال میں یہ جاننا چاہتا ہوں۔“

”زوبی....!“ شمشاد نے پھر ایک ٹھنڈی سانس لی۔

”زوبی لے گئی تھی۔“ فریدی نے اس کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں۔

”ہاں کرنل.... یہ ایک مضحکہ خیز واقعہ ہے۔ عورت.... اور پھر خوبصورت عورت وہ متمول اور ذی اثر لوگوں کو پھانستی ہے اور آہستہ آہستہ ان کے خیالات بدلتی رہتی ہے.... پھر ....وہ اس تنظیم کے چکر میں پڑ جاتے ہیں۔“

”میں سمجھ گیا....!“

”اگر آپ اُن لوگوں کی تاک میں ہیں تو زوبی سے بچے رہئے گا۔“ کنور شمشاد مسکرا کر بولا۔

”مگر آپ تنظیم سے الگ کیوں ہو گئے۔“

”یہ بتا کر میں خواہ مخواہ اپنی گردن نہیں پھنساؤں گا۔“

”آپ کی گردن تو اب بھی پھنسی ہوئی ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”ہر گز نہیں! اگر میری گردن پھنسی ہوئی ہوتی تو وہ لوگ مجھے کبھی کا ختم کر چکے ہوتے۔“

”ٹھیک ہے.... میں سمجھتا ہوں۔ میں نے یہ بات یونہی کہہ دی تھی۔ آپ لوگوں کیخلاف کوئی ثبوت بہم پہنچانا آسان کام نہیں ہے۔“

”ہے نا.... تنظیم کا سر براہ شیطان کا بھی استاد معلوم ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کرنل فریدی کہ میں تنظیم سے الگ نہ ہوتا مگر ایک واقعہ جس نے میری آنکھیں کھول دیں۔ اس علیحدگی کا سبب بنا ہے۔ میں انقلاب پسند ضرور ہوں مگر ذہنی انقلاب میرا نصب العین ہے۔ اس انقلاب سے مجھے نفرت ہے جو خون خرابے کا باعث بنے۔“

فریدی اُس واقعے کا منتظر رہا جو کنور شمشاد کی علیحدگی کا باعث بنا تھا۔ لیکن شمشاد خاموش ہی رہا۔

”کس واقعے نے آپ کی آنکھیں کھول دی تھیں۔“ آخر فریدی نے پوچھا۔

”وزیر تجارت کے قتل کی سازش۔“

”اوہ....!“

"واقعی اُس دن آپ نے کمال کیا تھا۔ وہ لوگ اپنا سامنہ لے کر رہ گئے لیکن ایک آدمی پھر بھی شکار ہو گیا تھا۔"

"خنجر کس نے پھینکا تھا۔"

"اس کا مجھے علم نہیں۔ میرا خیال ہے کہ اس کا علم تین آدمیوں کے علاوہ چوتھے کو نہیں ہو گا۔ سربراہ جانتا ہو گا۔ زوبی یقیناً جانتی ہو گی کیونکہ اسی نے اسکیم بنائی تھی اور خود خنجر پھینکنے والا۔ زوبی بڑی چالاک ہے۔ انتہائی چالاک.... ایک رات اُس نے مجھ پر بھی دو فائر کیئے تھے۔ لیکن ظاہر ہے کہ میں کسی عورت کے ہاتھوں مرنا تو ہرگز پسند نہیں کروں گا۔"

"اور آپ نے زوبی کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کی۔"

"کاروائی میں اسی وقت کرتا مگر وہ کار پر تھی اور میں پیدل....!"

"میری مراد قانونی کاروائی سے تھی۔"

"نہیں۔ یہ انہیں خواہ مخواہ اشتعال دلانا ہوتا۔ غالباً آپ میرا مطلب سمجھ گئے ہوں گے۔"

"نہیں میں نہیں سمجھا۔"

"میں اَب انہیں چھیڑنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ اندھیرے سے آئے ہوئے تیر سے بچنا بہت مشکل کام ہے۔"

"خیر.... یہ آپ کا اپنا معاملہ ہے۔ ویسے میں تنظیم کے مالیات کے متعلق بھی آپ سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

"کرنل اس پر میں صرف گفتگو ہی کر سکوں گا لیکن یہ نہ بتا سکوں گا کہ روپیہ آتا کہاں سے ہے۔"

"گیارہ بڑے مفلس تو نہیں ہیں۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"دوسروں کے متعلق میں کچھ نہیں جانتا لیکن میں اپنے بارے میں نہایت صفائی سے کہہ سکتا ہوں کہ آج تک میرا ایک پیسہ بھی تنظیم پر خرچ نہیں ہوا۔"

"پھر وہاں آپ کا کیا مصرف تھا۔"

"صرف انکی میٹنگ میں شریک ہونا۔ یہ بات واضح کر دوں کہ میں بہت پرانا ممبر نہیں تھا۔"

"کیا آپ گیارہویں تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں.... میں آخری تھا۔ میرے بعد کوئی اور نہیں ہوا۔"

"آپ کتنے عرصہ رہے ہیں۔"

"غالباً ایک سال یا اس سے کچھ زیادہ۔ آہا.... وہ بھی بڑا دلچسپ واقعہ تھا۔ زوبی سے ان دنوں نئی نئی دوستی ہوئی تھی اور میں بڑی بڑی عمدہ غزلیں کہہ رہا تھا.... ہاں.... غالباً، ہاں وہی غزل تو تھی.... بہار میں.... خمار.... میں.... قرار میں.... مطلع یاد نہیں ہے اس کا ایک شعر تو....!"

"زوبی سے نئی نئی دوستی ہوئی تھی۔" فریدی نے کام کی بات یاد دلائی۔

"اوہ.... جی ہاں.... جی ہاں.... شکریہ۔ میں بہکنے لگا تھا۔ شائد آپ کو شعر و سخن سے دلچسپی نہیں ہے۔"

"قطعی نہیں۔" فریدی نے کھردرے لہجے میں کہا۔

"بہر حال.... وہ ایک بڑی خوشگوار رات تھی۔ ہم نے یونہی تفریحاً ایک نائٹ کلب میں جوا کھیلنا شروع کیا اور اپنی جیبوں کی آخری پائی بھی ہار گئے۔ پھر کھلاڑیوں کی پھبتیاں ہمارے لئے تکلیف دہ ہوتی گئیں۔ زوبی مجھے ایک طرف لے گئی اور اپنے پرس سے سونے کے دو ننھے ننھے سکے نکالے۔ میں سمجھا شائد اشرفیاں ہیں۔"

"طاقت کے سکے۔" فریدی آہستہ سے بولا۔

"اوہ کرنل.... آپ تو سب کچھ جانتے ہیں۔" شمشاد نے حیرت ظاہر کی۔

"ہاں یہ بات بھی میرے لئے بہت پرانی ہے۔ آپ کو ایک سکے کے عوض کہیں سے دو ہزار کی سرکاری کرنسی ملی ہوگی اور اس طرح زوبی نے آپ کو تنظیم کی طرف کھینچا ہوگا۔"

"بالکل یہی بات ہے۔" شمشاد اُسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"اب کنور صاحب! آپ مجھے یہ بتایئے کہ ضرغام کون ہے۔"

"بھئی کمال ہے۔" شمشاد ہنس کر بولا۔ "جو بات میں نہیں جانتا وہی آپ بھی نہیں جانتے۔"

"آپ اُس کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتے۔"

"صرف اتنا کہ وہ میرے بعد تنظیم کے بڑے آدمیوں میں شامل ہوا ہے۔"

"کیا؟ ابھی تو آپ نے کہا تھا کہ آپ آخری ممبر تھے۔" فریدی اُسے گھورنے لگا۔

"میں نے غلط کہا تھا۔ میں اس کمبخت کو بھول ہی گیا تھا۔ مجھے اس سے بڑی نفرت ہے۔ اس کے آنے سے پہلے زوبی مجھے چاہتی تھی مگر مجھے حیرت ہے کہ وہ آیا کہاں سے.... کہاں ہے؟

ویسے اس کے عادات واطوار اُسے کوئی اچھا آدمی نہیں ثابت کرتے۔"

"اکھڑ قسم کا آدمی ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"بہت زیادہ.... بعض اوقات وہ زوبی سے بھی بُری طرح پیش آتا ہے۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی، پھر فریدی نے کہا۔"میں سمجھا تھا شاید مجھے آپ سے مدد مل سکے۔"

"میں ہر خدمت کے لئے حاضر ہوں۔" شمشاد نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔

"آپ سر براہ کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔ کیا آپ کو کسی پر شبہ بھی نہیں ہے۔"

"محض شبہے سے کیا ہوتا ہے کرنل۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اس کے خلاف بھی کوئی ثبوت بہم نہ پہنچا سکیں وہ انتہائی چالاک اور ذہین معلوم ہوتا ہے۔"

"بہر حال آپ کو کسی پر شبہ ہے۔" فریدی نے کہا۔

شمشاد کسی سوچ میں پڑ گیا پھر تھوڑی دیر بعد آہستہ سے بولا۔"دیکھئے کسی نہ کسی پر شبہ ہونا قدرتی امر ہے۔ میرا خیال ہے کہ تنظیم سے تعلق رکھنے والے ہر آدمی کو کسی نہ کسی پر سر براہ ہونے کا شبہ ضرور ہوگا۔ لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس شبہے کی کچھ نہ کچھ حقیقت بھی ہوگی۔"

"آپ کو کس پر شبہ ہے۔"

"مجھے صرف تین دن کی مہلت دیجئے۔ پھر میں آپ کو بتا سکوں گا کہ مجھے کس پر شبہ ہے۔"

"یعنی آپ تین دن میں اس کا فیصلہ کریں گے کہ آپ کو کس پر شبہ ہے۔" فریدی نے مسکرا کر کہا۔

"جی نہیں! میں ان تین دنوں میں اپنے شبہے کو یقین میں تبدیل کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"یہ خدمت آپ میرے سپرد کر دیجئے۔ میں اُسے یقین میں تبدیل کرلوں گا۔"

"نہیں کرنل ابھی نہیں۔ میں بتادوں گا۔"

"خیر آپ کی مرضی۔"

فریدی نے مصلحتاً خاموشی اختیار کرلی۔ کنور شمشاد اُسے کام کا آدمی معلوم ہو رہا تھا۔

حمید ہولے ہولے کراہ رہا تھا۔ اُس کی حالت اب پہلے سے بہتر تھی۔ ڈاکٹروں کی رائے کے مطابق وہ خطرے سے نکل چکا تھا۔

اُس کے جسم پر بے شمار زخم تھے جن سے کافی مقدار میں خون بہہ گیا تھا اور اسے اتنی کمزوری محسوس ہونے لگی تھی جیسے وہ سالہا سال سے اسی حالت میں پڑا ہو۔

کچھ بھی ہو وہ فریدی کا شاگرد تھا اور اس حال میں بھی اُس نے اپنی بے بسی کا اظہار دوسروں پر نہیں ہونے دیا تھا۔

پہلی بار جب وہ ہوش میں آیا تھا تو فریدی بھی اُس کے پاس موجود تھا اور اُس نے قریب کھڑی ہوئی ایک نرس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ ”نرس جب میں مرنے لگوں تو اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دینا۔“

اس پر فریدی نے زبان سے تو کچھ نہیں کہا تھا لیکن دل ہی دل میں اس کی مستقل مزاجی کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکا۔

انور کے سر کی چوٹ بہت گہری تھی اور اُسے نقل و حرکت سے قطعی روک دیا گیا تھا۔ رشیدہ اُس کے ساتھ تھی اور کبھی کبھی وہ حمید کی طرف بھی آجاتی تھی۔

اس وقت حمید بہت زیادہ بیزار نظر آرہا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ اس وقت اس کے کمرے میں ایک بوڑھی نرس کی ڈیوٹی تھی۔ اتفاقاً رشیدہ ادھر آنکلی۔

حمید نے چھوٹتے ہی پوچھا۔ ”انور زندہ ہے یا مر گیا۔“

”نہیں وہ زندہ ہے اور اس کی حالت تم سے اچھی ہے۔“ رشیدہ نے جواب دیا۔

”نہیں مرے گا۔“

”ہرگز نہیں۔ کیا تم چاہتے ہو کہ وہ مر جائے۔“

”ہاں میں چاہتا ہوں۔“

”کیوں....؟“

”وجہ پوچھتی ہو!“ حمید ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔

”فضول باتیں نہ کرو۔ میں تم سے یہ پوچھنے آئی تھی کہ فریدی صاحب کہاں ملیں گے۔“

”وہ خود بھی اسی چکر میں ہیں۔ ورنہ انور کو ایسی مہم پر کیوں لے جاتے۔“

”تم سے خدا سمجھے۔ قبر کے کنارے پہنچ گئے ہو مگر اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے۔“

”رشو! ڈیئر! مجھے اس کی خوشی ہے کہ میرا چہرہ برباد ہونے سے بچ گیا۔“

"مجھے فریدی صاحب کا پتہ بتاؤ.... پریشان نہ کرو۔"

"کیوں؟ کیا کوئی خاص بات ہے۔"

"میں ان سے پوچھوں گی کہ یہ کن لوگوں کی حرکت ہے۔"

"اوہو.... کیا ارادے ہیں۔"

"کیا اس معاملے کا کچھ تعلق لیڈی زوبی سے بھی ہے۔" رشیدہ نے پوچھا۔

"کیوں تمہیں کیسے علم ہوا۔ کیا انور نے بتایا ہے۔"

"نہیں.... وہ بیہوشی کے دوران میں کئی بار اس کا نام لے چکا ہے۔"

"ہوگا.... میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔"

"تم جانتے ہو.... ورنہ اس طرح چونک کر سوال کیوں کرتے۔ خیر نہ بتاؤ۔ میں خود دیکھ لوں گی۔ انور سے پوچھا تھا لیکن وہ بھی ٹال رہا ہے۔"

"یہ سب کچھ تمہارے بس کا نہیں ہے۔" حمید نے کہا۔

"لیڈی زوبی۔" رشیدہ کچھ سوچتی ہوئی بڑبڑائی۔ "وہ کوئی اچھی عورت نہیں ہے۔ میں اُسے اچھی طرح جانتی ہوں۔ مجھ سے بچ کر وہ کہاں جائے گی۔"

پھر حمید کے کچھ بولنے سے قبل ہی وہ کمرے سے چلی گئی۔

آٹھ بڑوں کی شامت

کنور جسپال اور سر جگدیش ہائی سرکل نائٹ کلب کے ایک مخصوص کیبن میں خاموش بیٹھے تھے۔ انہیں شائد کسی کا انتظار تھا۔

کچھ دیر بعد سر جگدیش نے کہا۔ "بھئی اگر فریدی ہماری راہ پر لگ گیا ہے تو....!"

"اس کی پرواہ نہ کیجئے سر جگدیش....!" کنور جسپال اس کی بات کاٹ کر بولا۔

"وہ بیچارا کرے گا کیا۔ اگر واقعی وہ کچھ کر سکتا ہوتا تو اس رات برکلے ہاؤز سے بھاگتا کیوں۔ میرا خیال ہے کہ اس نے ہماری گفتگو بھی اچھی طرح سن لی ہوگی۔"

"یقیناً سنی ہوگی۔ ضرغام تو اس وقت نمودار ہوا تھا جب ہماری گفتگو اختتام پر تھی۔"

"پھر بتائیے.... اُس نے ہمارا کیا بگاڑ لیا۔"

"لیکن.... طاقت خوفزدہ معلوم ہوتا ہے۔ اُس نے ساری مشینیں اٹھوالی ہیں۔"

"احتیاط تو بہر حال کرنی ہی پڑے گی۔" کنور جسپال نے کہا۔ "اگر اُن میں سے ایک بھی مشین حکومت کے ہاتھ لگ جاتی تو سارا کھیل بگڑ جاتا۔ یہ طاقت کا اپنا راز ہے۔"

"طاقت بذات خود راز ہے۔" سر جگدیش نے کہا۔ "میں تو بعض اوقات سوچتا ہوں کہ کہیں اسی اہم پُر اسرار آدمی ہی کے ہاتھوں نہ مارے جائیں۔"

"نہیں یہ ایک فضول سا خیال ہے۔" کنور جسپال بولا۔

"کیوں! کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ.... ارے.... یہ کیا....!" سر جگدیش بات کرتے کرتے اچھل پڑا۔ یہی کیفیت کنور جسپال کی بھی ہوئی۔

میز سے کوئی ٹھوس چیز ٹکرا کر نیچے گری تھی۔ وہ دونوں چند لمحے اُسے گھورتے رہے۔ پھر کنور جسپال نے جھک کر اُسے اٹھالیا۔

وہ کاغذ میں لپٹا ہوا پتھر کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا تھا۔ پہلے تو وہ پتھر کے ٹکڑے کو الٹ پلٹ کر دیکھتے رہے پھر سر جگدیش نے کاغذ کو فرش سے اٹھالیا۔

"اوہو.... یہ بات ہے۔" وہ آہستہ سے بڑبڑایا۔ پھر اُس نے کاغذ کنور جسپال کیطرف بڑھادیا۔

کاغذ پر تحریر تھا

> "زوبی کا انتظار مت کرو۔ وہ نہیں آئے گی۔ پبلک مقامات پر بیٹھ کر طاقت کا تذکرہ کرنا درست نہیں۔ احتیاط رکھو.... اور اس وقت تم دونوں کو اپنی کوٹھیوں میں ہونا چاہئے تھا.... ویسے کسی سے ہراساں ہونے کی ضرورت نہیں۔ فریدی یا کوئی دوسرا تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ طاقت سے بھی خوف کھانا فضول ہے۔ وہ اپنے مخالفوں کا بھی خون کرنا پسند نہیں کرتا۔ کیا تمہارے سامنے کنور شمشاد کی مثال نہیں ہے۔"

تحریر پڑھ کر تھوڑی دیر تک وہ دونوں بے حس و حرکت بیٹھے رہے۔ پھر کنور جسپال نے کہا۔

"یہاں سے ہمیں اٹھ جانا چاہئے۔"

سر جگدیش کچھ نہ بولا۔ اُس کے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے لیکن اس کے برخلاف کنور

جسپال مطمئن نظر آرہا تھا۔

سرجگدیش اپنی کار میں بیٹھ کر کوٹھی کی طرف روانہ ہوگیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا کنور جسپال ہی طاقت ہے۔ کیونکہ اسے اُس کے چہرے پر بے اطمینانی کے آثار نہیں نظر آئے تھے۔ اس طرح رقعہ پھینکنے کا کام وہ کسی دوسرے سے بھی لے سکتا تھا اور یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ تنظیم محض انہیں دس آدمیوں تک محدود نہیں ہے طاقت کے بے شمار ایجنٹ ملک بھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ سرجگدیش کو ایک جھرجھری سی آئی۔ خیالات کی رو تھوڑی دیر کے لئے دوسری طرف بھٹک گئی۔ لیکن اسے دوبارہ طاقت کی طرف آنے میں دیر نہیں لگی۔ سرجگدیش سوچ رہا تھا کہ جس طرح اُس نے وہ عجیب وغریب مشین شہر کے سارے خفیہ مقامات سے اٹھوالی ہے اُسی طرح وہ ضرورت پڑنے پر ان دس بڑے آدمیوں کو بھی ٹھکانے لگا سکتا ہے۔

کار شہر کی سڑکوں سے گذرتی رہی۔ سرجگدیش کو اس کا احساس ہی نہ ہو سکا کہ وہ کب نائٹ کلب سے اٹھا اور کب گھر پہنچ گیا۔

کار پھاٹک کے اندر داخل ہو ہی رہی تھی کہ ایک فائر ہوا اور اس کا پچھلا شیشہ چکنا چور ہوگیا پھر دوسرا فائر ہوا اور سرجگدیش کی چیخ سناٹے میں دور تک لہراتی چلی گئی۔

❁

کنور جسپال بھی ہائی سرکل نائٹ کلب سے اٹھ کر اپنی کوٹھی کی طرف روانہ ہوگیا تھا۔ اس کا گیراج کوٹھی کی کمپاؤنڈ ہی میں تھا لیکن اس کا فاصلہ اصل عمارت سے تقریباً ایک فرلانگ ضرور رہا ہوگا۔ وہ کار کو پورچ کی طرف لے جانے کی بجائے سیدھا گیراج کی طرف لیتا چلا گیا۔

اس سے دراصل بے خیالی میں یہ غیر معمولی واقعہ سرزد ہوگیا تھا ورنہ آج تک اس نے گیراج کی شکل بھی نہیں دیکھی تھی۔ عموماً پورچ سے گیراج تک کار کوئی نہ کوئی ڈرائیور ہی لے جایا کرتا تھا۔ گیراج کے قریب پہنچ کر اُسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ بہرحال وہ گیراج سے عمارت کی طرف پیدل ہی واپس ہوا۔

عقبی پارک والے راستے کے قریب پہنچ کر وہ یک بیک ٹھٹک گیا۔ مہندی کی قدِ آدم باڑھ کے پیچھے اُسے ہلکی سی روشنی دکھائی دی تھی۔ روشنی کا ایک ننھا سا دائرہ جو آہستہ آہستہ حرکت کر رہا تھا۔

کنور جسپال چپ چاپ کھڑا اُسے دیکھتا رہا۔ پھر تیزی سے آگے بڑھا۔ اچانک دوسری طرف سے کسی نے اس پر چھلانگ لگائی۔ کنور جسپال دانت کچکچا کر پلٹ پڑا لیکن حملہ آور کمزور نہیں تھا اس نے اپنا ایک ہاتھ کنور جسپال کے منہ پر جما دیا تھا اور دوسرے ہاتھ سے اس زور کا گھونسہ اسکے پیٹ پر رسید کیا کہ وہ دوہرا ہو گیا۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ زمین پر تھا اور حملہ آور اسکے سینے پر۔

حملہ آور کا داہنا ہاتھ بلند ہوا اور کنور جسپال کے حلق سے ہلکی سی کراہ نکلی اس کا سر چکرا گیا۔ آنکھیں بند ہو گئیں مکمل بے خبری کا لمحہ ....اور پھر جب دوبارہ اُس کی آنکھیں کھلیں تو اسے اپنے دل کی دھڑکنیں تالو میں محسوس ہو رہی تھیں۔ حلق خشک ہو گیا تھا۔

حملہ آور فرار ہو چکا تھا۔ کنور جسپال نے اٹھنا چاہا لیکن اس کے منہ سے ایک تیز قسم کی چیخ نکلی اور وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکا۔ پہلی چیخ تو غیر ارادی طور پر بے ساختہ نکلی تھی لیکن اب اس نے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے چیخنا شروع کر دیا تھا۔ اس کی سمجھ ہی میں نہیں آرہا تھا کہ اسے کیا ہو گیا ہے اس کی چیخیں سن کر کوٹھی سے کئی آدمی دوڑ پڑے، ان کے ہاتھوں میں ٹارچیں تھیں۔ انہوں نے کنور جسپال کو زمین پر چت پڑا دیکھا۔ اُس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور وہ اندھوں کی طرح پلکیں جھپکا رہا تھا۔ اس کے داہنے بازو میں ایک خنجر دستے تک پیوست تھا۔ غالباً وہ بازو کا گوشت چھیدتا ہوا زمین میں اتر گیا تھا۔ کنور جسپال اچھے تن و توش اور مضبوط جسم کا آدمی تھا۔ بزدل بھی نہیں تھا۔ اگر وہ چاہتا تو خود ہی بائیں ہاتھ سے خنجر نکال کر اٹھ سکتا تھا مگر معاملہ اس کی سمجھ میں آیا نہیں تھا۔

خنجر اس کے بازو سے کھینچا گیا لیکن خنجر پر نظر پڑتے ہی کنور جسپال اپنی چوٹ بھول گیا۔

یہ خنجر بالکل اُسی ساخت کا تھا جس ساخت کا وزیر تجارت پر پھینکا گیا تھا.... سرمو فرق نہیں تھا اور اس نے اسی قسم کا خنجر اکثر نصرت خان کے پاس بھی دیکھا تھا۔ کنور کے ہونٹ بھینچ گئے۔ کچھ دیر قبل جس چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی غصہ سے سرخ نظر آنے لگا۔

دوسرے لمحے میں وہ ان لوگوں کو وہیں چھوڑ کر کوٹھی کی طرف جا رہا تھا۔

❁

دوسری صبح کا اخبار کم از کم زوبی کے لئے بڑا پریشان کن تھا۔ سر جگدیش پر ریوالور سے حملہ۔ گولی بائیں شانے کو چھوتی ہوئی گذر گئی۔ کنور جسپال پر خنجر سے حملہ.... سیٹھ چمن لال کے یہاں

بم پھینکا گیا۔ مسٹر جاوید پر فائر۔ وہ بال بال بچا۔ سر جمشید کی کار ایک جیپ سے ٹکرا گئی اور اُسے زخمی حالت میں ہسپتال پہنچا دیا گیا۔ جیپ کا ڈرائیور غائب.... جیپ چوری کی تھی۔

غرضیکہ ایک ہی رات میں شہر کے آٹھ بڑے آدمیوں پر مختلف قسم کی مصیبتیں نازل ہوئی تھیں اور یہ آٹھ بڑے آدمی تنظیم کے کارکن تھے لیکن ان میں کوئی بھی مرا نہیں تھا۔

زوبی اخبار پھینک کر کھڑی ہو گئی۔ تنظیم کے گیارہ کارکن تھے۔ کنور شمشاد کی علیحدگی کے بعد دس رہ گئے تھے جن میں زوبی بھی شامل تھی۔

آٹھ کارکنوں کے متعلق اُس نے اخبار میں بُری خبریں پڑھیں لہٰذا نصرت خان کے لئے اُس کی تشویش قدرتی تھی۔

دس منٹ کے اندر ہی اندر وہ نصرت خان کی قیام گاہ کی طرف روانہ ہو گئی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کیا طاقت اب انہیں ختم کر دینا چاہتا ہے لیکن وہ اپنے اس خیال کی تائید نہ کر سکی۔ ایسی حرکتیں عموماً اُس وقت کی جاتی ہیں جب کسی راز کے فاش ہو جانے کا ڈر ہو.... طاقت کو اس قسم کا کوئی خوف نہیں ہو سکتا کوئی نہیں جانتا کہ وہ کون ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ اس تک کس طرح رسائی ہو سکتی ہے لیکن پھر.... آخر ان حملوں کی وجہ؟

اس نے نصرت خان کو اسی حال میں دیکھا جس حال میں پچھلے دن چھوڑ کر گئی تھی۔ وہ ایک پہیوں دار کرسی پر بیٹھا لان کے چکر لگا رہا تھا اور اس کے ہاتھ میں بھی صبح کا اخبار تھا۔

زوبی کو دیکھ کر اُس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"تم ٹھیک ہونا۔" زوبی نے کار سے اترتے ہی پوچھا۔

"ہاں میں ٹھیک ہوں.... اور اس وقت تمہارے ہی متعلق سوچ رہا تھا۔"

"اخبار دیکھا۔"

"ہاں.... دیکھا.... یہ سب اپنے ہی آدمی ہیں۔ میں سوچ رہا تھا کہ کہیں تم بھی کسی حادثے کا شکار نہ ہو گئی ہو۔"

"نہیں.... میں محفوظ ہوں! مگر یہ خبریں۔"

"ٹھیک ہے! آخر ہم دونوں کیوں محفوظ ہیں۔" نصرت خان نے کہا۔

"شائد تم نے بھی یہی سوچا ہے، جو میں سوچ رہی تھی۔"

"تم نے کیا سوچا تھا۔"

"طاقت....!"

"میں یقین نہیں کر سکتا۔ حالانکہ میں اُس کا چہرہ کبھی نہیں دیکھ سکا لیکن وہ مجھے ایسا آدمی نہیں معلوم ہوتا کہ دوستوں کو دغا دے۔"

"پھر کیا بات ہو سکتی ہے۔"

"خدا جانے.... اور اُن میں سے کوئی مرا بھی نہیں۔" نصرت خان بولا۔

"مشین تہہ خانے ہی میں ہے یا اٹھوالی گئی۔" زوبی نے پوچھا۔

"وہیں ہے! اچھا ہوا تم آ گئیں۔ میں نیچے نہیں جا سکتا۔ پیر کی تکلیف بڑھ گئی ہے۔"

نصرت خان آج ضرورت سے زیادہ مہذب نظر آرہا تھا اس نے ایک بار بھی اپنے جنگلی پن کا مظاہرہ نہیں کیا۔ پتہ نہیں کیا بات تھی۔

زوبی تہہ خانے میں آئی۔ کافی دیر تک مشین حرکت میں رہی لیکن.... دوسری طرف سے کوئی آواز نہ سنائی دی۔ آخر زوبی نے مشین بند کر دی اور پھر اوپر آ گئی۔

ایک دن یہیں اس نے طاقت سے فون پر بھی گفتگو کی تھی لیکن اُس کا ٹیلی فون نمبر شائد نصرت خان کو بھی نہیں معلوم تھا۔ وہ اکثر صرف اس کی کال ریسیو کیا کرتا تھا۔

زوبی نے اس کا تذکرہ نصرت خان سے کیا لیکن اس نے طاقت کے فون نمبر سے لاعلمی ظاہر کی اور پھر وہ دونوں اسی کمرے میں آ بیٹھے جہاں فون رکھا ہوا تھا۔

تقریباً ساڑھے دس بجے تک فون کی گھنٹی بجی اور زوبی نے جھپٹ کر ریسیور اٹھا لیا۔

دوسری طرف سے بولنے والا وہی پُر اسرار آدمی تھا جسے وہ لوگ طاقت کے نام سے جانتے تھے۔

"کون.... زوبی.... خوب! اچھا ہوا کہ تم یہیں موجود ہو۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"مشین پر جاؤ۔"

زوبی ریسیور رکھ کر تہہ خانے کی طرف بھاگی۔ نصرت خان اُسے آوازیں ہی دیتا رہ گیا۔

مشین پر طاقت کی آواز سنائی دی۔ "زوبی....!"

"جی ہاں میں ہی ہوں۔"

"تم اور ضرغام محفوظ ہو نا۔"

"جی ہاں.... لیکن....!"

"اوہ....! یقیناً تم غلط فہمی میں مبتلا ہو گئی ہو گی۔ ان واقعات کا میری ذات سے کوئی تعلق نہیں لیکن میں شاید دوسروں کو یقین نہ دلا سکوں۔"

"مجھے یقین ہے۔" زوبی جلدی سے بولی۔

"اور ضرغام کا کیا خیال ہے۔"

"وہ آپ کو ایک وفاشعار دوست تصور کرتا ہے۔"

"یہ فریدی کی حرکت ہے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ہیں....!" زوبی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"ہاں! فریدی کی.... مگر یہ حرکت اس کے حق میں نتیجہ خیز نہیں ہو سکتی۔ تم خود سوچو کہ وہ اس سے کیا فائدہ اٹھا سکتا ہے لیکن اس کی معلومات کی تو داد دینی ہی پڑے گی۔ اس نے تم دونوں کو چھوڑ دیا گویا اُسے یقین ہے کہ تم دونوں کسی حال میں بھی میری طرف سے بدگمان نہیں ہو سکتے.... اور اُس نے پرنس شمشاد کو بھی چھوڑ دیا ہے۔ یعنی وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اب اُس کا تنظیم سے کوئی تعلق نہیں۔"

"مگر جناب.... اس حرکت کا مقصد کیا ہو سکتا ہے۔"

"مقصد صاف ہے۔ اُس نے اُن میں سے کسی کو بھی جان سے نہیں مارا۔ اُس نے سوچا ہو گا ممکن ہے ان میں سے کوئی میری شخصیت سے واقف ہی ہو اور اپنی جان کی سلامتی کے لئے پولیس کو میرا پتہ نشان بتا دے۔"

"اگر وہ یہی سمجھتا ہے تو احمق ہے۔" زوبی نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ کنور شمشاد اُس سے مل گیا ہے۔"

"ملنے دو! اُس کی پرواہ نہ کرو۔ شمشاد ہی کی مثال اُسے پاگل کر دینے کے لئے کافی ہو گی۔ یعنی میں نے اپنے ایک مخالف کو بھی اپنے راستے سے ہٹانے کی کوشش نہیں کی۔"

"لیکن دیکھئے! فریدی نے میری پوزیشن کتنے خطرے میں ڈال دی ہے۔" زوبی نے کہا۔

"یقیناً.... مجھے اس کا احساس ہے۔ جب آٹھ بڑے تمہیں ہر طرح محفوظ دیکھیں گے تو لامحالہ انہیں اُن وارداتوں میں میرا ہاتھ نظر آنے لگے گا.... اور وہ تمہارے دشمن ہو جائیں

گے۔ اُن سب کا خیال ہے کہ تم میری شخصیت سے واقف ہو۔"

"درست فرمایا.... لیکن فریدی کیلئے کیا کیا جائے۔"

"فکر مت کرو۔ بس دیکھتی جاؤ۔ اُسے خودکشی کرنی پڑیگی۔ یہی میری خواہش بھی ہے ورنہ میں اسے جس وقت چاہوں ٹھکانے لگا سکتا ہوں۔ میں تو اندھیرے کا تیر ہوں۔ کیا سمجھیں۔"

زوبی نے ہلکا سا قہقہہ سنا اور پھر طاقت نے کہا "زوبی تمہیں اسکی طرف سے ہوشیار رہنا چاہیئے۔"

"اُوہو! تو کیا آپ میری خبر گیری نہ کریں گے۔"

"کیوں نہیں۔ مگر تم اب کچھ دنوں کے لئے ضرغام کی کوٹھی ہی میں قیام کرو گی تمہیں ہر حال میں اس کی حفاظت کرنی چاہیئے اس کی اہمیت میں تم پر پہلے ہی ظاہر کر چکا ہوں۔"

"میں جانتی ہوں! آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہی ہو گا۔ مگر.... ایک بات سمجھ میں نہیں آئی کہ آخر فریدی نے ایک ہی رات میں اتنی بہت سی وارداتیں کیسے کر ڈالیں۔"

"اس کی بلیک فورس کام کر رہی ہے زوبی۔ اُس نے اپنے محکمے کے کسی آدمی سے کوئی مدد نہیں لی۔ تمہاری کوششوں کی بناء پر اُس کے آفیسر اُس کے خلاف ہو گئے ہیں اور اب اُسے محکمے سے کوئی امداد نہیں مل رہی ہے۔ میرا خیال ہے کہ وزیر تجارت کے قتل کی سازش کی تفتیش کے لئے کوئی دوسرا آدمی مقرر کیا جائے گا۔"

"پھر آخر یہ اپنی ٹانگ کیوں اڑا رہا ہے۔"

"بس ضدی ہے جس بات کے پیچھے پڑ جائے اور پھر اُسے اپنے اسسٹنٹ کے زخمی ہو جانے پر بھی غصہ ہے۔"

"آپ اس کا قصہ ہی کیوں نہیں پاک کر دیتے۔"

"یوں نہیں.... بات تو جب ہے کہ وہ اپنے ہاتھوں ہی سے اپنا گلا گھونٹ لے۔ بعض اوقات میں بھی تھوڑی سی تفریح چاہتا ہوں۔ میری تفریح یہی ہے کہ میں اپنے دشمنوں کو خودکشی پر مجبور کر دیتا ہوں۔"

"میرے لئے اور کوئی کام....!" زوبی نے پوچھا۔

"نہیں.... بس اتنا ہی کہ تم ضرغام کی دیکھ بھال کرو۔ میں تمہیں لیڈی فیروز کے بجائے ملکہ مقلاق دیکھنا چاہتا ہوں۔ اچھا اب.... بس....!"

دوسری طرف سے آواز آنی بند ہو گئی۔

بلیک میلر کی تلاش

آخر رشیدہ فریدی تک پہنچ ہی گئی۔ وہ بندرگاہ کے علاقے کے ایک بار میں بیٹھا ہوا اُسے مل گیا۔ رشیدہ بھی اُدھر کسی کام ہی سے آئی تھی۔ اُسے فریدی کو بار میں دیکھ کر حیرت ہوئی۔ وہ جانتی تھی کہ فریدی شراب نہیں پیتا۔

"اوہو.... تم یہاں....!" فریدی نے رشیدہ کو دیکھ کر حیرت ظاہر کی۔

"مجھے آپ کی تلاش تھی۔ اتفاقاً آپ یہاں نظر آ گئے۔"

"کیوں.... انور کیسا ہے؟"

"پہلے سے بہت بہتر اور حمید صاحب بھی ٹھیک ہی ہیں۔"

"لیکن تمہیں میری تلاش کیوں تھی۔"

"میں یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ ان واقعات کا لیڈی زوبی سے کیا تعلق ہے۔"

"ہوں....!" فریدی اُسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھنے لگا۔ "انور نے کیا بتایا ہے۔"

"اس نے تو مجھے کچھ بھی نہیں بتایا۔"

"پھر....!"

"بیہوشی کے دوران میں اس نے کئی بار زوبی کا نام لیا تھا۔"

"فرض کرو! میں نے تعلق بتا بھی دیا تو تم کیا کرو گی۔"

"جو کچھ مجھ سے ہو سکے گا.... زوبی کے متعلق میں سب کچھ جانتی ہوں۔"

"کیا جانتی ہو۔"

"لیڈی فیروز سے پہلے وہ اتنی باعزت نہیں تھی۔" رشیدہ نے کہا۔

"کیوں! ویسے بھی وہ سر جمشید کی بہن ہے۔"

"سر جمشید اس سے متنفر تھا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی اسے اس کی بہن سمجھے یہی حالت آج بھی ہے۔"

"خیر یہ چیز موجودہ معاملات سے قطعی غیر متعلق ہے۔"

"میں یہ کہہ رہی تھی کہ لیڈی فیروز بننے سے قبل وہ ایک بلیک میلر کی ایجنٹ تھی۔"

"اوہو.....!" فریدی آگے کی طرف جھک آیا۔ "تم ایک نئی بات بتا رہی ہو۔"

"سر فیروز کے ساتھ اُس کی شادی بھی ایک معمہ ہے۔ جس زمانے میں وہ اُس بلیک میلر کی ایجنٹ تھی اُسی دوران میں اس نے سر فیروز سے ملنا جلنا شروع کیا پھر ایک دن دونوں کی شادی کا اعلان ہو گیا۔"

"لیکن تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا۔"

"سر جمشید! زوبی کے مشاغل کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ میری ایک دوست کے ذریعہ اس نے یہ کام میرے سپرد کر دیا تھا۔"

"تو تم اُس بلیک میلر کے بارے میں بھی کچھ نہ کچھ ضرور جانتی ہو گی۔"

"جی ہاں! وہ مسٹر مورگن کہلاتا تھا۔ کوئی دیسی عیسائی تھا اور اس کے پاس بہت سی لڑکیاں تھیں اور وہ سب اپنے پہلے نام کے ساتھ مورگن لکھتی تھیں۔"

"اوہ.....!" فریدی کچھ سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے پوچھا۔

"کیا ان میں کوئی ڈریلا مورگن بھی تھی۔"

"یقیناً تھی..... مجھے اچھی طرح یاد ہے۔"

"اسکے اوپری ہونٹ کے بائیں گوشے پر ایک ابھرا ہوا سرخ رنگ کا تل تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"جی ہاں..... مجھے یاد پڑتا ہے یقیناً تھا.....!"

"تم کہتی ہو کئی لڑکیاں اپنے ناموں کے ساتھ مورگن استعمال کرتی تھیں۔"

"جی ہاں۔"

"تو وہ سب بیویاں ہونے سے رہیں۔" فریدی نے کہا۔

"اور لڑکیاں بھی نہیں ہو سکتیں۔" رشیدہ مسکرا کر بولی۔ "اگر لڑکیاں تھیں تو وہ سب بیک وقت پیدا ہوئی ہوں گی کیونکہ وہ سب تقریباً ہم عمر تھیں۔"

"مورگن اب کہاں مل سکے گا؟"

"یہ بتانا بہت دشوار ہے۔"

"اچھا اس کا حلیہ ہی بتاؤ۔"

"افسوس! یہ بھی مشکل ہے۔ میں نے ایک بار صرف اس کی جھلک دیکھی تھی اور چہرہ بھی میرے سامنے نہیں تھا۔ ویسے اتنا ضرور بتا سکتی ہوں کہ وہ ایک دراز قد آدمی تھا.... اور اُس وقت نیلے سوٹ میں ملبوس تھا۔"

"تم نے اُسے کہاں دیکھا تھا۔"

"یہیں کے ایک ہوٹل میں۔"

"کس ہوٹل میں۔"

"جیکسنز کارنر میں.... وہ ہوٹل آج بھی ہے اور غالباً اس کا مالک بھی وہی ہے جو اس زمانے میں تھا.... اور یہ بھی سنئے کہ وہ مورگن کا مستقل اڈا تھا۔"

فریدی خاموش رہا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اُس نے کہا۔

"تم شاید اسی چکر میں ادھر آئی تھیں۔ اچھا ہوا کہ مجھ سے پہلے ملاقات ہوگئی۔ اب تم ہسپتال جاؤ۔ انور اور حمید کی دیکھ بھال اچھی طرح ہونی چاہئے اور اس معاملے کو مجھ پر چھوڑ دو۔ اگر تمہاری ضرورت محسوس ہوئی تو تمہیں اطلاع دے دی جائے گی.... بس اب جاؤ۔"

"میں چاہتی.... تھی....!"

"نہیں کچھ نہیں.... تم جا سکتی ہو۔"

رشیدہ چپ چاپ اٹھی اور چلی گئی۔ بار ٹنڈر اسے جاتے دیکھتا رہا۔ یہ وہی بار ٹنڈر تھا جس کی مرمت ایک بار فریدی ہارڈی کے سلسلے میں کر چکا تھا۔ رشیدہ کے چلے جانے کے بعد وہ خوف زدہ نظروں سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔ رشیدہ کے آنے پر وہ سمجھا تھا کہ شاید فریدی اُسی کا منتظر تھا لیکن اس کے تنہا واپس جانے پر اسکی سانس پھولنے لگی۔ فریدی یہاں بہت دیر سے بیٹھا تھا۔ بس یونہی... نہ تو اس نے ابھی تک کوئی چیز طلب کی تھی اور نہ بار ٹنڈر ہی کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

بار ٹنڈر کانپتے ہوئے ہاتھوں سے گلاس صاف کر کے انہیں ریک میں لگاتا رہا لیکن اس کی نظریں فریدی ہی پر تھیں۔ اچانک فریدی نے اُسے اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا اور اس کے ہاتھ سے گلاس چھوٹ کر فرش پر گرا۔ چھناکے کی آواز کمرے میں گونج کر رہ گئی۔

"یہہ.... یہہ.... یس سر....!" وہ ہکلایا۔

"ادھر آؤ....!" فریدی کا لہجہ انتہائی سرد تھا۔

بارٹنڈر لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے اس کی طرف بڑھا۔

"بیٹھ جاؤ۔" فریدی نے کہا۔

لیکن بارٹنڈر کھڑا کانپتا رہا۔

"بیٹھو! اس وقت یہاں تمہارا کوئی خریدار موجود نہیں ہے۔" فریدی جھنجھلا گیا۔

"آپکے حکم سے بیٹھ رہا ہوں۔" بارٹنڈر کانپتا ہوا بولا۔ "ورنہ آپکے برابر کیسے بیٹھ سکتا ہوں۔"

"جیکسنز کارنر کا مالک کون ہے۔" فریدی نے پوچھا۔

"شاید اب میری موت قریب آ گئی ہے۔" بارٹنڈر بڑبڑایا۔

"میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔"

"جناب آپ مجھ سے ہمیشہ خطرناک آدمیوں کے متعلق پوچھتے ہیں۔"

"تم نے پھر بکواس شروع کر دی۔"

"جناب والا.... پچھلی بار....!"

جملہ پورا ہونے سے قبل ہی فریدی نے اس کے گریبان پر ہاتھ ڈال دیا۔

"بتاتا ہوں...." بارٹنڈر رو دینے والی آواز میں بولا۔ "اس کا مالک حقیقتاً گومے ہے لیکن یہ بات بہت کم آدمیوں کو معلوم ہے۔ عام آدمی سمجھتے ہیں کہ اس کا مالک پنٹو ہے۔"

"گومے کب سے اس کا مالک ہے۔"

"ٹھہریئے.... بتاتا ہوں۔" بارٹنڈر نے کہا اور انگلیوں پر کچھ گننے لگا پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ "شاید پندرہ سال.... بیس بھی ہو سکتے ہیں۔"

"ہوں.... اور گومے ملتا کہاں ہے۔"

"وہ... دیکھئے... یہ تو مجھے معلوم نہیں... یہ آپکو وہی آدمی پنٹو بتا سکے گا۔ گومے پنٹو کی بیوی کا شوہر ہے۔ اتنا میں ضرور جانتا ہوں اس لئے گومے نے پنٹو کو سیاہ و سفید کا مالک بنا رکھا ہے۔"

"یاد کر کے بتاؤ۔ کیا تم کبھی کسی مسٹر مورگن سے بھی واقف تھے، جو جیکسنز کارنر میں بیٹھا کرتا تھا۔"

"جناب! میں جانتا ہوں۔ وہ وہیں مقیم تھا۔ ایک پُر اسرار آدمی۔ یہاں کے سبھی لوگوں نے

اس کا نام سنا تھا لیکن شاید ہی کسی نے کبھی اسے دیکھا ہو۔ ویسے اس کی فیاضی کے قصے اس علاقے میں عام تھے۔"

فریدی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ "پنٹو ہر وقت وہاں ملتا ہے۔"

"جی ہاں....!"

"وہ یہاں کتنی مدت سے ہے۔"

"پانچ سال سے۔"

"اچھا اب تم جا سکتے ہو۔"

"شش.... شکریہ! جناب والا۔" بارٹنڈر اٹھ کر پھر کاؤنٹر کے پیچھے چلا گیا۔ فریدی بھی ایور گرین بار سے نکل کر جیکسنز کارنر کی طرف چل پڑا۔ یہ ہوٹل یہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔

آج وہ پھر ادھر ہارڈی ہی کے چکر میں آیا تھا لیکن اس سے ملاقات نہ ہونے پر ایور گرین میں آبیٹھا تھا۔

جیکسنز کارنر میں پہنچ کر فریدی نے ایک ویٹر سے پنٹو کے متعلق پوچھا اور اس نے اُسے ایک چھوٹے سے کمرے میں پہنچا دیا جہاں ایک پستہ قد آدمی ایک بڑی سی میز کے سرے پر بیٹھا پائپ پی رہا تھا۔ فریدی کو دیکھ کر وہ کھڑا ہو گیا۔ لیکن شاید وہ اُسے پہچانتا نہیں تھا۔

"فرمایئے جناب۔" وہ اپنے ہاتھ ملتا ہوا بولا۔ "تشریف رکھئے۔"

"میں مسٹر گومے سے ملنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"کس لئے....!"

"اگر میں یہ نہ بتانا چاہوں تو۔" فریدی نے خواہ مخواہ چڑچڑے پن کا مظاہرہ کیا۔

"تب پھر میں آپ کی کوئی خدمت نہ کر سکوں گا۔"

"کیا یہ بتانا ضروری ہے کہ میں ان سے کیوں ملنا چاہتا ہوں۔"

"قطعی جناب! یہ مسٹر گومے کا حکم ہے۔"

"کچھ کاروباری گفتگو کروں گا۔" فریدی نے کہا۔ "میرا تعلق موڈرن ڈسٹلری سے ہے۔"

"اوہ.... تو آپ وہ گفتگو مجھ سے کر سکتے ہیں۔"

"مسٹر پنٹو! میرا وقت نہ برباد کیجئے۔ مجھے بتایئے کہ مسٹر گومے کہاں ملیں گے۔ میں اُن کے

علاوہ اور کسی سے گفتگو نہیں کر سکتا۔ اس معاملے کی نوعیت الگ ہے۔“

پنٹو چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر فون پر کسی کے نمبر ڈائیل کرنے لگا اور فریدی نے وہ نمبر اپنے ذہن میں محفوظ کر لئے۔ فون پر ایک یا ڈیڑھ منٹ کی گفتگو کے بعد پنٹو فریدی کی طرف مڑا۔

”سات بجے آپ ان سے مورائیل مینشن کے آٹھویں فلیٹ میں مل سکتے ہیں۔“

”شکریہ مسٹر پنٹو.....!“ فریدی نے کہا۔ میز سے اپنی فلٹ ہیٹ اٹھائی اور کمرے سے نکل آیا۔

فریدی جیسے ہی اپنے آفس میں داخل ہوا سرجنٹ رمیش نے اُسے بتایا کہ آئی جی کے آفس میں اُسے طلب کیا گیا ہے۔

”حمید کا کیا حال ہے۔“ فریدی نے پوچھا۔ ”تم ہسپتال گئے تھے۔“

”جی ہاں! ٹھیک ہیں۔ لیکن صبح سے ایک ادھیڑ عمر کی نرس ان کے کمرے میں ہے۔“ فریدی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ دکھائی دی اور اُس نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ پھر وہ آئی جی کے آفس کی طرف روانہ ہو گیا۔

کنور جسپال اور سر جگدیش آئی جی کے آفس میں موجود تھے۔ فریدی ان کی طرف متوجہ تک نہیں ہوا۔

آئی جی نے سر کی جنبش سے خالی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ فریدی نے بیٹھتے وقت اُن دونوں پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور پھر آئی جی کی طرف دیکھنے لگا۔

”تم نے آج کا اخبار دیکھا۔“ آئی جی نے اس سے پوچھا۔

”جی ہاں! دیکھا تھا۔“

”شہر کے آٹھ بڑے آدمیوں پر پچھلی رات جو حملے ہوئے تھے ان کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔“

”میں کوئی اچھی رائے نہیں رکھتا۔“

”ان دونوں حضرات سے واقف ہو۔“

”اوہ.....جی ہاں۔“ فریدی کنور جسپال اور سر جگدیش کی طرف معذرت طلب نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔ ”میری بدنصیبی ہے۔“

"آپ کنور جسپال.... اور آپ سر جگدیش۔"

"غالباً آپ دونوں پر بھی....!" فریدی جملہ پورا کرنے سے پہلے ہی خاموش ہو گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"ہم دونوں پر بھی حملے ہوئے تھے۔" کنور جسپال بولا۔ "میرا داہنا بازو زخمی ہے۔"

"صبح سے اس وقت تک میں کئی بار ان حیرت انگیز حملوں کے متعلق سوچ چکا ہوں۔" فریدی نے انگلی سے اپنی ٹھوڑی سہلاتے ہوئے کہا۔ "حملے.... بڑی عجیب بات ہے کہ کوئی بھی حملہ کامیاب نہیں ہو سکا۔"

"ہاں یہ بات قابل غور ہے۔" آئی جی سر ہلا کر بولا۔

"کیا آپ اس مسئلے پر روشنی ڈال سکیں گے۔" فریدی نے ان دونوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ہم خود ہی متحیر ہیں۔" کنور جسپال نے کہا۔

"ظاہر ہے۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا اور پھر آئی۔جی سے مخاطب ہو گیا۔ "آپ نے مجھے یاد فرمایا تھا۔"

"ہاں! بیٹھو....!" آئی جی نے کہا۔ پھر اُن دونوں سے بولا۔ "آپ اس سلسلے میں براہِ راست چیف کمشنر سے رجوع کیجئے۔ ہمارے لئے وہیں سے احکامات آتے ہیں۔ ہم براہِ راست کسی معاملے میں دخل انداز نہیں ہو سکتے۔"

"بہتر ہے۔" کنور جسپال اٹھتا ہوا بولا۔ "اب اجازت دیجئے۔ ہم چیف کمشنر سے بھی ملیں گے۔"

وہ دونوں چلے گئے۔ لیکن فریدی بڑے بے تعلقانہ انداز میں بیٹھا رہا۔

"یہ چاہتے ہیں کہ دو چار سادہ لباس والے ان کے گھروں پر تعینات کر دیئے جائیں۔"

"ضرور چاہیں گے۔"

"مگر یہ واقعہ ہے دلچسپ۔" آئی جی مسکرا کر بولا۔ "شائد ان کا سرغنہ اب ان کی طرف سے مطمئن نہیں ہے۔ یہ سارے وہی لوگ ہیں جن کی لسٹ تم نے پیش کی تھی اور ہاں ان میں سیٹھ گنگولی بھی تو تھا۔ وہ پُر اسرار طور پر غائب ہو گیا ہے۔"

"خدا بہتر جانتا ہے۔" فریدی آہستہ سے بڑبڑایا۔

"کیا بات ہے۔" آئی۔جی اُسے متحیرانہ انداز میں گھورنے لگا۔

"کچھ نہیں!" فریدی مسکرا کر بولا۔ "بہت اچھا ہوا کہ یہ کیس اب میرے ہاتھ میں نہیں ورنہ خواہ مخواہ میرا ریکارڈ خراب ہوتا۔"

"یہ تم سے کس نے کہہ دیا ہے کہ کیس تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے تمہیں بہرحال اُس پُراسرار آدمی کو ڈھونڈنا ہے۔ رہ گئی زوبی کی بات....!"

"میں بہت تھک گیا ہوں جناب!" فریدی مضمحل آواز میں بولا۔ "میں نے محکمے کی کافی خدمت کی ہے۔ اب کچھ دن آرام کرنا چاہتا ہوں۔ میں آپ کا شکر گذار ہوں گا کہ اگر یہ کیس کسی دوسرے کے سپرد کر دیں۔"

"نہیں.... ایسے حالات میں تمہارا آرام یقیناً دوسروں کے لئے تکلیف دہ ہوگا۔ بھئی تم زوبی سے بھڑے بغیر بھی اپنا کام جاری رکھ سکتے ہو۔"

"وہ کس طرح؟"

"میرا خیال ہے کہ زوبی بھی اُس آدمی کی اصلیت سے واقف نہیں ہے۔"

"کچھ بھی ہو! مجھے یقین ہے کہ زوبی کے بغیر اس کیس میں کچھ نہیں ہو سکتا۔ میرا مخصوص اجازت نامہ منسوخ کر کے میری سخت توہین کی گئی ہے.... لیکن.... خیر....!"

فریدی خاموش ہو گیا۔ اس کی نظریں فرش پر تھیں۔ کچھ دیر بعد اُس نے آہستہ سے کہا۔ "آپ یہ کیس باضابطہ طور پر کسی اور کے سپرد کر دیجئے کیونکہ اب میں جو کچھ کرنے جا رہا ہوں اپنی ذمہ داری پر۔ ہو سکتا ہے کہ اس سلسلے میں قانون میرے ہی ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دے۔"

اعترافات

ٹھیک سات بجے فریدی نے مورائیل مینشن کے فلیٹ نمبر آٹھ کے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ جلد ہی کھل گیا لیکن ایک نوخیز لڑکی دروازے میں کھڑی تھی۔

"کیا آپ موڈرن ڈسٹلری سے تعلق رکھتے ہیں۔" اس نے پوچھا۔

"جی ہاں....!"

"اندر تشریف لائیے۔" لڑکی پیچھے ہٹتی ہوئی بولی۔

فریدی نے کمرے میں پہنچ کر لڑکی کی طرف استفہامیہ انداز میں دیکھا۔

"آپ تشریف رکھئے میں مسٹر گومے کو اطلاع دیتی ہوں۔" لڑکی نے کہااور دروازے سے نکل گئی۔

فریدی صوفے پر بیٹھ گیا۔ وہ اور گومے ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے تھے۔ گومے پرتگالی تھااور شراب کا بیوپار اس کا خاص پیشہ تھااور شاید وہ یہاں شراب کا سب سے بڑا اسمگلر بھی تھا۔ اس کے علاوہ بھی بہتیری غیر قانونی حرکات اس سے سرزد ہوتی رہتی تھیں۔

دو یا تین منٹ بعد گومے کمرے میں داخل ہوا لیکن اُسے دروازے ہی میں رک جانا پڑا۔ اس کے چہرے پر حیرت کے آثار تھے۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس نے اپنی حالت پر قابو پالیا تھا۔

"خوش آمدید کرنل....!" وہ مسکراتا ہوا فریدی کی طرف بڑھا۔ پھر دونوں نے بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔

"آخر اس طرح....!" گومے نے حیرت کا اظہار کیا۔ "میں نہیں سمجھ سکتا اگر آپ مجھے فون کردیتے تو میں خود ہی آپ کے پاس پہنچ جاتا۔"

"میری آمد کا تعلق تمہاری ذات سے قطعی نہیں ہے۔" فریدی نے کہا۔

"پھر یہ موڈرن ڈسٹلری کی بات....!"

"اوہو! یہ بھی کچھ نہیں ہے۔ تمہارا آدمی پنٹو بڑا چالاک ہے۔ وہ مجھے تمہارا پتہ ہرگز نہ بتاتا۔ پھر اُس سے فرق ہی کیا پڑتا ہے۔"

"خیر.... مجھے آگاہ کیجئے کہ میں آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں۔"

"ایک آدمی کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ تم میری مدد کروگے۔"

"ضرور جناب! آپ فرمائیے تو....!"

"مورگن نامی ایک شخص جو کبھی کبھی جیکسنز کارنر میں ٹھہرا کرتا تھا۔"

"اوہ.... مورگن؟ ہاں اس کے متعلق میں جو کچھ بھی جانتا ہوں آپ کو بتادوں گا۔"

"وہ کہاں مل سکے گا۔"

"افسوس کہ مجھے اس کا علم نہیں۔ وہ ایک انتہائی پُراسرار آدمی تھا۔"

"تم نے اُسے کب سے نہیں دیکھا۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ آٹھ سال پہلے کی بات ہے۔

آج سے آٹھ سال پہلے وہ آخری بار جیکسنز کارنر میں ٹھہرا تھا۔ واقعی وہ انتہائی پُر اسرار آدمی تھا۔ شہر کی بے شمار لڑکیاں اس پر مرتی تھیں۔ اس بُری طرح کہ وہ سب اپنے ناموں کیساتھ مور گن لگاتی تھیں۔ لیکن اُن میں سے شاید ہی کبھی کسی نے اُسے دیکھا بھی ہو۔ وہ اُنکی موجودگی میں کبھی کمرے سے باہر نکلتا ہی نہیں تھا۔ وہ کمرے سے باہر کھڑی ہو کر اُس سے گفتگو کیا کرتی تھیں۔"

"یہ تو ناممکنات میں سے ہے کہ انہوں نے اُسے دیکھا نہ ہو۔"

"نہیں میں بالکل درست اطلاع دے رہا ہوں۔"

"جب انہوں نے اُسے دیکھا ہی نہیں تو اس پر مرنے کس طرح لگی تھیں۔"

"یہی معمہ اب بھی مجھے اکثر الجھن میں ڈالے رہتا ہے۔ ان میں کئی بہت اونچے خاندانوں کی لڑکیاں بھی تھیں۔"

"مثلاً سر جمشید کی بہن زوبی۔" فریدی نے پوچھا۔

"اوہ بالکل ٹھیک۔ جی ہاں زوبی جو آج کل لیڈی کہلاتی ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ گومے نے کہا۔ "میں کسی ایسے آدمی کو اپنے ہوٹل میں قیام کی اجازت نہ دیتا مگر اُس نے ایک بار میری مدد کی تھی۔ میں اس کا احسان مند تھا مگر آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ اس کے باوجود بھی اس کی شکل کبھی نہ دیکھ سکا۔"

"اڑنے لگے۔" فریدی مسکرایا۔

"میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں۔ وہ بڑا عجیب تھا۔ آپ یہ ہرگز نہ سمجھئے کہ میں آپ کو اس کا حلیہ نہیں بتانا چاہتا۔ اگر آپ کہیں تو میں آپ کو اس کی تصویر بھی دے سکتا ہوں۔"

"تم شائد نشے میں ہو گومے۔"

گومے ہنسنے لگا۔ پھر اُس نے کہا۔ "دیکھئے! وہ اتنا ہی عجیب تھا کہ اس کے متعلق کوئی گفتگو بھی عجیب معلوم ہوتی ہے۔"

"گومے تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو۔"

"ہاں کرنل! اور آپ یقین کیجئے کہ میں آپ سے ذرا برابر بھی جھوٹ نہیں بول رہا ہوں۔"

فریدی چند لمحے خاموشی سے اُسے گھورتا رہا پھر بولا۔ "اچھی بات ہے گومے تمہیں آج کی ملاقات برسوں یاد رہے گی۔"

"اوہو.... آپ سچ مچ خفا ہوگئے۔ دیکھئے میں آپ کو بتاتا ہوں۔ میرا مطلب یہ تھا کہ میں نے کبھی گوشت و پوست میں اس کی شکل نہیں دیکھی۔ وہ ہمیشہ پُر اسرار طریقے پر ہوٹل میں آتا تھا اور اسی طریقے سے وہاں سے رخصت بھی ہو جاتا تھا.... حتیٰ کہ ہوٹل کے خدمت گار بھی اُس کی شکل نہیں دیکھ پاتے تھے۔ جاتے وقت وہ منیجر کے نام ایک لفافہ چھوڑ جایا کرتا تھا جس میں دوران قیام کے اخراجات کی رقم ہوا کرتی تھی۔ آمد کی اطلاع بذریعہ تار دیا کرتا تھا اور اُس کی محبوباؤں میں سے کوئی اس کیلئے کمرہ مخصوص کرا جایا کرتی تھی۔ پھر دوسری صبح معلوم ہوتا کہ مورگن اپنے کمرے میں موجود ہے لیکن کمرے کا دروازہ کبھی نہ کھلتا... غالباً اب آپ سمجھ گئے ہونگے۔"

"سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔" فریدی نے خشک لہجے میں کہا۔ "لیکن تمہیں اُس کی تصویر کہاں سے مل گئی تھی۔"

"اُسے محض اتفاق ہی کہا جا سکتا ہے کہ آخری بار ہوٹل سے رخصت ہوتے وقت وہ کمرے میں اپنا پاسپورٹ چھوڑ گیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ وہ اس کی لاعلمی میں وہاں رہ گیا ہوگا۔"

"اوہ....!" فریدی مضطربانہ انداز میں بولا۔ "مجھے وہ پاسپورٹ چاہئے۔"

"آٹھ سال پہلے کی بات ہے جناب! تقریباً ایک سال تک وہ پاسپورٹ میرے پاس رہا۔ اس توقع پر کہ شاید وہ پھر کبھی واپس آجائے۔ لیکن آج آٹھ سال گذر گئے۔ ایک سال بعد میں نے پاسپورٹ سے اُسکی تصویر نکال کر اپنے البم میں لگائی اور پاسپورٹ... مجھے یاد نہیں پڑتا کہ وہ کہاں ہوگا۔"

"وہ تصویر تو محفوظ ہے یا وہ بھی نہیں۔" فریدی جھنجھلا گیا۔

"جی ہاں! قطعی محفوظ ہے۔"

"مجھے ابھی چاہئے۔"

"ٹھہریئے....!" گومے نے کہا اور ہاتھ بڑھا کر میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔ دوسرے ہی لمحے میں وہی لڑکی کمرے میں داخل ہوئی جس نے فریدی کی آمد پر دروازہ کھولا تھا۔

"میرا البم لاؤ۔" گومے نے اس سے کہا.... لڑکی چلی گئی۔

"مگر معاملہ کیا ہے کرنل....!" گومے نے پوچھا۔

"ایک کیس میں اُس کی ضرورت ہے اور اب تم اس کے متعلق مجھ سے کچھ نہیں پوچھو گے اور نہ اس ملاقات کا تذکرہ کسی سے کرو گے۔ سمجھے۔"

"سمجھ گیا.... ایسا ہی ہو گا۔"

تھوڑی دیر بعد لڑکی البم لائی۔ گومے اُس کے ورق الٹنے لگا۔ پھر ایک چھوٹی سی تصویر نکال کر فریدی کی طرف بڑھادی۔

تصویر دیکھ کر فریدی نے ایک طویل سانس لی اور مسکرا کر بولا۔"اس کی مونچھیں بڑی شاندار ہیں کیوں.... کیا خیال ہے؟"

"یقیناً ہیں....!" گومے نے کہا۔ وہ فریدی کا چہرہ بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اُسے مایوسی ہی ہوئی کیونکہ وہ فریدی کے چہرے سے کسی بات کا اندازہ نہ لگا سکا۔

"گومے.... !" فریدی نے تھوڑی دیر بعد سر اٹھا کر کہا۔" یہ ناممکن ہے کہ اس کا پتہ تمہارے ذہن میں محفوظ نہ ہو اور تم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ پاسپورٹ میں اس کا پتہ نہ رہا ہو گا۔"

"کرنل میں کب کہتا ہوں کہ ایسا نہیں ہے۔ وہ یقیناً اتنا ہی پُر اسرار آدمی تھا کہ اس کی ذات سے تعلق رکھنے والی چیز کبھی نہیں بھلائی جاسکتی اور کیا آپ یہ سوچ سکتے ہیں کہ میں اس کی ٹوہ میں نہ رہا ہوں گا۔ مگر پاسپورٹ والے پتہ پر میں اُس سے آج تک نہیں مل سکا۔ پتہ اُسی شہر کی ایک عمارت کا تھا۔ کنگس لین کی گیارہویں کوٹھی۔ لیکن وہاں دوسرے لوگ رہتے ہیں اور جوزف مورگن سے کوئی واقف تک نہیں۔"

"پاسپورٹ کہاں کے لئے تھا۔" فریدی نے پوچھا۔

"جرمنی....!"

"اس کی شناساؤں میں کوئی لڑکی ڈریلا مورگن بھی تھی۔"

"یقیناً تھی.... اور میں اسے بے حد پسند کرتا تھا۔"

"میں پسندیدگی کی وجہ نہیں پوچھوں گا۔" فریدی مسکرا کر اٹھتا ہوا بولا۔

"چل دیئے.... بیٹھئے کرنل.... کچھ پیجئے۔"

"میں کافی اور سادہ پانی کے علاوہ کچھ نہیں پیتا.... شکریہ....!"

"مجھے حیرت ہوتی ہے کہ آپ شراب کے بغیر اتنا دماغی کام کیسے کر لیتے ہیں۔"

"شراب نہیں پیتا اسی لئے کرلیتا ہوں۔ شرابیوں کی ذہنی موت بہت جلد ہو جاتی ہے۔ اچھا شب بخیر.....!"

ڈریلا مورگن سفید اسکرٹ میں بہت حسین لگ رہی تھی۔ اس کے ہونٹ یاقوت کی قاشوں کی طرح دمک رہے تھے۔ اُس نے آئینے پر آخری نظر ڈالی اور وینٹی بیگ اٹھا کر دروازے کی طرف مڑی ہی تھی کہ کسی نے دروازے کو باہر سے ہولے ہولے کھٹکھٹایا۔

ڈریلا نے دروازہ کھول کر آنے والے پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی۔ یہ ایک خستہ حال نوجوان تھا۔ اُس نے جیب سے ایک لفافہ نکال کر ڈریلا کی طرف بڑھا دیا۔ لفافہ دے کر وہ وہاں ٹھہرا نہیں۔ لفافہ پر ڈریلا کا پتہ ٹائپ کیا ہوا تھا۔ اُس نے لفافہ چاک کر کے خط نکالا۔ ٹائپ کی ہوئی دو سطریں تھیں۔

"جوزف مورگن تمہیں دس بجے ہوٹل ڈی فرانس کے کمرہ نمبر اکتالیس میں طلب کرتا ہے۔"

ڈریلا کی پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئیں۔ وہ تقریباً پندرہ منٹ تک ٹائپ کی ہوئی ان دو سطروں کو گھورتی رہی۔

اس کے پورے چہرے پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں تھیں اور اُس نے بے خیالی میں اپنے ہونٹوں کی سرخی گالوں پر پھیلالی تھی اور اس کا چہرہ حد درجہ مضحکہ خیز نظر آنے لگا تھا۔ اچانک اس نے چونک کر دیوار سے لگی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا۔ سوا نو بج چکے تھے۔ پھر اُس کی نظر آئینے پر پڑگئی اور وہ جلدی جلدی اپنا میک اپ درست کرنے لگی۔

پندرہ منٹ بعد وہ سڑک پر ٹیکسی یا کسی دوسری تیز رفتار سواری کا انتظام کر رہی تھی۔

وہ ٹھیک دس بجے ہوٹل ڈی فرانس کے کمرہ نمبر اکتالیس کے سامنے پہنچ گئی۔ اس کی سانس پھول رہی تھی اور دل بہت شدت سے دھڑک رہا تھا۔ ٹھیک دس بجے وہاں پہنچنے کے لئے کئی بار دوڑنا بھی پڑا تھا۔

اس نے اِدھر اُدھر سراسیمہ نظروں سے دیکھا۔ راہداری ویران پڑی تھی۔ پھر وہ دروازے سے بہت قریب ہو کر آہستہ آہستہ آوازیں دینے لگی۔ "مسٹر مورگن مسٹر مورگن... یہ ڈریلا ہے۔"

اچانک دروازہ کھلا اور کسی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر کھینچ لیا۔ ڈریلا کے منہ سے ہلکی سی چیخ

نکل گئی۔

"ڈرو نہیں.... ڈرو نہیں....!" دراز قد نقاب پوش نے کہا۔ "ویسے میرا چہرہ تم آج بھی نہ دیکھ سکو گی۔"

ڈریلا اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔ اُس کے حلق میں کانٹے پڑ گئے تھے۔

"بیٹھ جاؤ۔" نقاب پوش نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

ڈریلا بیٹھ گئی۔ اس کا وینٹی بیگ اب بھی فرش پر پڑا ہوا تھا۔

"تمہیں حیرت تو ہوگی ڈریلا۔" نقاب پوش نے کہا۔

ڈریلا نے صرف اثبات میں سر ہلا دیا۔ زبان تو کھل نہیں رہی تھی۔

"ہم کتنے دنوں بعد مل رہے ہیں کچھ یاد ہے۔"

"شش.... شاید.... آٹھ سال بعد....!"

"ہاں! اتنا عرصہ ضرور گذرا ہوگا۔ آج کل کیا کر رہی ہو۔"

"وہی جو کچھ آپ نے کہا تھا۔"

"یعنی طاقت....!"

"جی ہاں....!"

"تم نے اُسے دیکھا ہے۔"

"جی نہیں.... مگر.... اکثر سوچا ہے کہ.... کہیں آپ ہی طاقت نہ ہوں۔"

"غلط سوچا ہے تم نے۔"

تھوڑی دیر کے لئے وہ دونوں خاموش ہو گئے۔

پھر ڈریلا نے کہا۔ "آپ بہت بدل گئے ہیں۔ خصوصاً آپ کی آواز۔"

"ہاں.... آں.... میں بہت بدل گیا ہوں۔ ڈریلا میرا دل چاہتا ہے کہ آج تمہیں اپنی شکل بھی دکھا دوں۔ کیوں.... کیا خیال ہے۔"

"اسے میں اپنی خوش نصیبی سمجھوں گی۔" ڈریلا نے بے دلی سے کہا۔

دوسرے ہی لمحے میں دراز قد آدمی کے چہرے سے نقاب علیحدہ ہو گیا اور ساتھ ہی ڈریلا اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

"بیٹھ جاؤ....!" فریدی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"آپ مجھ پر کسی قسم کی زیادتی نہیں کر سکتے۔" ڈریلا نے بیٹھتے ہوئے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"کیا مورگن بلیک میلر تھا....!" فریدی نے پوچھا۔

"میں کچھ نہیں جانتی۔"

"میں تمہارے لئے اس بلیک میلر سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتا ہوں سمجھیں!"

"میں نہیں سمجھ سکتی کہ آپ کس بلیک میلر کا تذکرہ کر رہے ہیں۔"

"خوب...!" فریدی مسکرایا۔ "اچھا یہی بتادو کہ تم اپنے نام کیساتھ مورگن کیوں لگاتی ہو۔"

"میرے باپ کا یہی نام تھا۔"

"لیکن میں تم سے جوزف مورگن کے متعلق گفتگو کر رہا ہوں۔"

"میرے باپ کا نام ہیری مورگن تھا۔ میں کسی جوزف مورگن کو نہیں جانتی۔"

"مگر تم نے ابھی کچھ دیر پہلے مجھے مورگن سمجھ کر بہت سی باتیں کی تھیں۔"

"آپ مجھ پر خواہ مخواہ الزام لگا رہے ہیں۔ میں نے آپ سے کسی قسم کی گفتگو نہیں کی۔ آپ نے مجھے یہاں دھوکے سے بلایا اور اب میری عزت پر ڈاکہ ڈالنا چاہتے ہیں۔ میری ایک آواز پر آس پاس کے لوگ دوڑ پڑیں گے۔ آپ مجھے یہاں نہیں روک سکتے۔"

فریدی ہنسنے لگا۔ پھر سنجیدگی سے بولا۔ "یہ دیکھ رہی ہو.... ادھر.... میز پر.... یہ قلمدان نہیں ہے بلکہ ایک انتہائی طاقت ور مائیک ہے اور اس وقت بھی ہماری گفتگو اسی کے ذریعہ دوسرے کمرے میں ریکارڈ ہو رہی ہے۔ اگر تم جیسی ننھی منی عورتیں مجھے بیوقوف بنانے میں کامیاب ہو جائیں تو پھر مجھے خودکشی ہی کرنی پڑے۔"

ڈریلا کچھ نہ بولی۔ اس کا چہرہ غازے کی گہری تہوں کے باوجود بھی پیلا نظر آنے لگا تھا۔

"آپ مجھ سے کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں۔" ڈریلا نے تھوڑی دیر بعد مردہ سی آواز میں کہا۔

"اُس نے تمہیں کس طرح اپنے قابو میں کیا تھا۔"

"بلیک میل کر کے۔"

عشق آگ اور موت

ڈریلا کرسی پر پڑی ہانپ رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے تھوڑی ہی دیر میں اس کا ہارٹ فیل ہو جائے گا۔

""چلو میں تم سے بلیک میلنگ کی وجہ نہ پوچھوں گا۔" فریدی نے کہا۔ "لیکن تمہیں طریقہ کار تو بتانا ہی پڑے گا۔"

ڈریلا خاموشی سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔

"میں دوسرا طریقہ بھی اختیار کر سکتا ہوں ڈریلا۔" فریدی نے کہا۔

"لیکن یہ بتا دینے کے بعد میرا انجام کیا ہو گا۔" ڈریلا نے مضحمل آواز میں پوچھا۔

"بُرا نہیں ہو گا۔ میں تمہیں پولیس کے حوالے نہیں کرونگا۔ تم میری حفاظت میں رہو گی۔"

ڈریلا چند لمحے خاموش رہی پھر اُس نے کہا۔ "اُس کے پاس تقریباً دو درجن لڑکیاں تھیں۔ اُس نے انہیں کسی نہ کسی طرح پھانس رکھا تھا۔ میں بھی انہیں میں تھی۔ اُس نے مجھے بلیک میل کر کے اپنے قابو میں کیا تھا۔ ہم اس کے لئے کیس فراہم کرتے تھے۔ بڑے گھرانے کی عورتوں تک رپورٹ پہنچاتے تھے اور وہ ان کے خلاف ٹھوس قسم کے ثبوت فراہم کر کے انہیں بلیک میل کرنا شروع کر دیتا تھا۔ یہ اب سے آٹھ سال پہلے کی بات ہے پھر اُس نے ہم سب کو ایک پُر اسرار شخصیت "طاقت" کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ ہمارے سارے راز اُس کے سپرد کر دیئے لیکن میرا اپنا خیال ہے کہ طاقت مورگن ہی کا دوسرا روپ ہے۔ بہر حال مورگن کے لئے ہمیں مفت کام کرنا پڑتا تھا۔ مگر طاقت.... وہ ہمیں تنخواہیں دیتا ہے۔ میں صرف اپنے متعلق جانتی ہوں مجھے ہر ماہ چھ ہزار روپے ملتے ہیں۔"

"یعنی طاقت کے تین سکے۔"

"اب تمہیں کیا کرنا پڑتا ہے۔"

"سرکاری آفیسروں سے عشق۔ میں انہیں اپنے جال میں پھانس کر حکومت کے راز معلوم کرتی ہوں۔"

"اور وہ طاقت تک کس طرح پہنچتے ہیں۔"

"میرے پاس ایک اسٹیشن تھا۔ آپ نے اس پر چھاپا مارا۔ وہی تمباکو فروش پھر دوسرا اسٹیشن لیکن اب وہ بھی بند کر دیا گیا ہے۔ میں ساری اطلاعات وہاں پہنچا دیا کرتی تھی اور مجھے احکامات بھی وہیں سے ملتے تھے۔"

"اب کیا صورت ہے۔"

"بیکاری.... نہ کوئی پیغامات ملتے ہیں اور نہ کوئی کام ہوتا ہے۔ غالباً یہ آپ کی عنایت کا نتیجہ ہے۔ اکثر میں نے سوچا ہے کہ آپ طاقت سے بھی زیادہ چالاک ہیں۔ یہی مورگن والا قصہ۔ میں نہیں سمجھ سکتی کہ آپ کو اس کا علم کیسے ہوا۔"

"کیا مورگن نے تمہیں اس بات پر مجبور کیا تھا کہ تم اپنے نام کیساتھ اس کا نام بھی لگاؤ۔"

"نہیں.... یہ میرے باپ کا بھی نام تھا.... ہیری مورگن....!"

"مگر میری معلومات کے مطابق اُسکی ساری لڑکیاں اپنے ناموں کیساتھ مورگن لگاتی تھیں۔"

"یہ غلط ہے۔ اُن میں سے صرف میرے نام کے ساتھ مورگن استعمال ہوتا ہے۔"

"وہ ساری لڑکیاں بھی اب طاقت کے لئے کام کر رہی ہوں گی۔"

"جی ہاں....!"

"میں اُن کے نام اور پتے چاہتا ہوں۔"

"لیکن میرا کیا انجام ہوگا۔ طاقت مجھے زندہ نہ چھوڑے گا۔ اُسے ہر بات کا علم ہو جاتا ہے۔"

"اس کی پرواہ نہ کرو۔ تم میری حفاظت میں رہو گی۔ طاقت کے فرشتے بھی تم تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ ہاں مجھے ان لڑکیوں کے نام اور پتے لکھوا دو۔"

ڈریلا اب بہت زیادہ مضطرب نظر آنے لگی لیکن اُسے نام اور پتے لکھوانے ہی پڑے۔

"اچھا اب بتاؤ۔" فریدی نوٹ بک جیب میں رکھتا ہوا بولا۔ "تم میرے سوال کا جواب بالکل صحیح دو گی۔ ابھی تک میں نے جو کچھ معلوم کیا ہے وہ میرے کسی کام نہیں آ سکتا۔"

"میں نے ابھی تک آپ کے ہر سوال کا بالکل صحیح جواب دیا ہے۔"

"کیا تم شہر کے کسی ایسے بڑے آدمی کا نام بتا سکتی ہو جو طاقت سے تعلق رکھتا ہو۔"

ڈریلا تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔ "نہیں میں کسی ایسے بڑے آدمی کو نہیں جانتی۔"

"تمہیں یقین ہے کہ تمہارا جواب بالکل صحیح ہے۔" فریدی نے اُسے تیز نظروں سے دیکھتے

ہوئے پوچھا۔

"مجھے یقین ہے۔"

"اُس کے چکر میں پھنسی ہوئی لڑکیوں میں سے کوئی لڑکی زوبی بھی تھی۔"

"نہیں اس نام کی تو کوئی بھی لڑکی مجھے یاد نہیں آتی۔"

"پھر سوچو....!"

"مجھے یقین ہے کہ اس نام کی کوئی لڑکی نہیں۔"

"اس نام کی کسی لڑکی کو اُس نے بلیک میل بھی نہیں کیا تھا۔"

"نہیں.... میری معلومات کے مطابق تو اُن عورتوں میں زوبی نام کی کوئی نہیں تھی۔"

"اب.... خیر ہاں.... یہ تو رہ ہی گیا۔ تم مجھے ان عورتوں کے نام اور پتے بھی نوٹ کراؤ جنہیں مورگن بلیک میل کر رہا تھا۔"

"میرے ذمہ دو عورتیں تھیں جن سے میں ہر ماہ بھاری رقمیں وصول کر کے مورگن تک پہنچاتی.... اور اب بھی.... میرا خیال ہے اگر مورگن ہی طاقت ہے تو وہ کسی نہ کسی طرح اُن سے رقمیں ضرور وصول کراتا ہوگا۔ ورنہ وہ اتنی بڑی بڑی تنخواہیں کہاں سے دے سکتا ہے۔"

"وہ دو عورتیں کون ہیں۔"

"لیڈی جگدیش....!"

"سر جگدیش کی بیوی....!" فریدی نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"جی ہاں.... اور دوسری.... راجکماری ریکھا.... پرنس جسپال کی بہن۔"

"خوب....!" فریدی اپنے ہاتھ ملنے لگا۔ پھر کچھ دیر بعد بولا۔ "اس کمرے میں جاؤ۔"

"کیوں؟"

"جاؤ.... جو میں کہہ رہا ہوں کرو۔ تمہارے لئے یہی بہتر ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ طاقت کا کوئی ہرکارہ تمہیں موت کے گھاٹ اتار دے۔"

ڈریلا چند لمحے کھڑی کچھ سوچتی رہی پھر بادل ناخواستہ دوسرے کمرے میں چلی گئی جس کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ لیکن اُس کے داخل ہوتے ہی دروازہ بند ہو گیا۔ پھر اندر سے کچھ اس قسم کی آوازیں آنے لگیں جیسے کچھ آدمی آپس میں لڑ پڑے ہوں۔

فریدی آرام کرسی میں پڑا ہوا نہایت اطمینان سے سگار کے کش لیتا رہا۔ تقریباً دس منٹ بعد کمرے کا دروازہ کھلا اور دو آدمی باہر آئے۔

دونوں جوان العمر تھے اور تعلیم یافتہ معلوم ہوتے تھے۔

"کیوں؟" فریدی نے پوچھا۔

"سب ٹھیک ہے۔" ایک نے جواب دیا۔

"بس لے جاؤ۔ میرا خیال ہے وہ زیادہ وزنی نہ ہوگی۔"

"یقین....!"

"ہاں اچھا....!" فریدی سر ہلا کر بولا۔ "بیٹھ جاؤ.... یہ اس وقت تک دوسروں کی نظروں میں نہ آنے پائے جب تک کہ اس کیس کا خاتمہ نہ ہو جائے۔ دوسری بات.... تم دونوں کل شام کو آرلیچنو میں ملنا....!"

❁

فریدی کو جو کچھ بھی معلوم کرنا تھا ڈریلا سے معلوم کر چکا تھا۔ وہ مورگن کی دوسری لڑکیوں سے نہیں ملا اور نہ اُن عورتوں کی طرف توجہ دی جنہیں مورگن بلیک میل کر تا رہا تھا۔

وہ پرنس شمشاد سے دوبارہ ملا جس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ تین دن بعد اپنے شبے کا اظہار کر سکے گا۔

"کرنل میں سخت الجھن میں ہوں۔" پرنس شمشاد نے کہا۔ "یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ تنظیم کے آٹھ ارکان پر حملے کیوں ہوئے اور کوئی حملہ کامیاب کیوں نہیں ہوا۔ اسی واقعے کی بناء پر مجھے اپنا نظریہ بدل دینا پڑا ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"دیکھئے بتاتا ہوں۔ لیکن اس سے پہلے ایک الجھن اور بھی ہے اگر وہ حملے طاقت کی طرف سے ہوتے ہیں تو میں کیوں چھوڑ دیا گیا ہوں۔ وہ سب تو اس کے معتمد تھے اور میں تنظیم سے الگ ہو چکا تھا۔ اُسے میری طرف سے زیادہ خطرہ ہونا چاہئے۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ آپ کو اپنے لئے بے ضرر سمجھتا ہو۔"

"نہیں فریدی صاحب! اس معاملے کو دوسری روشنی میں دیکھنے کی کوشش کیجئے۔ آخر کوئی حملہ جان لیوا کیوں نہیں ثابت ہوا۔"

"میرے پاس آپ کے اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہے۔" فریدی بولا۔

"لیکن میں سمجھتا ہوں۔" پرنس شمشاد سر ہلا کر بولا۔ "اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ انہیں آٹھ آدمیوں میں سے کوئی طاقت ہے۔"

"کیا....؟" فریدی کے چہرے پر حیرت کے آثار پیدا ہوئے پھر وہ ہنسنے لگا۔ اس انداز میں جیسے پرنس شمشاد نے کوئی احمقانہ بات کہہ دی ہو۔

"خیر اسے جانے دیجئے۔" اس نے کہا۔ "پہلے آپ کا نظریہ کیا تھا۔"

"پہلے.... پہلے میں سر فیروز پر شبہ کر رہا تھا۔"

"تو اپنے اسی شبہے پر قائم رہئے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"کیوں؟"

"ان آٹھ آدمیوں پر وہ حملے میں نے کرائے تھے۔" فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"آپ نے....؟" کنور شمشاد بے ساختہ اچھل پڑا۔

"جی ہاں میں نے.... لیکن یہ بات آپ ہی تک محدود رہے گی۔"

"ارے.... قطعی.... قطعی.... مگر اس میں کیا مصلحت تھی۔"

"بس یونہی میں انہیں خوفزدہ کرنا چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ طاقت بالکل تنہا رہ جائے۔ ابھی دو اور باقی ہیں زوبی.... اور ضرغام.... ان دونوں کو کسی چوہے دان میں بند کر کے ماردوں گا۔ آپ کو علم ہو گا کہ میرے دو بہترین ساتھی ہسپتال میں ایڑیاں رگڑ رہے ہیں۔ میں طاقت کے علاوہ گروہ کے ایک ایک آدمی کو چن چن کر ماروں گا۔"

"مگر اس سے کیا ہو گا۔" شمشاد بولا۔ "طاقت تک پہنچنے کی تدبیر کیجئے۔ وہ تو ہر حال میں محفوظ رہے گا۔"

"سر فیروز کے متعلق آپ کیا کہہ رہے تھے۔" فریدی نے پوچھا۔

"اوہو.... اُسے رہنے دیجئے۔ اب وہ مجھے مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے۔"

"کچھ کہئے بھی تو۔ ممکن ہے وہ کوئی کام ہی کی بات ہو۔"

"زوبی کی وجہ سے خیال پیدا ہوتا ہے۔ آخر طاقت اس پر اتنا اعتماد کیوں کرتا ہے۔"

"ہاں یہ بات تو سوچنے کی ہے۔"

"سر فیروز یہاں کا سب سے بڑا سرمایہ دار ہے اور کبھی سیاسی اکھاڑوں کا بھی پہلوان رہ چکا ہے اگر اسے اس قسم کی حکومت جمانے کا خبط ہو جائے تو تعجب کی بات نہیں۔ مگر فریدی صاحب پھر بھی اس بات پر یقین کرنے کو تو دل نہیں چاہتا۔"

"آخر کیوں؟" فریدی نے دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"سر فیروز پاگل ہے۔ مٹی کے کھلونے سامنے رکھ کر دو دو آنے چار چار آنے کی ہانک لگایا کرتا ہے۔ آخر اس کی کیا ضرورت ہے۔"

"لوگوں کو دھوکے میں رکھنے کا ایک بہترین طریقہ۔" فریدی نے جواباً کہا۔

"نہیں فریدی صاحب۔ ہم ٹھوس قسم کے حقائق سے دوچار ہیں۔ یہ کسی چار پیسے والے جاسوسی ناول کا معاملہ نہیں ہے یا کسی گھٹیا سے فلم کا پلاٹ نہیں۔ آپ خود سوچئے لاحول ولا قوۃ میرا خیال ہے کہ ایک معمولی سا آدمی بھی اگر ان واقعات سے واقف ہو تو سر فیروز ہی پر شبہ کرے گا اور یہی سمجھے گا کہ وہ بنا ہوا پاگل ہے مگر..... طاقت..... وہ اتنا بدھو نہیں معلوم ہوتا۔ آخر اُسے اس قسم کا سوانگ بھرنے کی ضرورت ہی کیا ہو سکتی ہے۔ میرا خیال ہے وہ کوئی ایسا آدمی ہو گا جو دوسروں کے لئے قطعی ناقابل توجہ ہو۔ ہو سکتا ہے وہ اس وقت کسی معمولی سے بار میں بیٹھا ہوا کوئی گھٹیا سی شراب پی رہا ہو۔ سر فیروز اپنے پاگل پن کی وجہ سے ایک بچے کی توجہ بھی اپنی طرف مبذول کرا سکتا ہے۔ کیوں؟ آپ سمجھے یا نہیں۔"

"بالکل سمجھ گیا..... بلکہ پہلے بھی سمجھتا تھا..... میں تو آپ کی رائے معلوم کرنا چاہتا تھا۔"

"لیکن.....!" کنور شمشاد بولا۔ "میرا یہ نظریہ ہے کہ اُن آٹھوں ہی میں سے کوئی نہ کوئی طاقت ہے مگر..... نہیں..... کیا حقیقتاً اُن پر وہ حملے آپ ہی کی طرف سے ہوئے تھے۔"

"ہاں..... یہ حقیقت ہے۔" فریدی نے اس کی طرف سگار کا ڈبہ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"شکریہ! میں تمباکو نہیں پیتا..... پھر..... میں اب بالکل تاریکی میں ہوں اور آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔"

"آپ شکاری ہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اور ہر شکاری ایڈونچر کا شائق ہوتا ہے۔ کیا طاقت کا پتہ لگا لینا ایک بہت بڑا ایڈونچر نہ ہو گا۔"

"یقیناً ہو گا..... مسٹر فریدی اور ہوا سے لڑنے کے متعلق بھی میں یہی خیال رکھتا ہوں۔"

"لیکن اتنا تو آپ بھی سمجھتے ہیں کہ جب تک طاقت آزاد ہے آپ بھی خطرے سے باہر نہیں۔"

"ایک بات میں آپ کو بتادوں فریدی صاحب کہ میں اس سے ذرہ برابر بھی خائف نہیں ہوں۔ زوبی نے مجھ پر دو فائر کئے تھے لیکن میں نے اس کا تذکرہ آپ کے علاوہ اور کسی سے نہیں کیا۔ اگر میں اس سے خائف ہوتا تو آپ میری شکل اس شہر میں نہ دیکھتے۔"

"اس بے خوفی کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوگی۔ کنور صاحب۔ میں وہی وجہ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"

"وجہ... اسکی کیا وجہ ہو سکتی ہے بس میں نے آج تک کسی سے بھی خوف نہیں محسوس کیا۔"

"بہر حال....!" فریدی ایک طویل سانس لیکر بولا۔ "ہماری آج کی ملاقات بھی بیکار رہی۔"

"بھئی آپ جو کچھ بھی کہیئے کرنے کا تیار ہوں۔" کنور شمشاد نے کہا۔

"میں زوبی کا اغواء چاہتا ہوں۔"

"کیا مطلب....!"

"اس کا مطلب آپ نہیں سمجھتے۔"

"سمجھتا ہوں.... لیکن اس سے کیا ہوگا۔"

"یہ بعد میں بتاؤں گا.... بولئے ممکن ہے یا نہیں۔"

"بھلا میں کیا بتا سکتا ہوں۔"

"میں اس سلسلے میں آپ کی مدد کا طالب ہوں۔"

"میں کیا مدد کر سکتا ہوں.... اور پھر آپ مجھ سے مدد کیوں چاہتے ہیں۔"

"مجھے ایک ساتھی کی ضرورت ہے جس پر میں اعتماد کر سکوں۔ ایک بے خوف ساتھی کی ضرورت ہے۔ مشکلات کا جم کر مقابلہ کر سکے۔ اگر میرے دونوں ساتھی ہسپتال میں نہ ہوتے تو میں آپ کو تکلیف نہ دیتا۔"

کنور شمشاد کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔

"دیکھئے! میں بتادوں کہ میں قانون سے بہت ڈرتا ہوں۔ یہی وجہ تنظیم سے علیحدگی کی بھی ہے۔ میں آپ کے لئے یہ کر سکتا ہوں۔ کوئی بہت بڑی بات نہیں لیکن آپ ہر حال میں میرے ساتھ ہوں گے۔"

"اس سے آپ مطمئن رہئے جہاں تک قانون کا تعلق ہے اس سے آپکا بچاؤ میں کروں گا۔"

"بس تو ٹھیک ہے۔" کنور شمشاد نے کہا۔ "آپ اس کا اغواء کب چاہتے ہیں۔"

"آج رات کو۔"

"تو آپ مجھے کہاں ملیں گے۔"

"یہیں آپ کے گھر پر.....!" فریدی نے کہا۔ "اس کا پتہ لگانا میرا کام ہوگا کہ زوبی اس وقت کہاں موجود ہے۔"

❁

نصرت خان کا پیر اب ٹھیک ہو گیا تھا۔ لیکن مزاج کا چڑچڑاپن بدستور باقی تھا۔ وہ ذرا ذرا سی بات پر لوگوں پر چڑھ دوڑتا تھا۔ خصوصاً زوبی تو بُری طرح نالاں تھی۔ وہ ہر ہر طرح اُس کا موڈ ٹھیک رکھنے کی کوشش کرتی۔

آج بھی وہ اسی غرض سے اس کو ہائی سرکل نائٹ کلب میں لے آئی تھی۔ رات کے نو بجے تھے اور کلب کی رعنائیاں شباب پر تھیں وہ اسے ریکریئشن ہال کی طرف لیتی چلی گئی۔

"اوہ... زوبیا... تو مجھے بہلانے کی کوشش کرتی ہے۔" نصرت خان نے کہا۔ "لیکن سب فضول ہے۔ جب تک میرے ہاتھ فریدی کے خون سے رنگ نہ جائیں میری افسردگی نہیں دور ہو سکتی۔"

وہ دونوں ایک خالی میز پر بیٹھ گئے۔ یہی ایک میز خالی تھی۔ شاید زوبی اسے پہلے ہی سے مخصوص کرا چکی تھی۔ انکے بعد والی میز پر صرف ایک آدمی تھا اور اس کی پشت اُن کی طرف تھی۔

"تو مجھے یہاں بیکار لائی ہے زوبیا۔ مجھے کہیں سکون نہیں مل سکتا۔"

"ضرغام چھوڑ ان باتوں کو۔ کیا تمہارے دل میں میرے لئے کوئی جگہ نہیں۔"

"جگہ تو ہے لیکن کبھی کبھی تجھ پر غصہ بھی آتا ہے۔"

"کیوں نہ ہم دونوں یہاں سے چلے جائیں۔"

"مقلاق.....!"

"خان بابا کی زندگی میں یہ ناممکن ہے۔ وہ میری کھال کِھنچوا دے گا۔"

"تم اس بوڑھے سے اتنا ڈرتے ہو۔"

"ہاں میں اسی کا نطفہ ہوں۔ اُس کے آگے سر نہیں اٹھا سکتا۔ اُس نے مجھے پاپوش سے مارا ہے اس کے علاوہ میرا سر اور کسی کے آگے نہیں جھکا۔"

زوبی تحیر آمیز انداز میں ہنسنے لگی اور نصرت خان جھنجھلا کر بولا۔ ”زوبیا! میں تیری بوٹیاں اڑادوں گا.... میرا مضحکہ اڑاتی ہے۔“

”تم شیر ہو.... بہت طاقت ور.... انتہائی دلیر....!“ زوبی یک بیک سنجیدگی سے بولی۔ ”مگر ذہنی اعتبار سے کمتر....!“

”کیوں! کیا ثبوت ہے تیرے پاس۔ میں ذہنی طور پر بھی کمتر نہیں ہوں۔“

”ذہنی کمتری کی اس سے بہتر مثال اور کیا ہوگی ایک شہزور جوان ایک نحیف بوڑھے کے ہاتھوں پٹ جاتا ہے۔“

”نحیف! کیا بکتی ہے زوبیا۔ خان بابا آج بھی فولاد کی چٹان ہے۔“

”وہم ہے تمہارا۔“

”اچھا بکواس بند.... میں کچھ نہیں سننا چاہتا۔“

”مقلاق نہ سہی کہیں اور چلو! میں اب یہاں نہیں رہنا چاہتی۔“

”کیوں....؟“

”میں تمہیں نہیں کھونا چاہتی۔ تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔“

”تو گویا تم.... میرے دوست طاقت کا ساتھ چھوڑنا چاہتی ہو۔“

”طاقت....!“ زوبی کا منہ بگڑ گیا۔ ”طاقت کو بھی دیکھ رہی ہوں۔ اس کے بہترین رفیق فریدی کے ہاتھوں پٹ رہے ہیں اور وہ خاموش ہے ایک رات میں آٹھ آدمیوں پر حملے ہوئے۔ اب تم خود انصاف کرو۔“

”میں سوچتا ہوں۔“ نصرت خان نے فکر مندانہ لہجے میں کہا۔ ”مگر میں اسے دوست کہہ چکا ہوں اور مجھے مرتے دم تک اسے نباہنا ہے خواہ کچھ ہو جائے۔“

”تم ابھی اس کی دوستی کے مقصد سے واقف نہیں ہو۔“ زوبی نے کہا۔

”میں اس سلسلے میں بھی کچھ نہیں سننا چاہتا۔ بکواس بند کرو۔“

”تمہاری مرضی۔ ویسے وہ تمہیں ہمیشہ غلام بنائے رکھنے کے خواب دیکھ رہا ہے۔“

”زوبیا.... میں کیا کہہ رہا ہوں۔“

”زوبی خاموش ہوگئی اور نصرت خان بڑبڑانے لگا۔ مجھے بھی اس کی خاموشی پسند نہیں ہے۔

مخصوصاً فریدی کے معاملے میں.... لیکن....!"

اچانک وہ چونک کر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ کیونکہ سامنے والی میز پر تنہا بیٹھے ہوئے آدمی کا رخ اب انہیں کی طرف تھا۔ اسے پہچان لینے کے لئے پہلی ہی نظر کافی تھی۔ یہ فریدی تھا اور وہ نصرت خان کے بجائے زوبی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اُس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔ زوبی بُری طرح بوکھلا گئی۔

"اگر کوئی حرج نہ ہو لیڈی زوبی۔!" فریدی اٹھ کر احتراماً تھوڑا سا جھکتا ہوا بولا۔ "تو میں آپ کی میز پر آجاؤں۔ آج شام کی تنہائی میرے لئے بڑی تکلیف دہ ہے۔"

نصرت خان قہر آلود نظروں سے زوبی کو دیکھنے لگا۔ زوبی جیسے مسحور ہو کر رہ گئی تھی وہ برابر فریدی کی آنکھوں میں دیکھے جارہی تھی اور ایسا محسوس کررہی تھی جیسے اس کے جسم کی ساری طاقت سمٹ کر آنکھوں میں آگئی ہو اور پپوٹے بوجھل سے محسوس ہو رہے تھے۔ اتنے بوجھل جیسے اپنے حلقوں سے باہر نکل پڑیں گے۔

"ضرور.... ضرور....!" اُس کے ہونٹ ہلے اور دھیمی سی آواز نکلی۔

"نہیں....!" نصرت خان میز پر گھونسہ مار کر گرجا۔

"آپ کی تعریف لیڈی زوبی۔" فریدی نے نرم لہجے اور دھیمی آواز میں پوچھا۔

"مم.... مسٹر ضرغام....!" زوبی نے کہا اور اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گئی۔

"زوبیا.... بکواس بند۔" نصرت خان اور زیادہ جھلا گیا لیکن فریدی کے سکون میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اُس نے اسی نرم لہجے میں کہا۔

"لیڈی زوبی! اب میں پوچھوں گا کہ یہ کون بدتمیز ہے۔"

دوسرے ہی لمحے میں نصرت خان کے دونوں ہاتھ فریدی کی گردن کی طرف لپکے لیکن فریدی کے بائیں ہاتھ کی کہنی اس سے پہلے ہی اُس کے چہرے پر لگ چکی تھی۔ پھر داہنا ہاتھ بھی پڑا اور نصرت خان پچھلی میز سے ٹکرا کر دو تین آدمیوں سمیت فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ پھر زوبی کی چیخ کے ساتھ ہی صرف ہال مین نہیں بلکہ پوری عمارت میں اندھیرا ہو گیا۔

❁

فریدی نے بیہوش زوبی کو اسٹیشن ویگن میں ڈال دیا اور پھر ان لوگوں کا انتظار کرنے لگا جو

نصرت خان کو لا رہے تھے۔ یہ چار آدمی کنور شمشاد نے مہیا کئے تھے۔

نصرت خان کو پکڑ لینے کی تجویز کنور شمشاد نے پیش کی تھی۔ اُس نے کہا تھا کہ وہ نصرت خان کو زوبی کی موجودگی ہی میں ذلیل کرنا چاہتا تھا۔ فریدی نے تھوڑی ردو قدح کے بعد اُس کی بات مان لی تھی۔ وہ اسٹیشن ویگن کے عقبی دروازے کے پاس کھڑا رہا۔

گلی تاریک اور سنسان تھی اور یہاں سے نائٹ کلب کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ چاروں نصرت خان کو اٹھائے ہوئے وہاں پہنچ گئے۔ نصرت خان ہوش میں تھا۔ مگر بے بس.... اُس کے ہاتھ اور پیر بندھے ہوئے تھے اور منہ میں رومال ٹھونس دیا گیا۔ اسے بھی اسٹیشن ویگن میں ڈال دیا گیا۔

کنور شمشاد اسٹیئرنگ پر تھا۔ لہٰذا فریدی اگلی سیٹ کی طرف بڑھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کی دونوں پسلیوں سے دو ریوالوروں کی نالیں آ لگیں۔

''اُدھر نہیں! تم بھی پیچھے ہی بیٹھو....!'' چاروں میں سے ایک نے کہا۔ ''اور اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھالو۔''

''کیا مطلب....!'' فریدی کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

''مطلب بتانے کا وقت نہیں ہے۔ بس بیٹھ جاؤ۔'' اگلی سیٹ سے آواز آئی لیکن یہ کنور شمشاد کی آواز نہیں معلوم ہوتی تھی۔

''اس مذاق کا مطلب....!''

''آہستہ.... ورنہ یہیں خاتمہ ہو جائے گا۔'' کسی نے کہا اور ریوالور کی نالیں اُس کی پسلیوں میں اور زیادہ سختی سے چبھنے لگیں۔

پھر اُسے زبردستی اسٹیشن ویگن میں دھکیل دیا گیا۔

اسٹیشن ویگن فراٹے بھرتی ہوئی روانہ ہوگئی۔ اس کی کھڑکیوں پر سیاہ پردے کھینچ دیئے گئے تھے اور اندر اندھیرا تھا ہی۔ ریوالوروں کی نالیں اب بھی فریدی کی پسلیوں سے لگی ہوئی تھیں۔

''کنور شمشاد تم ہوش میں ہو یا نہیں۔'' فریدی غرایا۔

اگلی سیٹ والے نے قہقہہ لگا کر کہا۔ ''کیوں بھئی! کیا اس گاڑی میں کوئی آدمی اس نام کا بھی ہے۔''

''کوئی نہیں....!'' چاروں میں سے ایک نے کہا۔

"کرنل فریدی.....!" اگلی سیٹ سے آواز آئی۔ "تم کنور شمشاد کو بہت پیچھے چھوڑ آئے ہو۔ اُسے جب ہوش آئے گا تو وہ دوسروں کی نظروں سے چھپ کر اپنے گھر تک پہنچنے کی کوشش کرے گا کیونکہ اُسے ایک بہت ہی گندی نالی میں پھینکا گیا ہے۔"

"پھر تم کون ہو۔"

"اس کی پرواہ نہ کرو۔"

فریدی خاموش ہو گیا۔ اسٹیشن ویگن آدھے گھنٹے سے زیادہ نہیں چلی لیکن وہ جہاں رکی تھی وہ کوئی روشن جگہ تھی کیونکہ باہر کی روشنی سیاہ پردوں سے بھی دکھائی دے رہی تھی۔ عام اندازہ یہی ہو سکتا تھا کہ وہ کسی سڑک پر رکی ہے۔ لیکن وہاں کے سناٹے کی طرف توجہ مبذول ہوتے ہی فریدی الجھن میں پڑ گیا۔ لیکن اس کی الجھن بھی جلد ہی رفع ہو گئی۔ اُسے ٹھوکے مار مار کے نیچے اتارا گیا۔ یہ کسی عمارت کی ایک بہت کشادہ راہداری تھی۔ اتنی کشادہ کہ اس میں برابر سے دو کاریں بہ آسانی چل سکتی تھیں۔ اگلی سیٹ سے ایک طویل القامت آدمی اترا جس کا پورا چہرہ سیاہ نقاب میں چھپا ہوا تھا۔

زوبی ہوش میں آ چکی تھی۔

"اسے کھول دو.....!" نقاب پوش نے نصرت خان کی طرف اشارہ کر کے کہا اور زوبی بے ساختہ اچھل پڑی۔

"طاقت.....!" اُس نے ایک سسکی سی لی اور طویل القامت نقاب پوش ہنسنے لگا۔

نصرت خان کھلتے ہی فریدی کی طرف جھپٹا لیکن نقاب پوش درمیان میں آ گیا۔

"نہیں دوست.....!" اُس نے نصرت خان کے شانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "میں نے زوبی سے کہا تھا کہ فریدی خودکشی کرے گا۔ اس کے لئے یہی مناسب ہے۔"

اس پر فریدی بے تحاشہ ہنس پڑا۔

"تمہاری ہنسی ابھی چیخوں میں بدل جائے گی۔" نقاب پوش نے کہا۔

"ہو سکتا ہے ایسا ہی ہو مسٹر مورگن.....!" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔

"مورگن.....!" زوبی کے حلق سے چیخ سی نکلی۔

"ہاں! جوزف مورگن.....!" فریدی مسکرایا۔ "ایک گھٹیا سا بلیک میلر جو ایک ملک پر حکومت

کرنے کے خواب دیکھ رہا ہے۔"

نقاب پوش بالکل خاموش کھڑا رہا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُسے سکتہ ہو گیا ہو۔

"کیا یہ صحیح ہے۔" زوبی نے آہستہ سے پوچھا۔

"بکواس ہے۔" نقاب پوش غرایا۔ پھر اُس نے چاروں آدمیوں سے کہا۔ "اسے لے چلو۔"

ریوالوروں کی نالیں پھر فریدی کے جسم سے آلگیں اور وہ اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے ہوئے نہایت اطمینان سے چلتا رہا۔

وہ ایک بہت بڑے کمرے میں آئے۔ یہاں فرنیچر زیادہ نہیں تھا۔

"فریدی! مرنے سے پہلے طاقت کے عجائبات دیکھ لو۔" نقاب پوش نے ایک طرف اشارہ کر کے کہا۔ "ادھر دیکھو.....!"

سامنے والی دیوار پر ایک چھ فٹ اونچا اور تقریباً دس فٹ لمبا دھندلا شیشہ نصب تھا۔ دیوار لکڑی کی تھی اور اس پر جابجا مختلف سائز کے بلب بھی لگے ہوئے تھے۔ نقاب پوش نے آگے بڑھ کے دیوار ہی پر لگے ہوئے ایک بٹن پر انگلی رکھ دی اور اس طویل و عریض شیشے پر بجلیاں سی کوندنے لگیں پھر آہستہ آہستہ پورا شیشہ روشن ہو گیا۔ اس پر کچھ دھندلی مگر رنگین متحرک تصویریں نظر آرہی تھیں۔ پھر وہ تصویریں بھی صاف ہوتی گئیں۔ یہ کسی آفس کا منظر تھا۔ لوگ فائیلوں اور رجسٹروں میں منہمک تھے۔

"یہ میرا ایک آفس ہے۔" نقاب پوش فریدی کی طرف مڑ کر بولا۔ "ٹیلی ویژن کے بارے میں تم جانتے ہو گے لیکن تم کسی ٹیلی ویژن سیٹ پر اداکاروں سے گفتگو نہیں کر سکتے۔ ادھر دیکھو.....!"

نقاب پوش نے دیوار سے ایک بلب روشن کر دیا۔ اس کی روشنی اتنی تیز تھی کہ اس پر نظر نہیں ٹھہر سکتی تھی۔ اچانک نقاب پوش نے شیشے کی طرف رخ کر کے کہا۔ "منیجر..... کام کیسا جا رہا ہے۔"

فوراً ہی ایک تصویر کرسی سے اٹھی اور احتراماً جھک کر بولی۔ "بہت بہتر جناب! ملاحظہ فرمائیے..... اس وقت بھی کام ہی ہو رہا ہے۔"

"شکریہ منیجر.....!" نقاب پوش نے کہا اور تصویر پھر بیٹھ کر میز پر رکھے ہوئے کاغذات الٹنے پلٹنے لگی۔

نقاب پوش نے فریدی کی طرف مڑ کر کہا۔ "یہ آفس یہاں سے سینکڑوں میل دور ہے۔"

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ سچ مچ متحیر تھا۔

"میں نے دنیا کے بہترین دماغ اکٹھا کئے ہیں کرنل....!" نقاب پوش پھر بولا۔

"اب خود تم ہی انصاف کرو۔ حکومت کس کا حصہ ہے میرا یا ان کا جنہیں تم صحیح حکمران سمجھتے ہو۔"

"لیکن کیا تم اپنے اس خواب کی تعبیر کے لئے زندہ رہو گے۔"

"میں زندہ رہوں یا نہ رہوں۔ مگر یہ تنظیم ہمیشہ زندہ رہے گی۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ تنظیم اسی شہر تک محدود ہے۔ کرنل فریدی اس سے ملک کا کوئی بھی گوشہ خالی نہیں ہے۔ میں اگر مر بھی جاؤں تو میرا جانشین یہ بار اپنے کاندھوں پر اٹھالے گا۔ اچھا... اب میری ایک فیکٹری دیکھو جہاں اسلحہ تیار کیا جاتا ہے۔ یہ بھی یہاں سے سینکڑوں میل کے فاصلے پر ہے کرنل فریدی دیکھو اور اس بات کا اعتراف کرو کہ تم طاقت کے سامنے ایک حقیر کیڑے سے بھی زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔"

وہ ایک بار پھر دیوار کے قریب گیا اور شیشے پر پھر بجلیاں سی کوندنے لگیں اور اس کے بعد سچ مچ ایک فیکٹری کا منظر اُن کے سامنے آ گیا۔ بے شمار آدمی بڑی بڑی مشینوں پر کام کر رہے تھے۔

"وقت کم ہے۔" نقاب پوش اپنی کلائی کی گھڑی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "میں تمہیں کیا کیا دکھاؤں فریدی....!"

"بس اب اپنا چہرہ دکھا دو پیارے جو کم از کم زوبی اور خان مقلاق کے بیٹے کے لئے کافی حیرت انگیز ہوگا۔"

"اور تمہارے لئے کرنل....!" نقاب پوش نے تمسخر آمیز لہجے میں پوچھا۔

"میرے لئے کوئی نئی بات نہ ہوگی۔" فریدی نے لاپروائی سے کہا۔ "کیونکہ میں تمہیں بہت دنوں سے جانتا ہوں.... جوزف مورگن....!"

"کیوں زوبی....!" نقاب پوش زوبی کی طرف مڑ کر بولا۔ "کیا تمہیں جوزف مورگن کا چہرہ دیکھ کر حیرت ہوگی۔"

"میں نے پہلے ہی کب دیکھا تھا جو اب حیرت ہوگی۔" زوبی نے بیزاری سے کہا۔ "لیکن کیا یہ صحیح ہے کہ آپ جوزف.... مورگن...!"

نقاب پوش ہنس کر بولا۔ "ہاں.... یہ صحیح ہے۔ میں فریدی کی پندرہ منٹ کی زندگی میں اس کا دل نہیں توڑنا چاہتا۔ ہاں میں جوزف مور گن ہوں۔"

"لہٰذا اب نقاب اتار دو....!" فریدی نے کہا۔ "ورنہ مجھے ہی اجازت دو کہ میں تمہاری نقاب کشائی کر دوں۔"

"تم بہت چہک رہے ہو فریدی۔ کیا تمہیں اپنی موت پر یقین نہیں ہے۔"

"موت میرے لئے کھلونا ہے دوست! میں اگر مر بھی گیا تو کیا ہوگا۔ اگر میرے مرنے ہی پر دنیا تمہارے وجود سے پاک ہو سکتی ہے تو میں مرنے کے لئے قطعی تیار ہوں۔"

"مجھے تم سے عشق تو نہیں ہے کہ میں تمہاری موت کے بعد خودکشی کر لوں گا۔" نقاب پوش ہنس پڑا۔

"تم شائد اسے ناممکن سمجھتے ہو۔ حالانکہ اس عمارت کے گرد پولیس گھیرا ڈال چکی ہوگی۔ تم شاید یہ سمجھتے ہو کہ تم نے اپنی چالاکی سے مجھ پر قابو پایا ہے۔ اس خیال کو دل سے نکال دو۔ اگر میں یہاں نہ آنا چاہتا تو تمہارے فرشتے بھی نہیں لا سکتے تھے۔"

"شائد خودکشی سے پہلے تم پاگل ہو جاؤ گے۔" نقاب پوش نے تحیر آمیز انداز میں ہنستے ہوئے کہا۔

"کنور شمشاد تم ہار گئے ہو...." فریدی کے الفاظ ان لوگوں پر بم کی طرح گرے اور نقاب پوش کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

زوبی اور نصرت خان اُسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے۔

"میں جانتا تھا....!" فریدی نے کہا۔ "کہ تم مجھے اپنی کسی کمین گاہ میں لے جاؤ گے۔ اسی لئے میں نے زوبی کو اغواء کر کے رکھنے کی جگہ کا انتخاب تم پر چھوڑ دیا تھا۔ لیکن مجھے اس کی توقع نہیں تھی کہ تم وہیں سے طاقت کا سوانگ بھر لو گے بہر حال اُس اسٹیشن ویگن کا تعاقب میرے آدمیوں کو کرنا تھا.... بولو.... اب کیا کہتے ہو۔ مسٹر جوزف مور گن تمہارے لئے یہ پاسپورٹ پھانسی کا پھندا بن گیا جو تم نے آج سے آٹھ سال پہلے جیکسنز کارنر میں کھو دیا تھا۔ اس کی تصویر میں تمہارا میک اپ ذرا کچا تھا.... اور پھر اُن آنکھوں کا کیا کرتے جن کی ساخت کا بدلنا ممکن ہی نہیں۔"

"تم لوگ باہر جاؤ۔" دفعتاً نقاب پوش نے اپنے چاروں آدمیوں سے کہا۔

وہ کمرے سے چلے گئے۔ نقاب پوش نے ریوالور نکال لیا تھا اور اس کا رخ فریدی کی طرف تھا

اور وہ الٹے قدموں چلتا ہوا پھر اُسی دیوار کی طرف جا رہا تھا جس پر بلب لگے ہوئے تھے۔

اچانک فریدی نے محسوس کیا جیسے وہ پورا کمرہ بڑی تیزی سے نیچے کی طرف جا رہا تھا جس پر بلب لگے ہوئے تھے۔

وہ بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگا اور نقاب پوش نے ایک زور دار قہقہہ لگایا۔

زوبی نصرت خان سے آہستہ آہستہ کہہ رہی تھی۔ ''یہ سچ مچ شمشاد ہی معلوم ہوتا ہے۔ بالکل اُسی کی آواز تھی۔ میرا مطلب یہ قہقہہ....!''

''ہاں زوبی! میں سن رہا ہوں۔'' نقاب پوش نے اپنے چہرے سے نقاب اتارتے ہوئے کہا۔ ''میں شمشاد ہوں۔ تمہیں وہ رات یاد آ رہی ہوگی جب تم نے مجھے تنظیم کا غدار سمجھ کر مجھ پر فائر کئے تھے۔''

زوبی کچھ نہ بولی۔ وہ تحسین آمیز نظروں سے کنور شمشاد کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''میں نے بلیک میلنگ بھی کی ہے۔'' شمشاد بولا۔ ''محض تنظیم کی مالی حالت بہتر بنانے کیلئے۔ سر فیروز کو اگر میں تمہارے ذریعہ بلیک میل نہ کرتا تو تنظیم کبھی اپنے پیروں پر کھڑی نہ ہو سکتی اور تم خود سوچو! پیسے کا یہ مصرف کس کام کا کہ وہ تجوریوں میں پڑا رہے اور اگر میں تمہیں بلیک میل نہ کرتا تو تم کبھی سر فیروز سے روپیہ گھسٹنے کا ذریعہ نہ بنتیں.... بولو.... کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔''

زوبی اب بھی کچھ نہ بولی۔

کمرہ بدستور نیچے کی طرف دھنستا جا رہا تھا۔ پھر تھوڑی دیر بعد ایک دھچکا سا لگا اور کنور شمشاد کے علاوہ اور سب گرتے گرتے بچے۔

شمشاد کے ریوالور کا رخ اب بھی فریدی کی طرف تھا۔ اس نے زوبی سے کہا۔

''میں تنظیم کے بڑے آدمیوں کو قریب سے دیکھنا چاہتا تھا اس لئے میں ان میں شامل ہو گیا تھا اور انہیں اچھی طرح پرکھ لینے کے بعد اس طرح اُن سے علیحدہ ہو گیا اور زوبی اُن سب میں تم ہی میرے معیار پر پوری اتری تھیں اور شہزادہ نصرت.... مجھے تمہاری دوستی پر فخر ہے۔''

''اور مجھے تمہاری ذہانت پر فخر ہے دوست! تم اسی قابل ہو کہ ساری دنیا پر حکومت کرو۔'' نصرت خان نے کہا۔

''نہیں میں دنیا کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔''

اچانک فریدی نے اُس پر چھلانگ لگائی۔ لیکن وہ بڑی پھرتی سے ایک طرف ہٹ گیا۔ فریدی

منہ کے بل زمین پر گرا۔

"میں اب بھی تمہیں اپنے ہاتھ سے نہیں ماروں گا۔" شمشاد ہنس کر بولا۔

"کھڑے ہو جاؤ۔ تمہیں خودکشی کرنی پڑے گی اور ہاں جب تمہارے آدمی عمارت میں داخل ہوں گے تو اس کمرے کے بجائے ایک ضیافت گاہ ملے گی جہاں ہر قسم کی شرابیں میزوں پر لگی ہوں گی اور وہ بے چارے اپنی تھکن دور کریں گے.... ہاہا.... فریدی..۔ تم نے مجھ سے بھڑ کر اچھا نہیں کیا.... چلو اٹھو.... ہاں.... شاباش.... اُس دروازے کی طرف چلو۔"

ریوالور کی نال فریدی کی گردن سے جا لگی اور وہ سامنے والے دروازے کی طرف چلنے لگا۔ وہ چاروں ایک چھوٹے سے کمرے میں داخل ہوئے جس میں دیواروں سے دو دو فٹ کے فاصلے پر چاروں طرف فرش سے چھت تک لوہے کے جنگلے لگے ہوئے تھے۔ فریدی کو کمرے کے وسط میں دھکیل دیا گیا اور یہ تینوں جنگلے کے درمیان میں کھڑے رہے۔ کمرے میں بہت تیز روشنی تھی۔ شمشاد نے اپنا ریوالور فریدی کی طرف پھینکتے ہوئے کہا۔ "لو ہم تینوں کو گولی مار دو۔"

فریدی چپ چاپ کھڑا رہا۔ پھر شمشاد نے ہنس کر کہا۔ "اٹھا لو۔ وہ گائے گا نہیں.... اور نہ اس میں سے شعلہ نکلے گا۔"

فریدی کی جیب میں خود اس کا ریوالور موجود تھا اور ابھی تک کسی نے اُسے ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ اس نے جیب سے اپنا ریوالور نکال کر بے تحاشا شمشاد کی طرف فائر کر دیا.... لیکن اُسے فائر ہرگز نہیں کہا جا سکتا تھا کیونکہ نہ تو آواز ہوئی اور نہ شعلہ ہی نکلا۔ اس کے بجائے ریوالور کی نال سے پگھلا ہوا سیسہ نکل کر اس کے پیروں کے پاس گر پڑا۔ ساتھ ہی فریدی نے یہ بھی محسوس کیا جیسے اس کے جسم میں طاقت ہی نہ رہ گئی ہو۔ کمرے کی چھت سے اس پر ایک بہت تیز قسم کی روشنی پڑ رہی تھی جو کمرے کی معمولی روشنی سے مختلف تھی۔ فریدی نے اسے محسوس کیا اور دو قدم آگے بڑھ گیا اُسی کے ساتھ ہی ساتھ روشنی کے دائرے نے بھی حرکت کی۔ وہ اب بھی اُسی روشنی میں نہایا ہوا کھڑا تھا۔ اُس نے چھت کی طرف نظر اٹھائی لیکن دوسرے ہی لمحے میں اُسے ریوالور پھینک کر اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لینے پڑے۔ اُسے ایسا معلوم ہوا جیسے سورج نیچے اتر آیا ہو۔ وہ کئی منٹ تک اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھے ان تینوں کے قہقہے سنتا رہا۔

"فریدی۔" شمشاد نے کہا۔ "او کرنل صاحب! کیا بات ہے بھئی۔ اٹھاؤ ریوالور پھر کوشش

کرو۔ اس کمرے میں تم جدھر بھی جاؤ گے موت کی شعاع تمہارا پیچھا نہیں چھوڑے گی۔ تم ہر حال میں اُس کے دائرے میں رہو گے۔"

فریدی نے پھر ریوالور اٹھا کر دو فائر کئے.... لیکن اس کی نال سے پھر پگھلا ہوا سیسہ نکل کر فرش پر گرا۔ فریدی کو اپنی جگہ سے حرکت کرنے میں بھی نقاہت محسوس ہو رہی تھی۔ وہ جدھر بھی جاتا روشنی کا دائرہ بھی اُس کے ساتھ ہی ساتھ کھسکتا رہا۔ ہاتھوں میں اتنی طاقت بھی نہیں تھی کہ وہ اُس زہریلی روشنی کے مخرج پر ریوالور ہی کھینچ مارتا۔

"فریدی....!" شمشاد نے اسے مخاطب کیا۔ "کامیابی صرف اسی طرح ہو سکتی ہے کہ نال سے نکلنے والی گولی پر یہ زہریلی روشنی نہ پڑنے پائے۔ تدبیر میں بتائے دیتا ہوں عمل کرنا نہ کرنا تمہارا کام ہے۔ ریوالور کی نال اپنی کنپٹی پر رکھ کر ٹریگر دبا دو۔ گولی نال سے نکل کر سیدھی کھوپڑی میں گھس جائے گی کیونکہ صرف اسی صورت میں اس پر روشنی نہیں پڑ سکتی۔ یہی تدبیر بہتر رہے گی اور پھر ایڑیاں رگڑ کر مرنے سے کیا فائدہ۔ ویسے یہ روشنی زندگی بھر تمہارے ساتھ ہی ساتھ ناچتی رہے گی۔"

فریدی پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر خوف کے آثار تھے۔ آخر اُس نے رو دینے کے سے انداز میں کہا۔ "مجھے معاف کر دو شمشاد۔ میں مرنا نہیں چاہتا۔"

شمشاد کا قہقہہ کافی طویل تھا۔

"فریدی.... خودکشی کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں۔" اس نے کہا۔ "ورنہ اگر ایک گھنٹے بھی اس میں تر روشنی میں کھڑے رہے تو عمر خضر بھی تمہارے لئے بیکار ہو گی۔"

"نہیں.... نہیں.... شمشاد مجھے معاف کر دو.... میں وعدہ کرتا ہوں۔"

"خودکشی فریدی.... خودکشی....!"

"اللہ.... مجھے معاف کرے۔" فریدی نے ایک طویل سانس لی اور ریوالور کی نال اپنی کنپٹی پر رکھ دی۔

"اللہ.... اللہ....!" اُس نے پھر بڑی دردناک آواز میں کہا اور ٹریگر دبا دیا۔ پھر اُس کے حلق سے ایک جگر خراش چیخ نکلی اور وہ فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ اس کے سر کے نیچے سے خون کی ایک

پتلی سی لکیر فرش پر بہہ نکلی۔

"تم نے دیکھا زوبی....!" شمشاد بے ساختہ ہنس پڑا۔ "میں کبھی کوئی غلط بات نہیں کہتا۔"

اس نے دیوار کے ایک سوئچ بورڈ پر ہاتھ رکھا اور زہریلی روشنی کا دائرہ فریدی کی لاش پر سے غائب ہو گیا۔

"ٹھائیں....!" اچانک ایک فائر ہوا اور نصرت خان کی چیخ کمرے میں گونج اٹھی.... پھر دوسرا فائر ہوا اور شمشاد بال بال بچا۔ اس نے جنگلے کے دروازے سے فریدی کی لاش پر چھلانگ لگا دی۔

"ٹھائیں....!" تیسرا فائر ہوا۔

"زوبی.... روشنی....!" شمشاد فریدی سے گتھا ہوا چیخا۔ لیکن قبل اس کے کہ زوبی سوئچ بورڈ تک پہنچتی فریدی نے روشنی کی مخرج پر ریوالور کھینچ مارا۔ شیشے کے بہت سے ٹکڑے فرش پر گرے لیکن ساتھ ہی ایسا معلوم ہوا جیسے جہنم میں کوئی بھٹی کھل گئی ہو۔ روشنی کے مخرج سے شعلوں کی بوچھاڑ ہو رہی تھی۔"

"ارے یہ کیا کیا....!" شمشاد حلق کے بل چیخا۔

فریدی نے اُسے شعلوں کی بوچھاڑ کی زد پر دھکیل دیا۔ شمشاد نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن فریدی کی ٹھوکر اس کی پیشانی پر پڑی اور وہ کتوں کی طرح حلق پھاڑتا ہوا وہیں ڈھیر ہو گیا اور دوسرے ہی لمحے میں جلتے ہوئے گوشت کی بو کمرے میں پھیلنے لگی.... اس کی لاش پر شعلے رقص کر رہے تھے اور فریدی قریب ہی کھڑا ہانپ رہا تھا۔

❁

دوسرے دن فریدی آئی۔ جی کے آفس میں بیٹھا ہوا یہ داستان سنا رہا تھا۔

"اور جناب....!" اُس نے مسکرا کر کہا۔ "وہ بھی اتفاق ہی تھا کہ میری جیب میں ایک قلم تراش چاقو پڑا رہ گیا تھا۔ میں نے دونوں جیبوں میں ہاتھ ڈال کر اندر ہی اندر ریوالور کے چیمبر خالی کئے اور بائیں ہتھیلی چاقو سے زخمی کر لی۔ خالی ریوالور نکال کر کنپٹی پر رکھا اور ٹریگر دبا دیا.... کنپٹیاں دبائے ہوئے گر پڑا.... شائد ہتھیلی کی کوئی رگ کٹ گئی تھی اور میں چاہتا بھی یہی تھا۔ خون کافی تیزی سے بہہ رہا تھا۔ بہر حال وہ لوگ دھوکا کھا گئے.... پھر میری پہلی گولی نصرت کی پیشانی پر لگی دوسری نے شمشاد کا شانہ زخمی کیا.... پھر زوبی دوبارہ اس زہریلی روشنی کو استعمال

کرنے چلی تھی کہ میں نے اُس کے بلب پر ریوالور پھینک مارا۔ خدا کی پناہ.... وہ شعلوں کی بارش.... میں زندگی بھر نہ بھول سکوں گا اور آخر کار شمشاد انہیں شعلوں کی نذر ہو گیا.... اور پھر وہاں سے میرا نکلنا مشکل ہو گیا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں زوبی کو نہ بچا سکا۔ وہ بھی وہیں جل مری۔ پتہ نہیں وہ روشنی کیسی تھی جس کا بلب ٹوٹتے ہی قیامت آگئی میں نہیں جانتا تھا کہ میں اس تہہ خانے سے کس طرح نکلا۔ مجھے قطعی یاد نہیں.... میں بے تحاشا بھاگ رہا تھا.... اور وہ دھماکے.... اتنا ہی مجھے یاد ہے کہ باہر نکل کر میں ایک عمارت کے کھنڈروں میں چل رہا تھا اور اس کے گرد آدمیوں کے ہجوم در ہجوم نظر آرہے تھے۔ مگر جناب! خطرہ اب بھی باقی ہے۔ شمشاد نے کہا تھا کہ اُس کے مرنے سے تنظیم نہیں مرے گی۔ کوئی دوسرا اُس کی جگہ سنبھال لے گا۔ اگر یہ حقیقت ہے تو سمجھ لیجئے کہ اب ان لوگوں تک رسائی قطعی ناممکن ہو جائے گی.... قطعی ناممکن....!"

"ٹھیک کہتے ہو۔" آئی۔جی نے تشویش آمیز لہجے میں کہا۔ کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔ "اگر تمہاری جگہ میں ہوتا تو میرے سارے بال سفید ہو گئے ہوتے۔"

"سنئے....!" فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "پچھلی رات ہمارے آدمی اُس عمارت میں بھٹک کر واپس آگئے تھے۔ ابھی تک کسی کو اس کا علم نہیں ہے کہ وہ عمارت یک بیک ڈھیر کیسے ہو گئی۔ کیا ممکن نہیں کہ ہم اس واقعہ کو بھلا ہی دیں۔ یعنی میرا مطلب یہ ہے کہ کاغذات پر نہ لایا جائے۔"

"اس سے کیا ہو گا۔"

"تنظیم کی بیخ کنی۔ تہہ خانے میں ہم چاروں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا اور میرے سوا کوئی بھی وہاں سے زندہ نہیں واپس آیا۔ ہو سکتا ہے کہ تنظیم کو دوسرا سربراہ نصیب ہی نہ ہو سکے۔ دوسری صورت میں اگر اس واقعہ کو شہرت دی گئی تو ممکن ہے کہ یہ اس تنظیم کے پھولنے پھلنے کا باعث بن جائے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو فریدی۔ ایسا ہی ہو گا۔" آئی۔جی بولا اور پھر کمرے پر سکوت طاری ہو گیا۔

❁

گری ہوئی عمارتوں کے گرد فوج کا پہرہ تھا۔ زوبی کی لاش بہت ردی حالت میں ملی۔ نصرت خان اور کنور شمشاد کی ہڈیاں بھی نہ مل سکیں۔ فریدی خود اپنی نگرانی میں ملبہ ہٹوا رہا تھا۔

اُن عمارتوں کے نیچے تہہ خانوں اور سرنگوں کا جال سا بچھا ہوا ملا۔ دو تہہ خانے اور تین سرنگیں اب بھی محفوظ تھیں.... ان میں سے کافی تعداد میں اسلحہ برآمد ہوا۔

لیکن فریدی کو وہ مشین نہ مل سکی جس سے پیغام رسانی کا کام لیا جاتا تھا تقریباً ایک ہفتہ تک وہ ملبہ ہٹواتا رہا۔ آٹھویں دن آئی۔جی کے آفس میں پھر ایک میٹنگ ہوئی جس میں آئی۔جی ڈی۔آئی۔جی اور فریدی کے علاوہ کوئی چوتھا آدمی شریک نہیں تھا۔

"لیکن تم اُن آٹھ آدمیوں کے لئے کیا کرو گے۔" آئی۔جی نے فریدی سے پوچھا۔

"طاقت والے کیس میں میرے پاس اُن کے خلاف ثبوت نہیں ہے۔" فریدی نے جواب دیا۔ "لیکن میں انہیں چھوڑوں گا نہیں۔"

"کیا کرو گے۔"

"انہیں جیل بھجوانا میرا کام ہے اُنکے ایک نہیں درجنوں جرائم معہ ثبوت میرے علم میں ہیں۔"

"مگر یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔"

"وہ جیل جائیں گے۔" فریدی ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا۔ "ہم پہلے ہی اس بات پر متفق ہو چکے ہیں کہ طاقت کے کیس کو اچھالا نہیں جائے گا۔ اگر میں اُسی معاملے میں انہیں پھانسنے کی کوشش کروں گا تو.... ظاہر ہے کہ....!"

"ٹھیک ہے.... ٹھیک ہے...." آئی۔جی جلدی سے بولا۔ "مگر اب گنگولی کا کیا ہوگا۔ پاگل خانے سے نکلنے کے بعد وہ یقیناً تمہارے خلاف طوفان اٹھائے گا۔"

"نہیں وہ ایسا نہیں کر سکے گا۔ ورنہ اُس کی یہ کوشش اسے کم از کم پانچ سال تک جیل کی ہوا کھلائے گی اور پھر اس کے علاوہ میں اس کے ایک ایسے راز سے واقف ہوں جس کے افشاء پر وہ سوسائٹی میں منہ دکھانے کے قابل نہ رہ جائے گا۔"

"کیا معاملہ ہے....!" آئی۔جی نے مسکرا کر پوچھا۔

"ایسا نہیں ہے جس کے لئے قانون کوئی سزا تجویز کر سکے، ایک اخلاقی جرم جسے ظاہر کرنا میری دانست میں کمینگی ہی ہوگی۔ لہٰذا اس سلسلے میں معافی کا خواستگار ہوں۔"

آئی۔جی نے پھر اُس کے متعلق کچھ نہیں پوچھا لیکن اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ شائد وہ کوئی خیال ہی تھا جو اسے مسکرانے پر مجبور کر رہا تھا۔ اُس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"تمہارا مخصوص اجازت نامہ بحال کر دیا گیا ہے۔"

"مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اُس سے فائدے کی بجائے ہمیشہ نقصان ہی پہنچا ہے۔ اجازت نامے سے نہ تو ریوالور کی گولیاں نکلتی ہیں اور نہ وہ میری جان ہی بچا سکتا ہے۔"

"پھر بھی وہ تمہارے لئے ضروری ہے۔"

"میں سچ عرض کرتا ہوں کہ وہ میرے کسی کام نہیں آتا بلکہ جب منسوخ ہوتا ہے تو مجھے خواہ مخواہ ہم چشموں میں خفیف ہونا پڑتا ہے۔ لہٰذا مجھے اس سے معاف ہی رکھئے۔"

"عجیب آدمی ہو۔"

"جو کچھ بھی آپ سمجھیں۔ میں کبھی اور کسی حال میں خود کو مجبور نہیں سمجھتا.... میں نے اس دوران بہتیرے غیر قانونی اقدامات کئے ہیں لیکن کس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ کس نے ٹوکا تھا مجھے.... اچھا اب اجازت دیجئے۔ مجھے اپنے زخمی ساتھیوں کے پاس پہنچنا ہے۔"

"اب کیا کیفیت ہے۔"

"بہت جلد ٹھیک ہو جانے کی توقع ہے۔"

"ہاں.... یہ تو بھول ہی گیا تھا کہ وزیر تجارت تم سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"کیا سرکاری حیثیت میں....!"

"نہیں یونہی....!"

"تو پھر اس ملاقات کے لئے غریب خانہ ہی زیادہ موزوں رہے گا۔"

فریدی آئی۔جی کے آفس سے چلا گیا۔

اور وہ دونوں کافی دیر تک خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔

تمام شد